

سِيرُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ

اَتَيْدَا عُنُقَيْكَ الْكُفَّارِ رَحْمَةً بَيْنَهُمْ
(مکھوین حق پر شہادت اور بائند گروہت اور شفقت والے)
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

غُلَقَاتُ اِسْمِیْنِ

از

مولانا حاجی حسین الدین ندوی مدظلہ العالی

www.KitaboSunnat.com

ناشران و مشران لمیٹڈ

اردو بازار لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

سِيرُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ

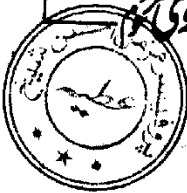
اَشْدَاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رَحِمَاءُ بَيْنَهُمْ
(مُتَكَبِّرِينَ حَقِّ پر شدت اور باہمہد کرمت اور شفقت والے)
رضوانِ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

خُلُقائے اَشِدِّينَ

www.kitabosunnat.com

از

مولانا حاجی حسین الدین ندوی مدظلہ



ناشران و مُشَرِّفَانِ

اردو بازار لاہور

248085
ح-۷۱۴۲

www.kitabosunnat.com

سلسلہ ————— سیر الصحابة والتابعين

کتاب ————— خلفائے راشدین رضی

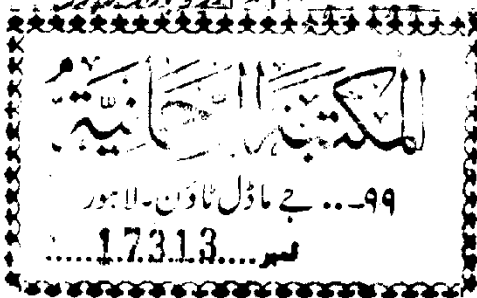
مصنف ————— مولانا حاجی معین الدین

اشاعت ————— اولیں بہ تقطیع نوی

مطبع ————— حفیظ پریس ٹیمپ روڈ لاہور

ادارہ اشاعت ————— ناشرین قرآن لمیٹڈ

۳۸۔ اردو بازار لاہور



فہرست مضامین خلفائے راشدینؓ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۵	حضرت علیؓ کی بیعت	۹	دیباچہ
۳۷	خلافت	۱۱	تہنید
۳۷	اسامہ بن زید والی مہم	۱۷	امیر المومنین ابو بکر صدیق
۳۷	مدعیان نبوت کا قلع قمع	۱۷	نام، نسب، خاندان
۳۹	مرتدین کی سرکوبی	۱۷	حضرت ابو بکرؓ کے والد
۳۹	منکرین زکوٰۃ کی تنبیہ	۱۸	حضرت ابو بکرؓ کی والدہ
۳۹	جمع و ترتیب قرآن	۱۹	قبل اسلام
۴۰	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۱۹	اسلام
۴۰	آیات و سورہ ہد نبوت میں مرتبہ سوم چکے تھے حضرت ابو بکرؓ نے قرآن کے متفرق اجزاء کو صرف ایک کتاب کی صورت میں جمع کرایا۔	۱۹	اشاعت اسلام
۴۱	صحیفہ صدیقی کب تک محفوظ رہا	۲۰	مکہ کی زندگی
۴۱	فتوحات	۲۱	ہجرت حبشہ کا قصہ اور واپسی
۴۱	مہم عراق	۲۱	ہجرت مدینہ اور خدمت رسول
۴۱	حملہ شام	۲۲	مواخات
۴۵	متفرق فتوحات	۲۴	تغیر مسجد
۴۶	مرض الموت اور استخفاف	۲۴	غزوات
۴۶	حضرت عمر فاروقؓ	۲۷	غزوہ بدر
۴۸	کارنامہ ہائے زندگی	۲۸	غزوہ احد
۴۸	نظام خلافت	۲۸	غزوہ بنی مطلق اور واقعہ اُتک
۴۹	نظام نظم و نسق	۲۹	واقعہ حندیبیہ
۵۱	حکام کی بھگوانی	۳۱	امارت حج
		۳۲	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور
		۳۲	حضرت ابو بکرؓ کی خلافت
		۳۲	ستیفہ بنی ساعدہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۹	قیاسی مسائل سے خوف	۵۲	تغزیر و حدود
۶۹	ایک قیاسی مسئلہ	۵۳	مالی انتظامات
۷۱	اخلاق و عادات	۵۴	فوجی نظام
۷۱	تقویٰ	۵۴	فوج کی اخلاقی تربیت
۷۳	زہد	۵۵	سامان جنگ کی فراہمی
۷۶	تواضع	۵۵	فوجی چھانڈنیوں کا معائنہ
۷۵	انفاق فی سبیل اللہ	۵۶	یادعات کا سہ باب
۷۶	خدمت گزاری خلق	۵۶	خدمت حدیث
۷۷	مذہبی زندگی	۵۷	محکمہ افتاء
۷۷	خانگی زندگی	۵۷	اشاعت اسلام
۷۸	مہمان نوازی	۵۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایفا عبد
۷۸	لباس رعنا	۵۹	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت
۷۹	ذریعہ معاش		اور متعلقین کا خیال
۷۹	جیاگیر	۵۹	ذمی رعایا کے حقوق
۷۹	حلیہ	۶۱	فصائل و مناقب
۷۹	ازواج و اولاد	۶۱	بارگاہ نبوت میں رسوخ
۸۰	امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	۶۲	علم و فضل
۸۰	تمام و نسب اور مظاہر	۶۳	ذوق سخن
۸۲	اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ	۶۳	تقریر و خطابت
۸۵	زمانہ اسلام	۶۴	نسب دانی
۸۹	ہجرت	۶۵	تعبیر روایا
۹۱	غزوات و دیگر حالات	۶۵	علم تفسیر
۹۷	خلافت اور فتوحات	۶۷	حدیث
۹۷	فتوحات عراق	۶۷	امامت و اجتہاد
۱۰۱	قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ	۶۸	اصول اجتہاد

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۲۲	تشدد و ترحم	۱۰۳	عام شکر کشی
۱۲۲	عفو	۱۰۵	فوتوحات شام
۱۲۲	رفاہ عام	۱۰۵	میدان یرموک اور شام کی قیمت کا فیصلہ
۱۲۵	خدا کی راہ میں دینا	۱۰۷	بیت المقدس کا سفر
۱۲۵	مساوات کا خیال	۱۰۷	متفرق معرکے اور فتوحات
۱۲۶	غیرت	۱۰۸	فتوحات مصر
۱۲۷	خانگی زندگی	۱۰۸	شہادت
۱۲۸	امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	۱۰۹	ازواج و اولاد
۱۲۸	نام و نسب، خاندان	۱۱۰	فاروقی کارنامے
۱۲۹	قبول اسلام	۱۱۰	فتوحات پر اجمالی نظر
۱۲۹	شادی	۱۱۶	لغام خلافت
۱۵۰	حبشہ کی ہجرت	۱۱۴	احتساب
۱۵۰	مدینہ کی طرف ہجرت	۱۱۶	ملکی نظم و نسق
۱۵۱	بیرومہ کی خریداری	۱۱۸	بیت المال
۱۵۲	غزوات اور دیگر حالات	۱۱۸	تعمیرات
۱۵۲	غزوہ بدر اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی حالات	۱۱۹	مستمرات
۱۵۳	غزوہ احد	۱۲۰	فوجی انتظامات
۱۵۳	دیگر غزوات	۱۲۲	نذہبی خدمات
۱۵۴	سفارت کی خدمت	۱۲۵	متفرق انتظامات
۱۵۴	غزوہ تبوک اور تجزیہ حبشہ و عسراء	۱۲۶	عدل و انصاف
۱۵۷	خلافت اور فتوحات	۱۲۸	علم و فضل
۱۵۸	فتح طرابلس	۱۳۲	اخلاق و عادات
۱۵۹	فتح افریقہ	۱۳۲	خوف و خصل
۱۵۹	اسپین پر حملہ	۱۳۶	زبرد و تناعت
۱۵۹	عبداللہ بن ابی سرح کو انعام	۱۴۱	تواضع

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۹۱	کمالی نظم و نسق	۱۵۹	فتح قبرص
۱۹۱	کعبیت المان	۱۶۰	والی بصرہ کی معزولی
۱۹۱	تعمیرات	۱۶۱	فتح طبرستان
۱۹۲	بند و ہمہ زور	۱۶۱	ایک عظیم الشان بحری جنگ
۱۹۲	مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع	۱۶۲	مستشرق قنوجات
۱۹۲	فوجی انتظامات	۱۶۳	انقلاب اور حضرت عثمان کی شہادت -
۱۹۳	امارت بحریہ	۱۸۰	شورش کے انسداد اور اصلاح کی آخری کوشش
۱۹۴	مذہبی خدمات	۱۸۱	مفسدین کو فہ کی رضا جوئی
۱۹۶	فضل و کمال	۱۸۱	تحقیقاتی و فہود
۱۹۶	لہشت و خواند	۱۸۱	انقلاب کی کوشش
۱۹۶	کتابت وحی	۱۸۲	خلافت سے کنارہ کشی کا مطالبہ
۱۹۶	اسلوب تحریر	۱۸۲	محاصرہ
۱۹۷	تقریر	۱۸۳	باغیوں کو حضرت عثمان کی ہمائش
۱۹۷	قرآن پاک	۱۸۴	جان نثاروں کے مشورے اور اجازت طلبی
۱۹۸	حدیث شریفہ	۱۸۵	شہادت کی تیاری
۱۹۸	نقد و اجتہاد	۱۸۵	شہادت
۲۰۰	علم الفرائض	۱۸۶	حضرت کا عثمان کا ماتم
۲۰۱	اخلاق و عبادات	۱۸۸	عثمانی کارنامے
۲۰۱	خوفِ خدا	۱۸۸	فتوحات پر اجمالی نظر
۲۰۱	حب رسولؐ	۱۸۸	فتوحات کی وسعت
۲۰۱	احترام رسولؐ	۱۸۹	نظامِ خلافت
۲۰۲	اتباع سنت	۱۸۹	عمال کی مجلس شوریٰ
۲۰۲	حب	۱۹۰	صوبوں کی تقسیم
۲۰۲	زہد	۱۹۰	رضداریات کی تقسیم
۲۰۳	تواضع	۱۹۰	حکام کی بحالی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۱۴	بزنس فیئر	۲۰۳	ایشیا
۲۱۴	غزوہ خندق	۲۰۳	نیاضی
۲۱۴	بوزقریظہ	۲۰۴	اسرار و احباب کے ساتھ حسن سلوک
۲۱۴	بوسعد کی سرکوبی	۲۰۵	صبر و تحمل
۲۱۴	صلح حدیبیہ - فتح خیبر	۲۰۵	مذہبی زندگی
۲۱۸	مرحب - مہم مکہ	۲۰۶	ذاتی حالات
۲۲۰	ایک غلطی کی تلافی	۲۰۶	مسکن
۲۲۰	غزوہ حنین	۲۰۶	وسائل معاش
۲۲۱	اہل بیت کی حفاظت	۲۰۶	جاگیر، زراعت
۲۲۱	تبلیغ فرمان رسولؐ	۲۰۶	غذا، صفائی، لباس
۲۲۱	مہم ین اور اشاعت اسلام	۲۰۷	حلیہ
۲۲۲	حجۃ الوداع میں شرکت	۲۰۷	انواج و اولاد
۲۲۲	صدر مہمہ جاناگاہ	۲۰۸	امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
۲۲۲	خلیفہ اول کی بیعت اور توقف کی وجہ	۲۰۸	نام، نسب، خاندان
۲۲۵	بیعت خلافت	۲۰۹	اسلام
۲۲۶	حضرت عائشہ کی قصاص پر آمادگی	۲۱۰	مکہ کی زندگی
۲۲۷	سفر عراق	۲۱۱	استقامت و دعوت
۲۲۷	حضرت سلام حسن کا سفر کوفہ	۲۱۲	ہجرت
۲۲۹	جنگ جمل	۲۱۲	فدویت و جان نثاری کا ایک عظیم الشان کا نامہ
۲۳۲	صلح کی دعوت	۲۱۳	تعمیر مسجد
۲۳۲	معرکہ صفین	۲۱۴	سزوات اور دیگر حالات
۲۳۲	پانی کے لیے کشمکش	۲۱۴	غزوہ بدر
۲۳۵	میدان جنگ میں مصالحت کی	۲۱۴	حضرت ناطقہ سے نکاح
۲۳۵	آخری کوشش	۲۱۵	رضعتی، جہیز - دعوت ولیمہ
۲۳۵	آخر جنگ	۲۱۵	غزوہ احد

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۶۳	علم حدیث	۲۶۰	خارجی فریضہ کی بنیاد
۲۶۵	فقہ و اجتہاد	۲۶۰	تعلیم کا نتیجہ
۲۶۷	قتصاد اور فیصلے	۲۶۳	خارج کی سرکشی
۲۷۱	علم اسرار و حکم	۲۶۴	مصر کے نہروان
۲۷۳	تصوت	۲۶۵	مصر کے لیے کشمکش
۲۷۴	تقریر و خطابت	۲۶۷	بنیادوں کا استیصال
۲۷۶	شاعری	۲۶۷	امیر معاویہ کا جارحانہ طریقہ عمل
۲۷۶	علم نحو کی ایجاد	۲۶۸	کرمان و فارس کی بنیادوں کو فرو کرنا
۲۷۷	اخلاق و عادات -	۲۶۹	فتوحات
۲۷۷	امانت و دیانت	۲۶۹	جواز و عرب کے قبضہ کے لیے کشمکش
۲۷۸	زہد	۲۷۲	کارنامے -
۲۷۹	عبادات	۲۷۲	خلافت مرتضوی پر ایک نظر
۲۸۱	انفاق فی سبیل اللہ	۲۷۶	ملکی نظم و نسق
۲۸۱	تواضع	۲۷۷	عمال کی نگرانی
۲۸۲	شجاعت	۲۷۷	صیغہء فیصل
۲۸۳	دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک	۲۷۸	رعایا کے ساتھ شفقت
۲۸۴	اصابت رائے	۲۷۸	فوجی انتظامات
۲۹۱	خانگی زندگی	۲۷۸	مذہبی خدمات
۲۹۳	غذا و لباس - حلیہ	۲۷۰	تفسیری سنرا
۲۹۴	ازواج و اولاد	۲۶۱	فضل و کمال -
		۲۶۲	تفسیر اور علوم القرآن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

www.kitabosunnat.com

جدید اردو دوسرے اساطین میں سے جن زعماء نے سیرت نگاری پر توجہ مرکوز کی ان میں شبلی نعمانی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے نہ صرف انسانیت کے عظیم ترین پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے سوانح حیات کی تدوین کا فنی اسلوب سے ڈول ڈالا، بلکہ اسلامی علوم کی تدریس کے لیے ندوۃ العلماء جیسا ادارہ قائم کرنے کے بعد یہاں کے فیض یافتہ فضلا پر مشتمل دارالمصنفین جیسا مرکز قائم کیا جس نے بعد میں شبلی اکیڈمی کا نام پایا۔ شبلی کے ان تلامذہ نے اسلامی تاریخ کے متعدد اوزار و رفیقہ گوشے اجاگر کیے اور سیرت نگاری کو سوانحی قواعد میں کے رخ پر بڑھانے کی مساعی کیں ہر چند یہ کام تذکرہ نویس کی ہنج پر ہوتا رہا، مگر بعض تالیفات میں اعلام کی اجبوری فرشتیں دے کر حوالجاتی سہولت ایک حد تک بہم پہنچائی گئی۔ یوں بھی اردو کی بیشتر علمی تالیفات اشاریوں سے محروم رہتی ہیں مگر اس چیز کی طرح اندازی ان تالیفات میں ضرور ہو گئی۔

دبستان شبلی کے تربیت یافتگان میں سید سلیمان ندوی کل سرسبد تھے وہی اس تصنیفی مرکز کے سربراہ بنے اور انہی کی رہنمائی میں یہاں کام ہوتا رہا۔ سیرۃ النبوی کی تکمیل اور سیرت عائشہ کی تصویب و نودان کے قلم سے ہوئی۔ پھر فلک الافلاک و رسالت کے نجوم رخشندہ کا تذکرہ قلمبند کرانے کے لیے مولانا عبدالسلام کی نگرانی میں کام کا آغاز ہوا جو اکابر تابعین و تابعین تک پہنچا اور سیر الصحابہ کے عنوان سے یہ جلدیں مختلف اوقات میں بلا ترتیب اشاعت پذیر ہوتی رہیں جنہیں اب سیرۃ الصحابہ و التابعین کے عنوان سے نوبلڈ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

آخر میں ایک جلد مفصل اشاریہ کے طور پر بڑھانے کی تجویز ہے تاکہ یہ تذکرہ ایک طرح سے سوانحی ناموس بھی بن جائے۔ **وَرَتَّلْكَ عَشْرَةً كَمَا وَاكَلَهُ!**

سوانحی مواد طبقات ابن سعد اور دوسرے مستند منابع سے لیا گیا ہے اور سب سے زیادہ صفحات شاہ معین الدین احمد کی کاوش کا نتیجہ ہیں۔ سیر المہاجرین کی شروع سے انہی کے بہنام حاجی معین الدین کے قلم سے ہوئی۔ مگر جو جو اس مرکز سے ان کا تعلق ٹوٹا۔ یہی عاشر سیر الانصار کے مؤلف سعید انصاری پر گزرا جس کی تفصیلات قیام پاکستان کے بعد لاہور میں تشریف آوری پر ان کی زبانی معلوم ہوئیں۔ باقی ماندہ اصحاب مجیب اللہ اور حافظ محمد نعیم تھے جنہوں نے اپنا اپنا کام مکمل کیا۔ لیکن عرق ریزی کی یہ تمام کاوشیں مل کر بھی باذوق قاری کو تشنگی کا احساس دلاتی رہیں اگر نگران سلسلہ مولانا عبدالسلام مسوہ صحابہؓ و صحابیاتؓ پر اپنی ژرف بینی سے حاصل ہونے والے لائی گراں بہا اس میں شامل نہ کرتے۔

نئی کتابت میں نئی تقطیع پر اس پیشکش کے عنادین اور مؤلفین و مصنفین کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

- ۱۔ خلفائے راشدین رض از مولانا حاجی معین الدین
- ۲۔ مہاجرین رض از مولانا حاجی معین الدین و مولانا شاہ معین الدین احمد
- ۳۔ انصار رض از مولانا سعید انصاری
- ۴۔ سیر الصحابہؓ (اکابر و اصغر) از مولانا شاہ معین الدین احمد
- ۵۔ صحابیات رض از مولانا سعید انصاری و مولانا عبدالسلام
- ۶۔ اہل کتاب صحابہؓ و تابعین رض از مولانا مجیب اللہ
- ۷۔ مسوہ صحابہ رض از مولانا شاہ معین الدین احمد
- ۸۔ تابعین رض از مولانا شاہ معین الدین احمد
- ۹۔ تبع تابعین رض از مولانا شاہ معین الدین احمد
- ۱۰۔ مفصل اشاریہ از ناشران

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلَىٰ الْاٰلِہِ الطَّاهِرِیْنَ وَخَلْقِہِمْ اَشْرَفِیْنَ
 اس سے پہلے کہ خلفائے راشدین کے حالات پڑھے جائیں، ضرورت ہے کہ خلافت
 راشدہ کا مفہوم و منشا سمجھ لیا جائے۔ خلافت کئی معنی میں جانشینی اور کسی کی جگہ پر اس کے
 بعد بیٹھنے کے ہیں۔ یہ لفظ خود اپنے مفہوم و منشا کو ظاہر کر رہا ہے کہ وہ ایک اصل کا سایہ ایک
 آئینہ کا عکس اور ایک حقیقی منصب کی قائم مقامی ہے، اسی کو امام کے لفظ سے بھی کبھی تعبیر
 کیا جاتا ہے۔ اور یہ دونوں لفظ خلیفہ اور امام ایک ہی شخص کی دو مختلف حیثیتوں کو ظاہر کرتے
 ہیں اپنے پیشورد کے نائب اور قائم مقام ہونے کے لحاظ سے وہ خلیفہ اور اپنے زمانہ کے پیڑوں
 کے لحاظ سے وہ امام اور پیشوا ہے، اس بنا پر درحقیقت خلافت امامت پیغمبر کی قائم مقامی اور
 اس کے بعد اس کی امت کی پیشوائی ہے، صحیح میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں انبیاء اور پیغمبر سیاست کرتے تھے، جب ایک پیغمبر مرنے
 تھا تو دوسرا پیغمبر پیدا ہوتا تھا، لیکن پیغمبر ہی اب ختم ہو گئی، تم میں خلافت ہوں گے۔
 اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت پیغمبر کی نیابت اور قائم مقامی ہے، اور نبوت
 کے بعد اسلام میں یہ سب سے بڑا درجہ اور تہ ہے، اسی لیے ان امور میں جن کی نسبت پیغمبر
 کی وحی اور فیصلہ موجود نہ ہو، اس کا حکم اور فیصلہ بھی واجب الاطاعت ہے۔ آپ نے
 فرمایا کہ میرے بعد میرے ہدایت پائے ہوئے جانشینوں کی پیروی کرو۔ اسی لیے اگر ایک
 خلیفہ کے انتخاب کے لیے ظاہری حیثیت سے اس کی سیاسی و انتظامی استعداد و صلاحیت
 کو دیکھا جائے تو اس سے بہت زیادہ اس کے اندر پیغمبرانہ صحبت کی اثر پذیرائی اور اس کے
 روحانی و علمی و اخلاقی فضائل و مناقب کی تلاش کرنی چاہیے، ان چار بزرگوں کا درجہ بدرجہ
 اس منصب عظیم کے لیے انتخاب اس نقطہ نظر کی تشریح و توضیح ہے
 اسلام میں خلافت کے فرائض اس قدر وسیع اور عالمگیر ہیں کہ تمام دینی و دنیوی مقاصد کی
 تکمیل اس کے تحت میں آجاتی ہے، لیکن ان کی اجمالی تشریح صرف ایک فقرہ میں کی جاسکتی ہے
 یعنی پیغمبر کے کاموں کو قائم اور باقی اور بر خارجی آمیزش سے پاک و صاف رکھنا، اور ان کو

ترقی دینا۔ یہ فقرہ ایک لفظ میں بھی سما سکتا ہے یعنی "امامت دین" لیکن یہ لفظ خود اس قدر وسیع ہے کہ تمام دینی و دنیوی مقاصد کو شامل کر لیتا ہے، اور امامت ارکان اسلام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، جہاد، نصب قضاة، امامت حدود اور وعظ و بندوبست و غیرہ سب اس کے جزئیات میں داخل ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی ان کی ہی مقاصد کی تکمیل میں صرف ہوئی اور آپ کے بعد جو لوگ آپ کے خلیفہ و جانشین ہوئے، انہوں نے بھی اپنی زندگی کو ان ہی مقاصد کی تکمیل کے لیے وقف کیا۔ خلفاء کے دہریلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اگرچہ ان مقاصد کی تکمیل کے لیے الگ الگ اشخاص مقرر تھے، مثلاً نماز کی امامت اور صدقات و زکوٰۃ کے وصول کرنے کا کام مخصوص اشخاص سے متعلق تھا۔ برائیوں پر روک ٹوک کرنے کے لیے اور اشخاص معین تھے۔ مقدمات کے فیصلہ کا کام مخصوص اشخاص سے لیا جاتا تھا۔ قرآن و سنت کی تعلیم اور لوگ دیتے تھے، لیکن خلافت کی تعریف ان تمام مقاصد کو شامل ہے۔ اس لیے ان اشخاص کے لیے متفرق طور پر چن اوصاف کی ضرورت ہے۔ خلیفہ کو ان سب کا جامع ہونا چاہیے، لیکن ان ظاہری اوصاف کے علاوہ روحانی فضائل کے لحاظ سے خلیفہ میں پہنچتا تعلیم و تاثیر کا فیضان پورے جوش کے ساتھ جاری رہتا ہے، پہنچتا جن لوگوں میں اس قسم کی روحانی استعداد دیکھتا ہے، اشارات و تلویحات کے ذریعہ ان ہی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کرتا ہے۔ زمانہ کے انقلاب اور حالات کے تغیر نے اسلام کے حقیقی نصب العین کو چالیس سال کے بعد بدل دیا، اور ان لوگوں کے ہاتھوں میں یہ منصب چلا گیا جو اندرونی و باطنی و روحانی حیثیت سے اس کے لائق نہ تھے، بلکہ ان کو صرف ظاہری طور پر ثقہ و متدین، پاکیزہ، پابند ارکان اسلام اور عالم بالکتاب و السنۃ دیکھ کر امام و خلیفہ تسلیم کر لیا گیا، لیکن ایک سنجیدگی کی نگاہ ان ظاہری صفات کیساتھ مخصوص روحانی فضائل و کمالات پر بھی پڑتی ہے، اور ان ہی فضائل و کمالات کے لحاظ سے قرآن و حدیث میں ایسے مخصوص اشارات پائے جاتے ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کما حقہ کا حقیقی مستحق صرف صحابہ کا گروہ تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل بویکے تو ان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو سب سے بہتر پایا، اس لیے اس کو جن پر ایسا دل آپ کو بغیر بنا کر مبعوث فرمایا۔ پھر آپ کے دل کے بعد اپنے بندوں کے دل دیکھے تو آپ کے صحابہ کے دل کو سب سے بہتر پایا اس لیے انکو آپ کا وزیر بنایا، جو آپ کے دین کی حفاظت کے لیے جنگ کرتے ہیں۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ صحابہ کا پورا گروہ خلیفہ نہیں ہو سکتا تھا اس لیے خود اس گروہ میں ایسے مخصوص تیور و اوصاف کا اضافہ کیا گیا، جس سے خلافت کا مفہوم خدا و رسول کے مشارکے مطابق محدود ہو کر بالکل مکمل ہو جائے، اور جن لوگوں میں یہ اوصاف موجود ہوں، ان کی نسبت یہ الطہیان حاصل ہو سکے کہ وہ خلافت کو صحیح اصول پر چلائیں گے، چنانچہ قرآن و حدیث کے اشارات و تلویحات سے خلافت کے مفہوم کی تکمیل کے لیے جن مخصوص اوصاف کی ضرورت ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) خلیفہ مہاجرین اولین میں سے ہو، صلح حدیبیہ اور دوسرے اہم غزوات مثلاً بدر و تبوک میں شامل اور سورہ نور کے آنے کے وقت موجود رہا ہو، چنانچہ خداوند تعالیٰ مہاجرین اولین کے متعلق فرماتا ہے۔

أَلَّذِينَ إِذَا تَكَفَّرْنَا فِي الْأَرْضِ
أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَنُوا
بِالْمَعْرُوفِ وَكَهَرُوا عَنِ الْمُنْكَرِ

وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین میں جگہ دے دیکھے
تو یہ لوگ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، شرعی
کا حکم دیں گے اور بربائی سے روکیں گے۔

اور یہ تمام چیزیں مقاصد خلافت میں شامل ہیں۔ شرکائے صلح حدیبیہ کی نسبت ارشاد ہوتا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ
أَشِدُّوا عَلَى الْكُفَّارِ

محمد رسول اللہ اور جو لوگ آپ کے ساتھ
ہیں کفار پر سخت ہیں۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس گروہ کے ذریعہ سے اعلاء کلمۃ اللہ ہو گا جو خلافت کا سب سے بڑا مقصد ہے جو لوگ سورہ نور کے آنے کے وقت موجود تھے، ان کی نسبت ارشاد ہوتا ہے۔

وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ لَيَسِّرَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ
كَمَا اسْتَحْتَفَتِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
لَيُحْيِيَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي
ارْتَضَى لَهُمْ (نور۔ ۷)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے
ان سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو دین کا
غیظ بھگا جائیگا کہ ان لوگوں کو غیظ بنا چکا ہے جو
ان سے پہلے تھے اور ان کے اس دین کو جو ان
کے لیے پسند کیا ہے مضبوط کر دے گا۔

اب اس آیت میں منکم کے لفظ سے وہی جماعت مراد ہے جو اس موقع پر موجود تھی، ورنہ اگر عام مسلمان مراد ہوتے تو ایمان و عمل صالح کے لحاظ کے ساتھ یہ لفظ بیکار ہو جاتا، بہر حال اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مخصوص جماعت سے خدا نے خلافت کا وعدہ کیا ہے، اور اس کے ذریعہ سے دین کو استقام حاصل ہو گا۔

شراکائے بدر و تبوک کے فضائل میں اس قسم کی آیات و احادیث دار و مدار ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہے، وہ ان میں موجود تھے۔

(۲) وہ میسر بالجمتہ ہو۔

(۳) وہ امت کے طبقہ علیا یعنی صدیقین، شہداء، صالحین اور محدثین میں ہو اور جنت میں اسکا درجہ بلند ہو۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اس کے ساتھ ایسا ہو جیسا کہ مستحق خلافت کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ مثلاً آپ نے اس کے استحقاق خلافت کا ذکر کیا ہو، ایسے قرآن بیان فرمائے ہوں جن سے فقہائے صحابہ نے یہ سمجھا ہو کہ اگر آپ خلیفہ بناتے تو اسی شخص کو بناتے، جو کام نبوت سے تعلق رکھتے ہوں، آپ نے اپنی زندگی میں اس سے لیے ہوں۔

(۵) خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدے کیے ہوں وہ اس کی ذات سے پورے ہوں

(۶) اس کا قول حجت ہو۔

یہ اوصاف اگرچہ متفرق طور پر بہت سے صحابہؓ میں پائے جاتے تھے لیکن ان کا مجموعہ صرف خلفائے اربعہؓ کی ذات تھی، چنانچہ ان اوصاف کو اگر بہ ترتیب پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کوئی وصف ایسا نہیں ہے جو ان کی ذات میں موجود نہ تھا۔ یہ لوگ مہاجرین اولین میں سے تھے صلح حدیبیہ میں شریک تھے، بدر، احد اور تبوک اور دوسرے اہم غزوات میں شریک تھے، اور وہ لوگ کے اترنے کے وقت موجود تھے، میسر بالجمتہ تھے، امت کے طبقہ علیا سے تھے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ رضی اللہ عنہم ایک پہاڑ پر تھے کہ ایک چٹان ہلنے لگی۔ آپ نے اس وقت فرمایا کہ: ”مٹھرتھ پر صرف نبی باصطقی یا شہید ہیں، میرا ایک خلیفہ کے متعلق الگ الگ بھی اس قسم کی حدیثیں وارد ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام امت میں نہایت بلند درجہ رکھتے تھے، آپ نے حضرت ابو بکرؓ کی نسبت فرمایا: ”کیا تم پہلے شخص نہیں ہو جو میری امت میں سے جنت میں داخل ہو گے، تم ہوس کوڑ پر میرے رفیق ہو۔ اور غار میں میرے رفیق تھے۔ حضرت عمرؓ کی نسبت ارشاد ہوا کہ گزشتہ امتوں میں محدثین تھے۔ اگر میری امت میں کوئی محدث ہوگا تو وہ عمرؓ ہوں گے، بہت سی آیتیں حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق نازل ہوئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کے مصداق تھے حضرت عثمانؓ کی نسبت فرمایا کہ جس سے

فرشتے تشرلتے ہیں، کیا میں اس سے ترشتر ماؤں، پیر پھیر کے رفیق ہوتے ہیں اور جنت میں میرا رفیق عثمان ہے؟ حضرت علی کم اللہ وجہہ کی نسبت ارشاد ہوا کہ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میرے ساتھ تم کو وہی نسبت حاصل ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی، کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے، اور اس کو اللہ اور اس کے رسول محبوب رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بزرگوں کے ایسے اوصاف بیان فرمائے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہی خلافت کے حقیقی متحق تھے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ میری امت پر سب سے زیادہ رحمدل ابو بکرؓ ہیں، خدا کے بارے میں سب سے بونے والے عمرؓ سب سے زیادہ حیا دار عثمانؓ اور سب سے بڑے قاضی علیؓ ابن ابی طالب ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر تم لوگ ابو بکرؓ کو امیر بناؤ گے تو ان کو دنیا کا حقیر سمجھنے والا اور آخرت کا شائق پاؤ گے، اگر تم کو امیر بناؤ گے تو ان کو قوی امین پاؤ گے، جو خدا کے بارے میں ملامت کا خوف ذکر کریں گے، اور اگر علیؓ کو امیر بناؤ گے اور میں خیال ہے کہ تم لوگ ایسا نہ کرو گے تو ان کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ پاؤ گے۔ ان اوصاف کے ساتھ جو کام منصب نبوت سے تعلق رکھتے تھے آپ نے اپنی زندگی میں ان سے وہ کام لیے ہیں مثلاً ابو بکر رضی اللہ عنہ کو متعدد مواقع پر اپنی جگہ امام بنا لیا ہے اور امیر الحج مقرر فرمایا ہے، مسلمانوں کے معاملہ میں ہمیشہ شیخین سے مشورے کیے ہیں، حضرت عمرؓ کو بعض فزوات کا امیر بنایا ہے، اور صدقاتِ مدینہ کا عامل مقرر فرمایا ہے، حضرت عثمانؓ سے صحیح حدیبیہ کے زمانے میں سفیر کا کام لیا ہے، اور حضرت علیؓ کم اللہ وجہہ کو مین کا قاضی مقرر کر کے بھیجا ہے۔

خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدے کیے تھے، وہ ان کے زمانے میں پورے ہوئے۔ مثلاً اقامتِ صلوٰۃ، اتیانے ذکوٰۃ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور تکلیف و تقویتِ دین سے وہ وعدے پورے ہوئے جو آیت ان مَلَكْتُمْ فِي الْاَرْضِ اور دَعَا النَّبِيَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ الْاٰمَنُوْا فِيْكُمْ کے لیے کیے گئے تھے، اسلام کے مقابل میں، یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کے مغلوب ہوجانے سے لِيُظْهِرَ اَعْيُنَ النَّاسِ عَلٰى الْاٰيَاتِ الْكٰذِبَةِ، کی بشارت پوری ہوئی اور فتوحات کی کثرت نے آیت مَثَلُكُمْ فِي الْاَنْبِيَاءِ كَمَثَلِ الْاَنْبِيَاءِ الْاٰتَمِّينَ کی موعودہ غیر و برکت کو پورا کیا آیت مَثَلُكُمْ فِي الْاَنْبِيَاءِ كَمَثَلِ الْاَنْبِيَاءِ الْاٰتَمِّينَ کی طرف جو اشارہ ہے وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں ہوئی اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُمْ وَذِكْرَهُمْ فِي الْاَنْبِيَاءِ کی شکل میں قرآن مجید کی تدوین کی طرف

جواشارہ ہے، اس کی ہمیں حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی کوششوں سے ہوئی، قال خوارج کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ اگر میں ان کو پاتا تو عادی طرح قتل کر داتا، اور ان کی جنگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زلمنے میں ہوئی۔

امور دین میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح کے مطابق ان کا قول و فعل حجت تھا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدینؓ کی سنت کا اتباع فرض ہے، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میرے بعد کے لوگوں میں۔ ابو بکرؓ اور عمرؓ کی تقلید کرو۔ عرض اس قسم کے بیشمار فضائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اور رسول کی مرضی کے مطابق خلافت کے حقیقی مستحق اور اس کی تعریف کا صحیح مصداق صرف خلفائے راشدین تھے۔ اور ان کے کارنامے زندگی بھی جو اس کتاب میں مذکورہ ہیں اس کی تصدیق کریں گے۔

معین الدین ندوی
رفیق دار المصنفین، اعظم گڑھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ——— محمدؐ وعلیؑ علیٰ رسولہ الکریمؐ

حضرت ابو بکر صدیقؓ

خليفة اول - رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نام و نسب، خاندان | عبداللہ نام، ابو بکر کنیت، صدیق اور عقیق لقب، والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ

والدہ کا نام سلمیٰ اور ام الخیر کنیت، والد کی طرف سے پورا سلسلہ نسب یہ ہے ۱۔ عبداللہ بن عثمان بن عفان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی القرشی التیمی، اور والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے ۱۰۔ الخیر بنت محضر بن عامر بن کعب بن تیم بن مرہ، اس طرح حضرت ابو بکر کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں مرہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کے والد ابو قحافہ عثمان بن عامر شرفائے مکہ میں سے تھے اور نہایت معزز تھے۔ ابتداً

جیسا کہ بوڑھوں کا قاعدہ ہے، وہ اسلام کی تحریک کو باز کچھ اطفال سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی ہے، تو میں آپ کی تلاش میں حضرت ابو بکرؓ کے گھر آیا، وہاں ابو قحافہ موجود تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو اس طرف سے گزرتے ہوئے دیکھ کر نہایت برسرہمی سے کہا کہ ان بچوں نے میرے لڑکے کو بھی خراب کر دیا ہے۔

ابو قحافہ فتح مکہ تک نہایت استقلال کے ساتھ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے، فتح مکہ کے

بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، وہ اپنے فرزند زید سعید حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ضعیف پیری کو دیکھ کر فرمایا کہ انہیں کیوں دی میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا، اس کے بعد آپ نے نہایت شفقت سے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور کلمات طہیبات تلقین کر کے شرف باسلام فرمایا۔

حضرت ابو قحافہ نے بڑی عمر فرمائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے فرزند زید سعید حضرت ابو بکرؓ کے بعد بھی کچھ دنوں تک زندہ رہے، آخر عمر میں بہت ضعیف ہو گئے تھے، آنکھوں کی بصارت جاتی

لہ طبقات ابن سعد تم اہل جز ثالث ص ۱۱۹ - لہ الاصابہ جلد ۴ ص ۲۲۱

رہی تھی۔ ۱۷ سالہ میں ۹۷ برس کی عمر میں وفات پائی۔ ۱۷

حضرت ابو بکرؓ کی والدہ حضرت ام المومنین بنت صخر کو ابتدائی میں مملکت بکوشان اسلام میں داخل ہونے

کا شرف حاصل ہوا، ان سے پہلے صرف انسانی اصحاب مسلمان ہوئے تھے، یہ قبیل جماعت بالاعلان اپنے

اسلام کا اظہار نہیں کر سکتی تھی اور نہ مشرکین و کفار کو باہگاہل دین میں کی دعوت دے سکتی تھی، لیکن حضرت

ابو بکرؓ کا مذہبی جوش اس لیے بھی پر نہایت مضطرب تھا۔ آپ نے ایک روز نہایت اصرار کے ساتھ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت کے لئے مجمع عام میں شریعت حقہ کے فضائل و محامد پر تقریر کی، اور کفار و مشرکین

کو شرک و بت پرستی چھوڑ کر اسلام قبول کر لینے کی دعوت دی، کفار و مشرکین جن کے کان کبھی ان الفاظ سے نوس

نہ تھے، نہایت برہم ہوئے، اور حضرت ابو بکرؓ صدیق کو نہایت بے رحمی اور خداناترسی کے اس قدر مارا کہ بالآخر

بنو تم کو باوجود مشرک ہونے کے اپنے قبیلہ کے ایک فرد کو اس حال میں دیکھ کر ترس آ گیا اور انہوں نے ظالم

مشرکین کے نیچے ظلم سے پھر اکلان کو مکان تک پہنچا دیا، شب کے وقت بھی حضرت ابو بکرؓ باوجود درد اور

تکلیف کے اپنے والد اور سخاندانی اعزہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کاپتہ دریافت کر کے اپنی والدہ کے ساتھ رقم پڑن رقم کے مکان میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

عرض کی کہ میری والدہ حاضر ہیں، ان کو راہ حق کی ہدایت کیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام

کی دعوت دی، اور وہ مشرف باسلام ہو گئیں۔ ۱۸

حضرت ام المومنین نے بھی طویل عمر پائی۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ صدیق کی خلافت تک زندہ رہیں

لیکن اپنے شوہر سے پہلے وفات پائی۔ ۱۹

قبل اسلام حضرت ابو بکرؓ صدیق اسلام سے قبل ایک متمول تاجر کی حیثیت رکھتے تھے، اور ان کی دیانت، راست

بازی اور امارت کا خاص شہرہ تھا، اہل مکان کو عمل تجربہ اور حسن خلق کے باعث نہایت معزز سمجھتے تھے، ایام

جمہوریت میں نخل بہا، مال آپ کے ہاں ہی جمع ہوتا تھا، اگر کسی کی دوسرے شخص کے یہاں جمع ہوتا تو قریش اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ۲۰

حضرت ابو بکرؓ کو ایام جمہوریت میں بھی شراب پیئے ویسی ہی نفرت تھی، جیسی زمانہ اسلام میں اس قسم

کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ شراب نوشی میں نقصان آبرو ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پکپن ہی سے ان کو خاص اٹس اور خلوس تھا، اور آپ کے

۱۷ اصحاب جلد ۲ ص ۲۲۲ ۱۸ اصحاب جلد ۸ ص ۲۲۵ ۱۹ ایضاً جو اطران ۲۰ کنز العمال جلد ۶ ص ۲۱۳

مخصوص حلقہ احباب میں داخل تھے۔ اکثر تجارت کے سفروں میں بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ مکہ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خلعت نبوت عطا ہوا اور آپ نے فحشی طور پر احباب مخلصین اور

محرمانِ راز کے سامنے اس حقیقت کو ظاہر فرمایا، تو مدظل میں سے حضرت ابو بکرؓ نے سب سے پہلے بیعت کیے یہ ہاتھ بڑھایا۔ بعض ارباب سیر نے ان کے قبول اسلام کے متعلق بہت سے طول طویل قصے نقل کیے ہیں، لیکن یہ سب حقیقت سے دور ہیں۔ اصل یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا آئینہ دل پہلے سے صاف تھا۔ فقط۔

خوشیہ حقیقت کی عکس نگاہی کی دیر تھی۔ گزشتہ صحبتوں کے تجربوں نے نبوت کے خط و خال کو اس طرح واضح کر دیا تھا کہ معرفت حق کے لیے کوئی استغرابیاتی نہ رہا، البتہ ان کے اول مسلمان ہونے میں بعض توجہیں اور اہل آثار نے کلام اکیلی ہے۔ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا اسلام سب سے مقدم ہے بعض سے معلوم ہوتا ہے

کہ حضرت علیؓ کو اللہ وجہہ کو اولیت کا فخر حاصل ہے، اور بعض کا خیال ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ بھی حضرت ابو بکرؓ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے، لیکن اس کے مقابلہ میں ایسے اخبار و آثار بھی بکثرت موجود ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیت کلمہ شرف و امتیاز صرف اسی ذات گرامی کیلئے مخصوص ہے، حضرت سلمانؓ بن ثابت کے ایک قصیدے سے بھی اسی خیال کا ثبوت ہوتا ہے۔

اذ اذن کدت شجوا احد احمی ثقة
فاذکوا اخلاک ابابکر بسما فعلا
جیتہیں کسی پتھے بھائی کا غم یا آوے
تو اپنے بھائی ابو بکر کو یاد کرمان کے کارناموں کی بنا پر
خیر البریۃ اقاھا واعد لہا
بعد النبی وادواھا بسما حملا
وہ تمام مخلوق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقویٰ اور عدل کے لحاظ سے ستر تھے اور انہوں نے
جو کچھ اٹھایا اس کو پورا کر کے چھوڑا۔

والغنائی السالی المحمود مشہدا
و اول اللہ اس منہم صدق الرسلا
دہی ثانی اور آپ کے بعد متصل ہیں جن کی مشکلات میں موجودگی کی تعریف کی گئی ہے اور
وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی ہے۔

محققین نے ان مختلف احادیث و آثار میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ امام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی اولیت میں حضرت
علیؓ کو اللہ وجہہؓ کی اولیت میں حضرت زید بن حارثہؓ غلاموں میں اور حضرت ابو بکرؓ صدیقؓ آزاد اور باغیظوں میں سب اول مومن ہیں
اشاعت اسلام | حضرت ابو بکرؓ صدیقؓ نے مسلمان ہونے کے ساتھ ہی دین حنیف کی نشر و اشاعت کیلئے

جدوجہد شروع کر دی۔ اور صرف آپ کی دعوت پر حضرت عثمان بن عفان حضرت زبیر بن العوام حضرت عبدالرحمن بن نوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، اور حضرت طلحہ بن عبد اللہ جو معدن اسلام کے سب سے نمایاں و درخشاں جوان ہیں مشرف باسلام ہوئے حضرت عثمان بن عفان حضرت ابوعبیدہ حضرت ابولسعود حضرت خالد بن ولید بن العاص بھی آپ ہی کی ہدایت سے دائرۃ اسلام میں داخل ہوئے، یہ وہ اکابر صحابہ ہیں جو اسلام کے اختراٹے نمایاں ہیں، لیکن ان ستاروں کا مرکز شمس حضرت ابوبکر صدیق ہی کی ذات تھی، علیحدگی کے علاوہ ان کا منفی روحانی اثر بھی سعید و غم کو اسلام کی طرف مائل کرتا تھا چنانچہ اپنے صحن خانہ میں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی تھی، اور اس میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت الہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ نہایت رقیق القلب تھے، قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے، لوگ آپ کے گریہ و بکا کو دیکھ کر جمع ہو جاتے اور اس پر اثر منظر سے نہایت متاثر ہوتے۔

مکہ کی زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مکہ کی ایذا رسانی کے باوجود تیرہ برس تک مکہ میں تبلیغ و دعوت کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیق اس بے بسی کی زندگی میں جان، مال، رزق و مشورہ عرض ہر حیثیت سے آپ کے دست و بازو اور رنج و راحت میں شریک رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح و شام حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے جاتے اور دینک مجلس راز قائم رہتی تھی قبائل عرب اور عام جمیوں میں تبلیغ و ہدایت کیلئے جاتے تو یہی ہم گاہ ہوتے اور نسیانی اور کثرتِ ملاقات کے باعث لوگوں سے آپ کا تعارف کراتے۔ مکہ میں ابتدا میں لوگوں نے داعی توحید کو لیدیک کہا، ان میں کثیر تعداد علموں اور لوڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے بوجہ ظلم و ستم میں گرفتار ہونے کے باعث طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا تھے حضرت ابوبکرؓ نے ان مظلوم بندگانِ توحید کو ان جھاکار مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیا۔ چنانچہ حضرت بلالؓ، عاتر بن فہیرہ، نذیرہ، ہندیرہ، جبارینہ، بی سولہ اور بنت ہندیرہ وغیرہ نے اسی صدیقی جو دو کم کے ذریعہ سے نجات پائی۔ کفار جب کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دست تعدی دراز کرتے تو یہ حخلص جان نثار ظہر میں پڑ کر خود سینہ پیر ہو جاتا۔ ایک دفعہ آپ خانہ کعبہ میں تشریف فرما رہے تھے۔ مشرکین اس تشریح سے سخت برہم ہوئے اور اس قدر مارا کہ آپ بیہوش ہو گئے، حضرت ابوبکرؓ نے بڑھ کر کہا خدا تم سے مجھے، کیا تم صرف

یعنی بخاری باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ الی المدینہ ۱۷۱ ایضاً ۱۷۱ کنز العمال جلد ۴ ص ۳۱۹
فضائل ابی بکر صدیق -

ان کو اس لیے قتل کر دو گے کہ یہ ایک خدا کا نالیٹے ہیں؟ اسی طرح ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں عقبہ بن معیط نے اپنی چال سے گونے سبک میں پھندا ڈال دیا، اس وقت اتفاقاً حضرت ابوبکر پہنچ گئے، اور اس ناہنجاری کی گردن پکڑ کر خیر الانام علیہ السلام سے علیحدہ کیا اور فرمایا: کیا تم اس کو قتل کرو گے جو تمہارا سہ پاس خدایٰ نشانیاں لایا، اور کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟ ۱۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ میں رشتہ مصاہرت مکہ ہی میں قائم ہوا یعنی حضرت ابوبکرؓ کی اصل بھاری حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں لیکن رخصتی ہجرت کے دو سال بعد ہوئی ۱۱

ہجرت حیدرہ کا قصد اور واپسی | ابتداء مشرکین قریش نے مسلمانوں کی قیل جاعت کو چنداں اہمیت نہ دی

لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ روز بروز ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور اسلام کا حلقہ آشر وسیع ہوتا جاتا ہے تو نہایت سختی سے انہوں نے اس تحریک کا سد باب کرنا چاہا، ایذا اور تکلیف رسانی کی تمام ممکن صورتیں عمل میں لانے لگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے جاں نثاروں کو ان مصائب میں مبتلا پایا تو تم زوروں

کو پیش کی طرف ہجرت کی اجازت دی، اور بہت سے مسلمان حبش کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ

بھی باوجود جاہ و ثناء اور اعزاز خاندانی کے اس داروغہ سے محفوظ نہ تھے، چنانچہ جب حضرت طلحہؓ بن عبد اللہ ان کی تبلیغ

سے متعلق گوش اسلام ہوئے تو حضرت طلحہؓ کے چچا نوفل بن خولید نے ان دونوں کو ایک ساتھ باندھ کر مارا اور حضرت

ابوبکرؓ کے خاندان نے کچھ حمایت نہ کی ۱۲۔ ان اذیتوں سے غمور ہو کر آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجازت

لی اور رخت سفر باندھ کر عازم حبش ہوئے۔ جب آپ مقام بکر العاد میں پہنچے تو ابن الدغنے رئیس قارہ

ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا ابوبکرؓ کہاں کا قصد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ قوم نے مجھے جلا وطن کر دیا ہے، اب

ارادہ ہے کہ کسی اور ملک کو چلا جاؤں اور آزادی سے خدا کی عبادت کروں، ابن الدغنے نے کہا کہ تم سا آدمی جلا

وطن نہیں کیا جاسکتا تم مفلس ہے لو الی دست گیری کرتے ہو، قرابت داروں کا خیال رکھتے ہو۔ بہمان

فوازی کرتے ہو، مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو۔ میرے ساتھ واپس چلو اور اپنے وطن ہی میں اپنے خدا کی عبادت

کرو۔ چنانچہ آپ ابن الدغنے کے ساتھ بھر مکہ واپس آئے، ابن الدغنے نے قریش میں پھر کو اعلان کر دیا کہ آج سے ابوبکرؓ

پھیری امان میں ہیں۔ ایسے شخص کو جلا وطن نہ کرنا چاہیے جو تمہاری جی کی خیر گیری کرتا ہے قرابت داروں کا خیال

۱۲۔ فتح البدر ج ۲ ص ۱۲۹ بخاری باب الفی البنی مسلم واصحابہ من المشرکین بکہ ۱۳۔ باب تزویج البنی مسلم عائشہ رض

۱۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۹۳، یہ واقعہ کی روایت ہے۔

رکھتا ہے، مہمان نوازی کرتا ہے، اور صحابہ میں لوگوں کے کام آتا ہے۔ تشریح نے ابن الدننہ کی امان کو تسلیم کیا، لیکن فرمائش کی کہ ابوبکر کو سمجھا دو کہ جب اور میں طرح جی چاہے اپنے گھر میں نمازیں پڑھیں اور قرآن کی تلاوت کریں، لیکن گھر سے باہر نماز پڑھنے کی ان کو اجازت نہیں، مگر جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، حضرت ابوبکر صدیق نے عبادت الہی کیلئے اپنے محن خانہ میں ایک مسجد بنائی تھی، گھار کو اس پر بھی اعتراض ہوا، انھوں نے ابن الدننہ کو تحریر کر دی کہ ہم نے تمہاری ذمہ داری پر ابوبکر کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے مکان میں چھپ کر اپنے مذہبی فرائض ادا کریں، لیکن اب وہ محن خانہ میں مسجد بنا کر اعلان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اس سے ہم کو خوف ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے مشاشر ہو کر اپنے آبائی مذہب سے بد عقیدہ ہو جائیں۔ اس لیے تم انھیں مطلع کر دو کہ اس سے باز آجائیں، ورنہ تم کو ذمہ داری سے بری سمجھیں۔ ابن الدننہ نے ابوبکر صدیق سے جا کر کہا، تم جانتے ہو کہ میں نے کس شرط پر تمہاری حفاظت کا ذمہ لیا ہے، اس لیے یا تو تم اس پر قائم رہو یا مجھے ذمہ داری سے بری سمجھو، میں نہیں چاہتا کہ عرب میں مشہور ہو کہ میں نے کسی کے ساتھ بد عقیدگی کی، لیکن حضرت ابوبکر نے نہایت استغناء کے ساتھ جواب دیا کہ ”مجھے تمہاری پناہ کی حاجت نہیں میرے لیے خدا اور اس کے رسول کی پناہ کافی ہے۔“

ہجرت مدینہ اور خدمت رسول ﷺ اگلا دوسرا شخص کا دست ستم روز بروز زیادہ دراز ہوتا گیا، قوآپ نے پھر دوبارہ ہجرت کا قصد فرمایا، اس وقت تک مدینہ کی سرزمین نور اسلام سے منور ہو چکی تھی۔ اوستم رسیدہ مسلمانوں کو نہایت خصوصیت کے ساتھ اپنے دامن میں پناہ دے رہی تھی۔ اس لیے اس دفعہ آپ نے مدینہ کو اپنی منزل قرار دیا اور ہجرت کی تیاری شروع کر دی، لیکن بارگاہ نبوت سے یہ حکم ہوا کہ اچھی عجلت سے کام نہ لو، امید ہے کہ خدا نے پاک کی طرف سے مجھے بھی ہجرت کا حکم ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے نہایت تعجب سے پوچھا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، کیا آپ کو مجھے ہجرت کا حکم ہوگا۔ ارشاد ہوا: ”عزیز کی یا رسول اللہ! مجھے ہماری کاشتہ نصیب فرمایا، ہاں تم ساتھ چلو گے۔“ اس بشارت کے بعد اللہ مکتوبی کر دیا، اور چار ماہ تک منتظر رہے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوا سبوح و شام حضرت ابوبکر صدیق کے گھر تشریف لایا کرتے تھے، ایک روز منہ کو چھپائے ہوئے خلاف معمول اوقات تشریف لائے اور فرمایا کہ کوئی نہ پوچھے، ہمارے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی کہ گھر والوں کے سوا اور کوئی نہیں

۱۵ بخاری جلد اول باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ

ہے۔ یہ سن کر آپ اندر تشریف لائے، اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا ہے، حضرت ابو بکرؓ نے پھر عمرؓ کی تمتنا ظاہر کی، ارشاد ہوا۔ ہاں تیار ہو جاؤ، وہ تو چار مہینے سے اسی انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، فوراً تیار ہو گئے۔

اس المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے جلدی جلدی رشتہ سفر نہایت کیا، حضرت اسماءؓ کو جلدی میں تو شہوانہ باز سے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی، تو انھوں نے اپنا کمر بند بھاڑ کر بازو اور دو پارہ نبوت سے ذات التطاقین کا خطاب پایا حضرت ابو بکرؓ نے پہلے ہی سے دو دانٹ تیار کر لیے تھے، ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور ایک پر خود سوار ہوئے، اس طرح نبی و صدیقؓ کا مختصر قافلہ راہی مدینہ ہوا۔

اس قافلہ کی پہلی منزل غار ثور تھی، حضرت ابو بکرؓ نے غار میں پہلے داخل ہو کر اس کو درست کیا جو سورخ اور کھٹ نظر آئے ان کو بند کیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر تشریف لانے کے لیے عرض کی، آپ اس غار میں داخل ہوئے، اور اپنے رفیق مونس کے زانو پر سر مہدک رکھ کر مشغول استراحت ہو گئے۔ اتفاقاً اسی حالت میں ایک سورخ سے جو بند ہونے سے رہ گیا تھا، ایک زہر یلے سانپ نے سز نکالا، لیکن اس خادم جاہل شانہ نے اپنے آقا کی راحت میں غل انداز ہونا گوارا نہ کیا، اور خود اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اس پر پاؤں رکھ دیا، سانپ نے کاٹ لیا۔ زہر اتر کر لگا، درد و کرب کے باعث آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، لیکن اس وفاق شاعر رفیق نے اپنے جسم کو حرکت تک نہ دی کہ اس سے خواب راحت میں غل انداز ہی ہوگی، اتفاقاً آنسو کا ایک قطرہ ڈھک کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اور پر پٹکا، جس سے تصور بیدار ہو گئے، اور اپنے مخلص نگار کو بے چین دیکھ کر فرمایا، ابو بکرؓ کیا ہے؟ عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں! سانپ نے کاٹ لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اس مقام پر اپنا لہجہ من لگا دیا، اس تریاق تیرہ گارہور ہو گیا۔

حضرت ابو بکرؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو ہدایت کر دی تھی کہ دن کو مکہ میں جو واقعات پیش آئیں رات کو ہمارے پاس آکر ان کی اطلاع کرتے رہنا، اسی طرح اپنے غلام عامر بن نفیرہؓ کو حکم دیا تھا کہ مکہ کی چراگاہ میں یکریٹل چرائیں اور رات کے وقت غار کے پاس لے آئیں، چنانچہ صبح کے وقت جب حضرت عبداللہؓ و اس آتے تو حضرت عامر بن نفیرہؓ ان کے نشان قدم پر یکریٹل لاتے تاکہ نشان سٹ جاوے اور کسی کو شبہ نہ ہو، رات کے وقت ان ہی یکریٹل کا تازہ دو صفحہ بخانا کا آتا، غرض کہ دونوں راتیں اسی حالت میں بسر ہوئیں، اور یہ تمام کاروائی اس قبیلہ سے عمل میں آئی کہ قریش کو ذرا بھی شہ نہ ہوا۔

۱۔ بخاری ج ۲ باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ۔ ۱۔ لہ زرقانی ج ۱ ص ۲۸۹،

۲۔ بخاری ج ۲ باب بیان الکعبیہ باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ۔

اس عرصہ میں کفار بھی اپنی کوششوں سے غافل نہ تھے، جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی ہے اسی روز قریش کی مجلس ملی سے آپ کے قتل کا قوی حصار ہو چکا تھا اور تمام مہرودی تدبیریں عمل میں آچکی تھیں، چنانچہ ابوجہل وغیرہ نے اس روز رات بھر کاشانہ اقدس کا محاصرہ رکھا، لیکن جب وقت معین پر خراب گاہ میں داخل ہوئے تو وہ گوہر مقصود سے خالی تھا، وہاں سے حضرت ابوبکر صدیق کے دولت کوہ پر گئے اور حضرت اسماء سے ان کے والد کو دریافت کیا انہوں نے لاعلمی ظاہر کی تو ابوجہل نے غضب ناک ہو کر زور سے ایک ٹھانچہ مارا، اور اس سے یقین ہو گیا کہ یہ دونوں ایک ساتھ یہاں سے روانہ ہو گئے۔

قریش اپنی ناکامی پر سخت برہم ہوئے، اسی وقت اعلان کیا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے لے گا، اس کو تنوانٹ انعام میں دیئے جائیں گے، چنانچہ متعدد دیاروں نے مذہبی جوش اور الوہام کی طبع میں آپ کی تلاش شروع کی، مکہ کے اطراف میں کوئی آبادی، ویرانہ، جنگل، پہاڑ اور سنان میلان ایسا نہ ہو گا جس کا جاغوزہ نہ یا گیا ہو۔ یہاں تک کہ ایک جماعت غار کے پاس بھی پہنچی، اس وقت حضرت ابوبکر صدیق کو نبوت اضطراب ہوا، اور سزا دی اس کے عالم میں بسے، اگر وہ ذرا بھی بچنے کی طرف نگاہ کریں گے تو ہم دیکھ لیں، اس کے آحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تشفی دی اور فرمایا، یا یوس وغیرہ نہ ہوں، ہم صرت دو نہیں ہیں ایک تیسرا یعنی خدا بھی ہمارے ساتھ ہے۔ یہ اس تشفی آمیز فقرہ سے حضرت ابوبکر صدیق کو المینان ہو گیا، اور ان کا مضطرب دل مددِ عیسیٰ کے یقین پر لازمِ جرات و استقلال سے مملو ہو گیا، خدا کی قدرت کہ کفار جو تلاش کرتے ہو اس غارتگ سے بچتے تھے، ان کو مطلق محسوس ہوا کہ ان کا گوہر مقصود ہی کان میں نہاں ہے، اور وہ ناکام واپس چلے گئے۔

جو تھے روزیہ کا روال آگے روانہ ہوا، اب اس میں بجائے دد کے چار آدمی تھے حضرت ابوبکر نے اپنے نلام عاصرین فہیرہ کو راستہ کی خدمات کے لیے لپٹے پیچھے بیٹھا لیا ہے، عیال بن اربعہ آگے آگے راستہ تیار کرتا ہے، حضرت ابوبکر ٹھیکہ دہی و اہام کی حفاظت کے لیے کبھی آگے بڑھ جاتے ہیں اور کبھی پیچھے ہو جاتے ہیں اسی اثناء میں سراقہ بن عیشم قریش کا یہ کارہ گھوٹا اڑاتا ہوا قریب پہنچ گیا، حضرت ابوبکر نے خوفزدہ ہو کر کہا: یا رسول اللہ! یہ تو سوار قریب پہنچ گیا، ارشاد ہوا تم گنیں نہ ہو۔ خدا ہمارے ساتھ ہے، بارگاہ رب العالمین میں دعا کی اس کا اثر یہ ہوا کہ سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اتر کر ہاتھ پھینک کر فال نکالی، جواب آیا کہ اس تعاقب سے متبردار ہو جاؤ نہ مانا، پھر آگے بڑھ پھر وہی واقعہ پیش آیا، مجبور ہو کر امان طلب کیا اور واپس آ گیا۔

۱۰ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۶۹، ۲۷۰ مسلم باہ نضال ابن کلاب صدیق، ۱۰ بخاری باب ہجرۃ النبی وسلم واصلیہ الی المدینۃ

حضرت ابوبکر صدیق نہایت کثیر الاحباب تھے، راہ میں بہت سے ایسے شناسا ملے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
 کیسے پہنتے نہ تھے، وہ پوچھتے تھے کہ ابوبکر! یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ آپ گول مول جواب دیتے کہ یہ ہمارے
 رہنما ہیں، عرض اس طرح پہلی منزل ختم ہوئی۔ حضرت ابوبکر نے ایک سایہ دار چٹان کے نیچے فرش درست کر کے اپنے
 محبوب آقا کیلئے استراحت کا سامان بہہ پہنچایا اور خود کھلانے کی تلاش میں نکلے، اتفاق سے ایک گڈریا اسی چٹان کے طرف
 آ رہا تھا، اس سے پوچھا کہ یہ بکریاں کس کی ہیں؟ اس نے ایک شخص کا نام لیا، پھر دریافت فرمایا کہ اس میں کوئی دوہاری
 بکری بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا ہمیں دو دوہو دو گے؟ اس نے رضامندی ظاہر کی، تو آپ ہدایت کی کہ
 پہلے تمہیں کوادنا تھو کر دوغبار سے بھی طرح صاف کر لو۔ اس نے حسب ہدایت وہ دو دوہ کر پیش کیا آپ نے کھنڈا کرنے
 کیلئے اس میں ٹھوسا پانی ملایا، اور کپڑے سے جھان کرندت بابرکت میں لگا، آپ نے نوش فرمایا، اور دوسری منزل کیلئے چل کھڑے ہوئے۔
 اسی طرح یہ سفر قافلہ دشمنوں کی گھائیوں سے بچتا ہوا بارہویں ریح الاولیٰ سے جنت کے چھوڑھویں سال مدینہ کے
 قریب پہنچا، انصار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا حال معلوم ہو چکا تھا، وہ نہایت بے چینی سے آپ کی آمد کا انتظار
 کر رہے تھے، آپ شہر کے قریب پہنچے تو انصار استقبال کیلئے ماہر ہادی برحق کو حلقہ میں لے کر شہر کی طرف بڑھے، آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو دینی طرف مڑنے کا حکم دیا، دینی عمرو بن عوف میں قیام پذیر ہوئے۔ یہاں انصار جو حق
 جوق زیارت کیلئے آئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی کے ساتھ تشریف فرما تھے، اور حضرت ابوبکر ٹھٹھے ہو کر
 لوگوں کا استقبال کر رہے تھے، بہت سے انصار جو پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شرف نہیں ہوئے تھے
 وہ غلطی سے حضرت ابوبکر کے گرد جمع ہونے لگے، یہاں تک کہ جب آفتاب سلتے آگیا اور صل شاخادم نے بڑھکا اپنی
 چلو سے آٹائے لمدار پر سایہ کیا تو اس وقت خادم و خدمہ میں امتیاز ہو گیا، اور لوگوں نے رسالتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا۔
 حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم چند روز مقیم رہ کر مدینہ تشریف لائے اور حضرت ابویوب انصاری
 کے بل مہمان ہوئے، حضرت ابوبکر بھی ساتھ آئے، اور حضرت خدیج بن زید ابن ابی زبیر کے مکان میں فرودکش ہوئے، کچھ
 عرصہ کے بعد آپ کے اہل عیال بھی حضرت طلحہ کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے، لیکن مدینہ کی آج ہوا مہاجرین کیلئے غمناک نہایت
 ناموافق ثابت ہوئی، تصدوفا حضرت ابوبکر ایسے شدید بخار میں مبتلا ہوئے کہ زندگی سے مایوس ہو گئے، ایک دفعہ
 حضرت عائشہ نے حال پوچھا تو اس وقت یہ شعر روزبان تھا۔

۱۔ حجازی باب ہجرۃ النبی صلعم واصلیہ الی المدینۃ - ۲۔ بخاری باب سیرۃ النبی صلعم واصلیہ الی المدینۃ

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جلد ثالث ص ۱۳۳ ۴۔ ایضاً ص ۱۵۳

كل امرئ مصباح في اهله
 والموت اذني من يشرك تعلم
 ہر آدمی اس حالت میں سمجھتا اپنے اہل عیال میں صبح کو تپے کہوتے جو تپے کہتے تم سے بھی زیادہ قریب
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور کیفیت عرض کی،
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا :-

اللهم حبب الينا المدينة
 كحبتنا مكة واشتد وصفها
 وبارك لنا في صاعها
 وصدّها وقلل حياها
 فاجعلها بالحجة - لے
 اے خدا تو لکھی طرح یا اس سے بھی زیادہ
 مدینہ کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کرنا
 کو بیماریوں سے پاک فرما، اس کے صاع اور
 مدین میں برکت دے اور اس کے (دوبائی) نجر
 کو جحف میں منتقل کر دے۔

دعا مقبول ہوئی، حضرت ابو بکرؓ بستر من سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کی ہوا مہاجرین کے لیے مکہ
 سے بھی زیادہ خوش آئند ہو گئی۔

مواعجات | مدینہ پہنچنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کی باہمی اجنبیت و بیگانگی دور کرنے کیلئے ایک
 دوسرے سے بھائی چارہ کر دیا۔ اس مواعجات میں طرفین کے اعزاز و مرتبہ کا خاص طور پر لحاظ کیا گیا، چنانچہ حضرت
 ابو بکرؓ کی برادری حضرت خاریج بن زید بن زبیر سے قائم کی گئی، جو مدینہ میں ایک معزز شخصیت کے آدمی تھے۔ سہ
 تعمیر مسجد | مدینہ اسلام کے لیے آزادی کی سرزمین تھی، فرزند ان توحید جو کفار کے خوند سے ادھر ادھر منتشر ہو گئے
 تھے، آہستہ آہستہ اس مرکز پر توجع ہونے لگے اور اب آزادی و اجتماع کے ساتھ معبود حقیقی کی پرستش کا موقع حاصل
 ہوا، اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے تعمیر مسجد کا خیال پیدا ہوا۔ اس کیلئے جو زمین منتخب ہوئی
 وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، گوان کا دایا واقوہ بلا قیمت پیش کرنے پر ہر تھے، تاہم رحمت اللعالمین صلی اللہ
 علیہ وسلم نے یتیموں کا مال لینا پسند نہ فرمایا، اور حضرت ابو بکرؓ سے اس کی قیمت دلا دی، اس طرح مدینہ پہنچنے کے
 بعد بھی سب سے پہلے صدیق اکبرؓ ہی کے ابر کر م نے اسلام کے لیے جو دوسخا کی بارش کی قیمت ادا کرنے کے
 علاوہ یہ پیر مرد اس کی تعمیر میں بھی نوجوانوں کے دوش بندوش سرگرم کار رہا۔

سہ بخاری باب مقدم البنی و اصحاب الی المدینہ سہ اسد الغابہ تذکرہ خاریجین زبیر۔ سہ فتح البدری ج ۷ ص ۱۹۳۔

غزوات

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کی بے بسی اور مظلومیت کا درختم ہو چکا تھا، اور آزادی کے ساتھ دینِ تمیز کی نشرو اشاعت کا وقت آ گیا تھا، لیکن عرب کی جنگجو قوم مذہب کی حقانیت اور صداقت کو بھی تیر و تفنگ اور ٹوک سناں سے والیت سمجھتی تھی اس لیے اس نے ہمیشہ علمبردار اسلام کو اپنی جنگجوئی سے منبر و عطا و ہدایت کو چھوڑ کر میدانِ رزم میں آنے کیلئے مجبور کیا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد سے فتح مکہ تک تو نرسہ جنگوں کا سلسلہ جاری ہوا، اور ان سب ٹرائیوں میں صدیق اکبرؓ ایک مشہور وزیر یا تدبیر کی طرح ہمیشہ شرف ہر کامیابی سے مشرف رہے۔

غزوہ بدر | غزوہ بدر حق و باطل کا اٹل اور فیصل کن معرکہ تھا، خدا کا برگزیدہ پیغمبر ایک سایہ دار جگہ کے نیچے اپنی حدود جماعت کے ساتھ حق و صداقت کی حمایت میں سرگرم کارزار تھا، اور وہی پیر مرد جس نے اپنے و غلطو ہند سے عثمان بن عفان، ابو عبیدہؓ، ابن الجراح اور عبدالرحمن بن عوف جیسے اولوالعزم اکابر صحابہ کو حلقہٴ کوش اسلام بنا لیا تھا نہایت جان بازی کے ساتھ تیغ بلف اپنے ہادی کی حفاظت میں مصروف تھا، کفار و مشرکین ہر طرف سے زور کر کے آتے اور یہ سب ایک کو اپنی شجاعت خدا داد سے بھگا دیتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی کثرت دیکھ کر مخزون ہوتے اور سرسجود ہو کر خدا سے دعا فرماتے:۔
 ”اے خدا مجھ کو بے یار و مددگار نہ چھوڑ، اور اپنا عبد پورا رکھ اے خدا! کیا تو چاہتا ہے کہ آج سے تیری پرستش نہ ہو؟ اس عالمِ حزن و یاس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدیم مونس باذنا اور ہمہ تن نگہار شمشیر پرستہ آپ کی حفاظت میں مصروف ہوتا، اور تسلی اور دلہی کے کلمات اس کی زبان پر جاری ہوتے۔

اس خوفناک جنگ میں بھی حضرت ابو بکرؓ حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری سے غافل نہیں ہوئے ایک دفعہ روئے میدک شانہ اقدس سے گر پڑی، فوراً تڑپ کر اٹھے اور اٹھا کر شانہ پر رکھ دی، پھر مرتبہ پڑتے ہوئے غنیم کی صفت میں گھس گئے۔ درحقیقت یہ وہ دار فکری، جوش اور حب رسولؐ کا جذبہ تھا، جس نے ملت کو کثرت کے مقابلہ میں سر بلند کیا۔

اس جنگ میں مالِ غنیمت کے علاوہ تقریباً ستر قیدی ہاتھ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے متعلق کیا برصاریہ سے مشورہ کیا، حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ سب قتل کر دیئے جائیں، لیکن حضرت ابو بکرؓ صدیق نے عرض

لہذا قاتح اغزوہ بدر - لہذا قاتح ج ۲ ص ۲۸۴ ۱۱۱ فتح ابوریح ج ۷ ص ۲۲۵ -

کی کہ یہ سب اپنے ہی بھائی بندیں، اس لیے ان کے ساتھ رحم و مہلت کا برتاؤ کرنا چاہیے، اور فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دینا چاہیے۔ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو بکر صدیق کی رائے پسند آئی۔

غزوة اُحُد | بعد کی شکست قریش مکہ کے دامن شجاعت پر ایک تباہیت بد نما دھیرہ تھا۔ انھوں نے جوش انتقام میں نہایت عظیم الشان تیاریاں کیں۔ چنانچہ معرکہ احدی جوش کا نتیجہ تھا۔ اس جنگ میں مجاہدین اسلام باوجود قلت تعداد پہلے غائب آئے، لیکن اتفاقاً طور پر پانسہ پلٹ گیا، بہت سے مسلمانوں کے پاس نئیات متنازل ہو گئے، لیکن حضرت ابو بکرؓ آخر وقت تک ثابت قدم رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سخت مجروح ہوئے اور لوگ آپ کو پھاڑ پرائے تو حضرت ابو بکرؓ بھی ساتھ تھے۔ ایوسفیان نے پہاڑ کے قریب آکر پکارا، کیا قوم میں محمدؐ ہیں؟ کوئی جواب نہ ملا تو اس نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو مانا لیا، کہ اس سے معلوم ہو تا ہے کہ کفار بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق ہی کو رئیس امت سمجھتے تھے۔

اختتام جنگ کے بعد کفار مکہ واپس ہوئے تو ایک جماعت ان کے تعاقب میں روانہ کی گئی حضرت ابو بکرؓ ہی اس میں شامل تھے بسکہ غزوة احد کے بعد نبو نصیر کی جلا وطنی غزوة خندق اور جو دوسرے غزوات پیش آئے، حضرت ابو بکرؓ ان سب میں برابر کے شریک تھے۔

غزوة بنی مصطلق اور واقعہ اُحُد | سلمہ میں غزوة بنی مصطلق پیش آیا۔ حضرت ابو بکرؓ اس معرکہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم کاب تھے۔ یہ ہم کابیاہی کے ساتھ واپس آئی، اور شب کے وقت مدینہ کے قریب تمام لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ صبح کے وقت ام المومنین حضرت عائشہؓ جو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں، رخص حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئیں، واپس آئیں تو دیکھیں کہ گھوڑے کا ہار کہیں گر گیا۔ تلاش کرتی ہوئی پھر اس طرف چلیں، لیکن جب ڈھونڈ کر پڑاؤ پر واپس پہنچیں تو لوگ روانہ ہو چکے تھے اسی جگہ ٹھہر گئیں، اتفاقاً صفوان بن العطل نے نہایت ضعیف اور بوڑھے آدمی تھے اور عموماً کوچ کے بعد قیام گاہ کا جائزہ لے کر سب سے پیچھے روانہ ہوتے تھے حضرت عائشہؓ کو دیکھ لیا اور وٹس پر ٹھکا کر مدینہ لائے منافقین کی جماعت نے جو عموماً اپنی مفسدہ پر دمازی وقتہ انگیزی سے اسلام میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتی رہتی تھی، اس واقعہ کو نہایت مکروہ صورت میں شہر کیا، دوسری طرف حضرت ابو بکر صدیقؓ اور خود حضرت عائشہؓ کو بارگاہ نبوت میں جو غیر معمولی رسوخ، تقرب اور اعزاز حاصل تھا، اس نے بعض مسلمانوں کو بھی آمادہ رشک کر دیا

سنة مسلم باب اعداد المهاک غزوة بدر۔ نصح بخاری باب غزوة بدر۔ سنن بخاری باب المغازی باب الزین استجابوا للذوالریزل

پہنچانوں نے بھی اس افتراء میں منافقین کی تائید کی۔ سب زیادہ افسوسناک امر یہ تھا کہ حضرت ابو بکر کا ایک پورہ نعمت اور عزت مسیح بن اثاثر جس کے وہ اب تک تکفل تھے اس سازش میں افتراء پردازوں کا ہم آہنگ تھا۔

عزت و ابر و انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اسی بنا پر حضرت ابو بکر کیلئے نہایت نوع فرسائز ماش تھی لیکن خدا نے پاک نسبت جلال سبحانہ سے ہی اور وحی الہی نے اس شرک و بتیان کی اس طرح قلعی کھولی۔

رَأَتْ الَّذِينَ جَاءُوا بِالإِفْكِ
عَنْبِيَةَ وَنَوْمَهُ لَاتُحْسِبُهُمْ شِئْرًا كَذِبًا

جن لوگوں نے حضور عائشہ پر بہت لگائی۔
وہ تمہاری ہی جماعت سے ہیں، اس کو تم

اپنے لیے شر نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لیے غیر ہے

ان میں ہر شریک گناہ کو بقدر شرکت سزا ملے

گی اور ان میں سے جس نے بہت زیادتی کی ہے

اس پر سخت عذاب ہوگا۔

بَلْ هُوَ خَبْرٌ كَذِبٌ يُفَكِّرُ
أَمْرِي
مِنْكُمْ مَا أَكْتَسَبْتُمْ مِنْهُ
وَأَلَّذِي تَبُوءُونَ بِكَرْهٍ
عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا (سورہ نور رکوع ۲)

حضرت ابو بکر اس بات کے بعد مسیح بن اثاثر کی کفالت سے دست بردار ہو گئے اور فرمایا اے

”خدا کی قسم اس قسم پر دہری کے بعد اس کی کفالت نہیں کر سکتا، لیکن جب یہ آیتیں نازل ہوئیں،

تم میں سے بڑے اور صاحب مقصدت لوگ رشتہ

داروں ساکنین اور صحابہ جین فی سبیل اللہ کو معذرت

دینے کی قسم نہ لگائیں اور چاہیے کہ ان کے

قصور معاف کریں اور ان سے درگزر

کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو

بخش دے، اور اللہ شایخنے والا اور

رحمت والا ہے۔

وَلَا يَأْتِلُ أَدْنَا الْفَضْلِ مِنْكُمْ
وَالسَّعَةِ إِنَّ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَى
وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ لِيَعْلَمَ أُولِي الْقُرْبَى
أَنَّ يَعْزِرَ اللَّهُ كُمْ وَاللَّهُ
عَفُورٌ رَّحِيمٌ

وہ تمہارا فضل تمہارے پاس نہیں آتا اور

سب سے زیادہ مال اور مالداروں کو

اور مسکینوں اور مہاجرین کو

اللہ کی سب سے زیادہ عفو و رحمت

ہے، تاکہ وہ لوگ جانیں کہ اللہ تمہارے

(نور۔ رکوع ۲)

اور حضرت ابو بکر صدیق نے کہا کہ خدا کی قسم میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے بخش دے، اور تم کھائی گاہ ہمیشہ اس کا فیصلہ رہوں گا یہاں

اور محمد یحییٰ اسی سال یعنی ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو صحابہ کے ساتھ زیارت کعبہ کا عزم فرمایا

جب کہ قریب پہنچے تو خیر ملی کہ قریش نے انہیں گمراہیوں کے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر صحابہ سے مشورہ طلب

لے یہ تمام تفصیل بخاری باب، حدیث الاکب سے ماخوذ ہے۔

کیا حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ قتل و خوریز نری نہیں بلکہ زیارت کعبہ کے قصد سے روانہ ہوئے ہیں اس لیے تشریف لے چلئے، جو کوئی اس راہ میں سد راہ ہو گا ہم اس سے لڑیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔

بسم اللہ علو، عرض آگے بڑھ کر مقام حدیبیہ میں پڑا ڈال گیا، اور طرفین سے مصالحت کی سلسلہ منبانی شروع ہوئی، اسی اثنا میں مشہور ہوا کہ حضرت عثمانؓ جو سفیر ہو کر گئے تھے شہید ہو گئے، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام جاں نثاروں سے جہاد کی بیعت لی یہی وہ بیعت ہے جو تاریخ اسلام میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۰

قریش مکان تیار یوں سے خوفزدہ ہو کر کچھ نرم پڑ گئے، اور مصالحت کے خیال سے عردہ بن سو دو کو غیر بنا کر بھیجا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے ہوئے کہا: محمد صلعم! خدا کی قسم میں تمہارے ساتھ ایسے چہرے اور مخلوق آدمی دیکھتا ہوں کہ دنت پڑے گا تو وہ تم سب کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے: اس جملے نے جان نثاروں کو رسول صلعم کے دلوں پر نشتر کا کام کیا، حضرت ابو بکرؓ نے صلعم الطبع بزرگ نے برہم ہو کر کہا: کیا ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے، عردہ نے انجان بن کر پوچھا: یہ کون ہیں لوگوں نے کہا ابو بکرؓ نے مخالف ہو کر کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میں تمہارا زیر بار اسان ہوتا تو تمہیں نہایت سخت جواب دیتا حدیبیہ میں جو معاہدہ طے پایا وہ بظاہر کفار کے حق میں زیادہ مفید تھا، اس بنا پر حضرت عمرؓ کو نہایت غمناک بنا دیا اور حضرت ابو بکرؓ صدیق سے کہا کہ کفار سے اس قدر وب کر کیوں صلح کی جاتی ہے، حضرت ابو بکرؓ مرحوم اسرار نبوت تھے فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں ایسے آپ انکا فرمانی نہیں سکتے، لو نہ ہرقت آپ کا معین نہ رہے، ۱۱

اس معاہدہ کے باعث قریش مکہ سے گونہ المینان ہوا تو کعبہ میں خیر برفوج کشی ہوئی، پہلے حضرت ابو بکرؓ صدیق پہ سالار تھے، لیکن درحقیقت یہ کار نامہ حضرت علیؓ کیلئے مقدر ہو چکا تھا، چنانچہ خیر بنان ہی کے ہاتھ مغترب ہوا۔ اور حضرت ابو بکرؓ اسی سال ماہ شعبان میں بنی کلاب کی سرکوبی کے لیے کامور ہوئے۔ ۱۲ وہاں سے کلابیوں کے ساتھ واپس آئے تو بنو خزاعہ کی تنبیہ کیلئے ایک جماعت کیساتھ روانہ کیے گئے اور بہت قیدی اور مال غنیمت کیساتھ واپس آئے۔ ۱۳

قریش مکہ کی آمدگاہی کے باعث شہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار کی جماعت سے مل کر کا قصد کیا، اور فاتحانہ جاہ و جلال سے مکہ میں داخل ہوئے، حضرت ابو بکرؓ بھی براہ تھے، مگر سیرج کرنے والے اور القادہ عثمان بن عمرؓ کو زیارت نبوت میں پیش کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت کیساتھ انکے سینہ پر ہاتھ پھیر کر انکی زبان سے مشرف فرمایا۔

۱۰ بخاری باب غزوة حدیبیہ، ۱۱ بخاری کتاب الشریطی الجہاد والمصالحة مع اہل الحرب ۱۲ ایضاً۔

۱۳ بخاری باب من قیل علی بن ابی طالب ۱۴ بدقانی ج ۲ ص ۳۸۷۔ ۱۵ مسلم باب التفضیل و ذر المسکین

۱۶ یار ساری - عہ اصاہیہ تذکرہ الوقوف ذر عثمان بن عامر۔

کو جسے واپسی کے وقت نبوہوازن سے جنگ ہوئی جو عموماً عرفہ حنین کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت ابو بکرؓ
اس میں بھی ثابت قدم اصحاب کی صف میں شامل تھے، یہاں سے بڑھ کر طائف کا محاصرہ ہوا، حضرت ابو بکرؓ کے فرزند
حضرت عبداللہ بن محمد بن نفیعی کے تیر سے زخمی ہوئے، اور آخر کار یہی زخم حضرت ابو بکرؓ
کے اداہل خلافت میں ان کی شہادت کا باعث ہوا۔ ۵

۶ میں انوہ پھیلی کہ قبصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ چونکہ مسلسل جنگوں کے باعث یہ نہایت
عسرت و تنگ حالی کا زمانہ تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی تیاریوں کے لیے صحابہ کرام کو تعلق
فی سبیل اللہ کی ترغیب دی، تمام صحابہ نے حسبِ حیثیت اس میں شرکت کی، حضرت عثمانؓ و رت مند تھے
اس لیے بہت کچھ دیا، لیکن اس موقع پر بھی حضرت ابو بکرؓ کا امتیاز قائم رہا، گھر کا سارا اثاثہ لاکھا خرقت
صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیا۔ آپ نے دریافت فرمایا تم نے اہل عیال کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ عرض کی ان
کے لیے اللہ اور اس کا رسول ہے۔ ۷ عرض اس مہر لیب سے ایک عظیم الشان فوج تیار ہو گئی۔ اور حدود شام کی
طرف برسی، لیکن تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ غیر غلط تھی اس لیے سب لوگ واپس آ گئے۔ ۸

امارتِ حج اسی سال یعنی ۶ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو امارتِ حج کے منصب پر مامور فرمایا
اور ہدایت کی کہ نبی کے عظیم الشان اجتماع میں اعلان کر دیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے، اور نہ کوئی
پرہیز شخص خانہ کعبہ کا طواف کرے۔ چونکہ سورہ براءت اسی زمانہ میں نازل ہوئی تھی، اور حضرت علیؓ حج کے موقع پر
اس کو سنانے کیلئے بھیجے گئے تھے، اس لیے بیضوں کو یہ شک پیدا ہو گیا ہے کہ امارتِ حج کی خدمت بھی حضرت
ابو بکرؓ سے لیکر حضرت علیؓ ہی کو تفویض کی گئی تھی، لیکن یہ شدید غلطی ہے کیونکہ یہ دو مختلف خدمتیں تھیں، چنانچہ خود حضرت
علیؓ ہی ایک روایت سے مجبوراً ہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اس شرف کے تنہا مالک تھے۔ ۹

~ ~ ~ ~ ~

۱۲۹ مطبوعہ مصر ۱۲۹ مطبوعہ مصر ۱۲۹ مطبوعہ مصر
۳۴۰ فتح ابدی جلد ۸ ص ۳۴۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

اور

حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت

سالہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے حضرت ابوبکرؓ کا یہ تھا، اس

اس سفر سے واپس آنے کے بعد آپ نے ایک مفصل خطبہ دیا اور فرمایا :-

« خدا نے ایک بندہ کو دنیا اور عقبیٰ کے درمیان اختیار دیا تھا لیکن اس نے عقبیٰ کو دنیا پر ترجیح دی - »

حضرت ابوبکرؓ تین کر رونے لگے، لوگوں کو سخت تعجب ہوا کہ رونے کا یہ کون سا موقع تھا۔ لیکن درحقیقت

ان کی فراست دینی اس گناہیہ کی تہہ تک پہنچ گئی تھی، اوسے سمجھ گئے تھے کہ بندہ سے مراد خود ذات اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم ہے، چنانچہ اس تقریر کے بعد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے مرض نذر بردہ پڑھا گیا، یہاں تک

کہ مسجد نبوی میں تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے، اور حکم ہوا کہ ابوبکرؓ کی خدمت انجام دیں، حضرت

عائشہؓ کو خیال ہوا کہ اگر امامت کا شرف حضرت ابوبکرؓ کو عطا کیا جائے گا تو وہ محسود و محتاج ہو جائیں گے اس لیے

انہوں نے خود اور ان کی تحریک سے حضرت حفصہؓ نے بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ ابوبکرؓ نہایت رفیق العقبین ہیں

اس لیے یہ منصب جلیل شکر عطا کیا جائے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کی امامت کے لیے اصرار کے ساتھ

حکم دیا اور یہ سب ہو کر فرمایا تم میری جو چیزوں نے یوسف کو صحرے کو دیا چاہا تھا :-

حضرت ابوبکرؓ کو جب اس حکم نبوی کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم پڑھاؤ انہوں نے

کہا آپ مجھ سے زیادہ مستحق ہیں۔ عرض اس روز سے حضرت ابوبکرؓ ہی نماز پڑھتے رہے، ایک روز حسب معمول نماز

پڑھا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر

تیپھے ہٹا چاہا، لیکن آپؐ نے اشارے سے منع فرمایا اور خود ان کے داہنے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا کی۔

۱۲ ربیع الاول دو شنبہ کے روز جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا

رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرے کا پردہ اٹھا کر دیکھا، اور خوش ہو کر مسکرائے، تو حضرت ابوبکرؓ نے

۱۲ بخاری باب فضائل الشریق ۱۲ بخاری باب العلم والفضل حق بالامامة ۱۲ ایضاً ۱۲ بخاری باب من تمام الی بیت الامام علیہ

نے اس خیال سے کہ شاید آپ نماز کے لیے تشریف لائیں گے پھینچا ہوا، لیکن اشارہ سے حکم ہوا کہ نماز پڑھی کرو اور پھر یہ وہ گروا یا بلے چونکہ اس روضہ نماز پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں افاقتہ معلوم ہوتا تھا اس لئے حضرت ابو بکر نماز کے بعد اجازت لیکر قحطاً آج کو جہاں ان کی وجہ تقرر حضرت عبید بن جراح رہتی تھیں تشریف لے گئے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سنجو چکا تھا اور مسجد کے دروازہ پر ایک بزرگامہ بیٹھا تھا، لیکن وہ کسی سے کچھ نہ بولے اور سیدھے حضرت عائشہ کے مکان میں داخل ہوئے اور اپنے محبوب آقا کے نورانی چہرہ سے نقاب اٹھا کر پیشانی پر پوس دیا اور کہا۔

یا نبی انت دائمی واللہ لاجمع اللہ
 علیک مؤتین اما الموتۃ الی کبیت
 علیک نقد ذمتہا تم لنت تصیدک
 بعدہ موثۃ ابداً -

میرے ماں باپ آپ پر نفل ہیں، خدا کی قسم
 آپ پر دو موتیں جمع نہ ہوں گی، وہ موت
 جو آپ کے لیے مقدر تھی اس کا مزہ چکھ چکے
 اب اس کے بعد کچھ کبھی موت نہ آئے گی۔

پھر چادر ڈال کر باہر تشریف لائے۔ یہاں حضرت عمر بخوش وارنگی میں تقریر کر رہے تھے، اور قسم کھا کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرمانے سے انکار کر رہے تھے حضرت ابو بکر نے یہ حال دیکھا تو فرمایا: عمر تم تم بیٹھ جاؤ، لیکن انھوں نے وارنگی میں کچھ خیال نہ کیا، تو آپ نے الگ کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی، اور تمام مجمع آپ کی طرف جھک پڑا، اور حضرت عمر تنہا رہ گئے آپ نے فرمایا:

اما بعد فمن کان یعبد محمداً فان
 محمداً اقتداساً ومن کان یعبداً للہ فان
 اللہ حمی لا یموت قال اللہ تعالیٰ وصا
 محمداً الا رسولاً قد خلت من قبلہ
 الرسل الایہ

اگر لوگ محمد کی پرستش کرتے تھے تو یہ شک وہ
 مر گئے اور اگر خدا کو پرستتے تھے تو یہ شک وہ زندہ
 ہے اور کبھی نہ مرے گا، خدا سے برتر فرماتا ہے،

موجود صرف ایک رسول ہیں میں سے پہلے بہت سے
 رسول گزر چکے ہیں۔

یہ تقریر ایسی دل نشین تھی کہ ہر ایک کا دل مطمئن ہو گیا، خصوصاً جو آیت آپ نے تلاوت فرمائی وہ ایسی باموتح تھی کہ اسی وقت زبان زد خاص عام ہو گئی، حضرت عبید اللہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے نازل ہی نہیں ہوئی تھی

۱۰۰ بخاری باب اہل العلم والفضل احق بالامت ۱۰۰ بخاری باب الذخول علی المیت بعد الموت ۱۰۰ ایضاً
 ۱۰۰ بخاری باب الذخول علی المیت بعد الموت ۱۰۰ بخاری باب مرض النبی ووفاتہ

سقیفہ بنی ساعدہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر مشہور ہوتے ہی منافقین کی سازش سے مدینہ میں خلافت کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا، اور انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں مجمع ہو کر خلافت کی بحث چھڑی۔ ہاجرین کو خبر ہوئی تو وہ بھی مجمع ہوئے، اور معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اگر حضرت ابو بکر صدیق اور عمر فاروق کو وقت پر المارح دی جاتی تو ہاجرین اور انصار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھائی بھائی کی طرح رہتے تھے باہم دست و گریبان ہو جاتے، اور اس طرح اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو جاتا لیکن خدا کو توحید کی روشنی سے تمام عالم کو منور کرنا تھا، اس لیے اس نے آسمان اسلام پر ابو بکر و عمر جیسے بہرہ و ماہر پیدا کر دیئے تھے، جنہوں نے اپنی عقل و سیاست کی روشنی سے اقی اسلام کی ظلمت اور تاریکیوں کو کاٹ کر دیا۔

حضرت ابو بکر حضرت عمر کو ساتھ کے کہ سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے، انصار نے دعویٰ کیا کہ ایک امیر مبارکپو اور ایک تہلہ اٹھا بہتے کا اس دو عملی کا نتیجہ کیا ہوتا، ممکن تھا کہ مسند خلافت مستقل طور پر صرف انصار ہی کے سپرد کر دی جاتی، لیکن وقت یہ تھی کہ قبائل عرب خصوصاً قریش ان کے سامنے گردن اطاعت خم نہیں کر سکتے تھے، پھر انصار میں دو گروہ تھے، اس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا، عرض ان دقتوں کو پیش نظر رکھ کر حضرت ابو بکر نے کہا: امراء ہمدانی جماعت سے ہوں اور ذرا تمہاری جماعت سے، اس پر حضرت خیاب بن المنذر انصاری بول اٹھے، نہیں! خلیفہ تم نہیں! ایک امیر ہمارا ہوا اور ایک تمہارا، حضرت ابو بکر نے یہ ہوش و خروش دیکھا تو نرمی آشتی کے ساتھ انصار کے فضائل و محاسن کا اعتراف کر کے فرمایا۔

دو صاحبو! مجھے آپ کے محاسن سے انکار نہیں، لیکن درحقیقت تمام عرب قریش کے سوا کسی خاندانی تعلقات کے باعث نسبتاً آپ سے زیادہ استحقاق رکھتے ہیں۔ یہ دیکھو ابو عبیدہ بن الجراح اور عمر بن خطاب موجود ہیں، ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو۔

لیکن حضرت عمر نے پیش دستی کر کے خود حضرت ابو بکر کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور کہا۔

دو نہیں! بلکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، کیونکہ آپ ہمارے سردار اور ہم لوگوں میں سب سے بہتر ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، ہاں

چنانچہ اس مجمع میں حضرت ابو بکر سے زیادہ کوئی با اثر اور عمر بزرگ نہ تھا، اس لیے اس انتخاب کو سب نے استحسان کی نگاہ سے دیکھا، اور تمام حلقہ بیعت کے لیے ٹوٹ پڑی۔ اس طرح یہ اٹھا ہوا طوفان

دقتدار کیا گیا، اور لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔

اس فرض سے ناراض ہو کر دوسرے روز مسجد میں بیعت عامہ ہوئی، اور حضرت ابوبکر صدیق نے منبر پر بیٹھ کر ان الفاظ میں اپنے آئندہ طرز عمل کی توضیح فرمائی۔

یا ایہا الناس فانی قد لیت علیکم
 ولست بخیرکم فان احسنت
 فاعلیونی وان اسأت فقصونی
 الصدق امانہ والکذب خیانہ
 والضعیف فیکم قوی عندی حتی
 اذیح علیہ حقہ ان شاء اللہ
 والقوی فیکم ضعیف عندی
 حتی اخذ الحق عنہ ان اشاء
 اللہ لا یدع قوم الجهاد فی
 سبیل اللہ الا ضربہم اللہ
 بالذل ولا یشع الفاحشہ فی
 قوم قط الا عمہم اللہ
 بالیلاء واطیعونی ما
 اطعت اللہ وراسولہ
 فاذا عمیت اللہ ورسولہ
 فلا طاعۃ لی علیکم قومی
 انی صلحتکم بیحکم اللہ لہ

صحابو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں
 حالانکہ میں تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں
 ہوں، اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری امت
 کہو اور اگر برائی کی طرف جاؤں تو مجھے
 سیدھا کہو، صدق امانت ہے اور کذب
 خیانت ہے، انشاء اللہ تمہارا ضعیف فرد
 بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ
 میں اس کا حق واپس ولا دوں، انشاء اللہ
 اور تمہارا قوی فرد بھی میرے نزدیک ضعیف ہے
 یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دلا دوں
 جو قوم جہاد فی سبیل اللہ جھوٹ دیتی ہے اس
 کو خدا ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ اور جس قوم میں
 بیکاری عام ہوتی ہے خدا اس کی مصیبت کو بھی
 عام کر دیتا ہے میں خدا اس کے رسول کی اطاعت
 کروں تو میری اطاعت کر لیکن جب خدا اور اس کے
 رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر اطاعت نہیں اچھا
 اب نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ گے، خداتم پر آم کرے۔

حضرت علیؑ کی بیعت | گو تمام مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور باقاعدہ منہ رضافت پر متمکن

ہو گئے، تاہم حضرت علیؑ اور ان کیساتھ بعض دوسرے صحابہؓ نے کچھ دنوں تک بیعت میں تاخیر کی، اس توقف نے
 تاریخ اسلام میں غریب و غریب مباحث پیدا کر دیئے ہیں جن کی تفصیل کے لئے اس اجمال میں گنجائش نہیں

مکن ہے کہ حضرت علیؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر خلافت کے آرزو مند ہوں اور اس انتخاب کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہوں، تاہم، ان کا حق پرست دل نفسانیت سے پاک تھا، ایسے یہ کسی طرح قیاس میں نہیں آتا کہ محض اسی آرزو نے ان کو چھ ماہ تک بیہوش مسلمانوں سے انحراف پر مائل رکھا ہو اس بنا پر دیکھنا چاہیے کہ خود حضرت علیؑ نے اس لطف کی کیا وجہ بیان کی ہے، ابن سعد کی روایت ہے:

عن محمد بن سیرین قال	عمر بن عبد المطلب کی روایت ہے کہ جب ابو بکر نے
لسا بولج ابو بکر ابطأ علی	بیعت کی گئی تو علیؑ نے بیعت میں دیر کی اور خانہ
فی بیتہ وجلس فی بیتہ قال	نشین رہے ابو بکر نے کہا بھیجا کہ میری بیعت سے
نبت لہ ابو بکر صا ابطأ بک عنی	آپ کی تاخیر کا کیا سبب ہے، کیا آپ میری امداد
اکرہت امداتی قال علی ما	کو ناپسند کرتے ہیں، علیؑ نے کہا کہ میں آپ
کرہت امداتی و لکن الیت	کی امداد کو ناپسند نہیں کرتا لیکن میں
ان لا ارتدی سدا فی ۱۰	نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کر
الی صلوة حتی اجمع القرآن	لوں نماز کے سوا اپنی چادر نہیں اور ڈھونڈوں گا۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بیعت میں دیر ہو جانے کی حقیقی وجہ کیا تھی، ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ باغ ذکر اور مسئلہ وراثت کے ٹھیکروں نے (جن کا تذکرہ آئندہ آئیگا)۔ خلافت اولیٰ کی طرف سے حضرت طلحہؓ کے دل میں کسی قدر ہلاک پیدا کر دیا تھا، ایسے ملک سے کہ حضرت علیؑ ان کے پاس خلافت میں میری ہو چنانچہ جب انکا انتقال ہو گیا تو حضرت علیؑ نے حضرت ابو بکرؓ کو نہ ہٹایا اور ان کے فضل و شرف کا اعتراف فرمایا اور کہا کہ خدا نے ابو بکرؓ کو جو درجہ عطا کیا ہے ہم اس پر حسد نہیں کرتے لیکن خلافت کے بارے میں جاری حق تلفی ہوئی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت اور رشتہ داری کی بنا پر ہم ان میں یقیناً اپنا حصہ سمجھتے تھے حضرت علیؑ نے ان کو بچھڑا کر اس انداز سے کہا کہ خلیفہ اہل کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور جواب دیا: تم ہے اس ذات کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں اپنے رشتہ داروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کو زیادہ عزیز رکھتا ہوں، رہا انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متروک جائیداد کا بھگلا تو اسمیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے سرمو انحراف نہیں کیا۔ مغرض اس طرح دوستانہ شکوہ سنجی سے دونوں کا آئینہ دل صاف ہو گیا، اور بعد نماز ظہر حضرت ابو بکرؓ نے بیچ عام میں حضرت علیؑ کی طرف سے کھڑ خواہی کی، اور حضرت علیؑ نے شاندار الفاظ میں ان کے فضل و شرف کا اعتراف کیا تاکہ

لہ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۱۱۱ بحاری سنن صحیحہ . www.kitabosunnat.com

خلافہ

حضرت ابو بکر صدیقؓ کو سند آرائے خاندان ہوتے ہی اپنے سامنے صعوبات و مشکلات اور خطرات کا ایک پہاڑ نظر آنے لگا۔ ایک طرف جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے تھے، دوسری طرف مرتدین اسلام کی ایک مملکت علم بغاوت بلند کیے ہوئے تھی۔ منکرین زکوٰۃ نے علیحدہ ٹھوسٹاں برپا کر رکھی تھی، ان دشواریوں کے ساتھ حضرت انسؓ بن زید کی ہم بھی درمیش تھی، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات ہی میں شام پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا، اسی مہم کے متعلق صحابہ کرامؓ نے رائے دی کہ اس کو ملتوی کر کے پہلے مرتدین و کذاب مدعیان نبوت کا قلع قمع کیا جائے لیکن خلیفہ اول کی طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ ارادہ نبوی اور حکم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم معرض التواء میں پڑ جائے اور جو علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام سے دم کے مقابلہ کے لیے بلند کیا گیا تھا، اسی کو کسی دوسری جانب حرکت دی جائے چنانچہ آپؐ نے برہم ہو کر فرمایا: خدا کی قسم اگر مدینہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہو جائے کہ درندے آکر میری ہانگ کھینچنے لگیں جیب بھی میں اس مہم کو روک نہیں سکتا۔

اسا مہم بن زید والی مہم | غرض خلیفہ اول نے خطرات و مشکلات کے باوجود حضرت انسؓ کو روٹا لگی کا حکم دیا، اور خود و ترک پیادہ پامشا اہت کر کے ان کو نہایت زریں ہلاتیں فرمائیں چونکہ اسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے، اور جانشین رسول صلح پیادہ پا گھوڑے کے ساتھ دوڑتا تھا، اس لیے انھوں نے قیظاً عرض کی اے جانشین رسول خدا کی قسم! آپ گھوڑے پر سوار ہو لیں، ورنہ میں بھی اترا ہوں۔ بولے اسیں کیا مضائقہ ہے اگر میں تمھاری دیر تک سلفند میں اپنا اول نما کو روکوں۔ غازی کے بر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

حضرت انسؓ کی ہم رخصت ہو کر جدو و شا میں پہنچی، اور اپنا مقصد پورا کر کے یعنی حضرت زیدؓ کا تقاضا لے کر نہایت کامیابی کے ساتھ چالیس دن میں واپس آئے، حضرت ابو بکرؓ نے صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل کر نہایت جوش مسرت سے ان کا استقبال فرمایا۔

مدعیان نبوت کا قلع قمع | سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زندگی میں بعض مدعیان نبوت پیدا ہو چکے تھے چنانچہ مسیہ کذاب نے شاہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا تھا کہ میں آپ کے ساتھ نبوت میں شریک ہوں، نصف دنیا آپ کا ہے اور نصف میری۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا تھا۔

من محمد رسول اللہ الی صلیہ وسلم
 کذاب اما بعد فان الارض
 للہ لیرثھا من یشاء من
 عبادہ والعاقبۃ للمتقین

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسلمہ
 کذاب کو اما بعد و دنیا خدا کی ہے وہ اپنے
 بندوں میں جس کو چاہے گا اس کا وارث
 بنائے گا اور انجام پر سیرگاروں کے لیے ہے۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور بھی بہت سے مدعیان پیدا ہو گئے تھے، اور روز بروز ان کی قوت
 بڑھتی جاتی تھی، چنانچہ طلحہ بن خویلد نے اپنے اطراف میں علم نبوت بلند کیا تھا۔ بنو عطفان اس کی مدد پر تھے، اور
 عینہ بن حصن فزاری ان کا سردار تھا، اسی طرح اسود غسانی نے مین میں اور مسلمہ بن حبیب نے یمانہ میں نبوت کا دعویٰ
 کیا تھا، مرومرو، یہ ایسا مرض عام ہو گیا تھا کہ عورتوں کے سر میں بھی نبوت کا سودا سما گیا تھا۔ چنانچہ سراج نبت
 حدیث تمیمی نے نہایت زور شور کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اور اشعث بن قیس اس کا داعی خاص تھا، سراج
 نے آخر میں اپنی قوت مضبوط کرنے کے لیے مسلمہ سے شادی کر لی تھی، اور یہ مرض وہاں کی طرح تمام عرب میں پھیل گیا
 تھا، اس کے انسداد کی سخت ضرورت تھی، اس بنا پر حضرت ابوبکر صدیق نے خاص طور پر اس کی طرف توجہ کی، اور
 صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ اس مہم کے لیے کون شخص نوزوں ہوگا، حضرت علی کا نام آیا گیا، لیکن وہ اس وقت تک تمام
 تعلقات دنیوی سے کنارہ کش تھے، اس لیے تقریباً انتخاب حضرت خالد بن ولید کے نام لکھا، چنانچہ وہ سارے میں حضرت
 ثابت ابن قیس انصاری کیساتھ مہاجرین و انصار کی ایک جمیعت لے کر مدینا نبوت کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوئے۔ اے
 حضرت خالد بن ولید نے سب سے پہلے طلحہ کی جماعت پر حملہ کر کے اس کے متبعین کو قتل کیا اور عینہ
 بن حصن کو گرفتار کر کے تیس قیدیوں کیساتھ مدینہ روانہ کیا، اور عینہ بن حصن نے مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر لیا
 لیکن طلحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے غدر خرابی کے طور پر دوشوگر مہکھو بھیجے اور تجدید اسلام کے حلقہ مومنین میں داخل ہو گیا
 مسلمہ کذاب کی بیخ کنی کے لیے شرجیل بن حسنہ روانہ کیے لیے، لیکن قبل اس کے کہ وہ حملہ کی ابتداء کریں حضرت
 خالد بن ولید کو ان کی اعانت کے لیے روانہ کیا گیا۔ چنانچہ انھوں نے مجاہدہ کو شکست دی، اس کے بعد خود مسلمہ سے
 مقابلہ ہوا۔ مسلمہ نے اپنے متبعین کو ساتھ لے کر نہایت شدید جنگ کی، اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد
 اس میں شہید ہوئی، جس میں بہت سے حفاظ قرآن بھی تھے، لیکن آخر میں فتح مسلمانوں کے ساتھ رہی، اور
 مسلمہ کذاب وحشی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مسلمہ کی بیوی سراج جو خود مدعی نبوت تھی بھاگ کر بصرہ پہنچی اور کچھ لوگوں کے ہمراہ گئی۔

۱۔ تاریخ طبری ص ۱۴۹۔ ۲۔ تاریخ طبری ص ۱۸۷۔ ۳۔ تاریخ یعقوبی ج ۵ ص ۱۴۵۔ ۴۔ ایضاً ج ۲ ص ۱۴۷۔

اور عیسیٰ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا حضرت ابو بکر صدیق کے زمانے میں اس کی توت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اس کو قیس بن مکشوح اور فیروز دیلی نے انش کی حالت میں حاصل کرنے میں مرتدین کی سرکوبی حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت سے سرداران عرب مرتد ہو گئے اور ہر ایک اپنے حلقہ کا بادشاہ بن بیٹھا، چنانچہ نعمان بن منذر نے بحرین میں سہاٹھیا، لقیط بن مالک نے عمان میں علم بغاوت بلند کیا۔ اسی طرح کندہ کے علاقے میں بہت سے بادشاہ پیدا ہو گئے۔ اس لیے حضرت ابو بکر نے مدینہ نبوت سے ناراض ہو کر اس طوائف الملوک کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ علاء بن حضرمی کو بحرین بھیج کر نعمان بن منذر کا قلع قمع کرایا۔ اسی طرح حدیف بن محسن کی توار سے لقیط بن مالک کو قتل کرا کے سر زمین عمان کو پاک کیا، اور زیاد بن لبید کے ذریعہ سے ملوک کندہ کی سرکوبی کی سہ

مفسرین زکوٰۃ کی تشبیہ | مدعیان نبوت اور مرتدین کے علاوہ ایک تیسرا گروہ منکرین زکوٰۃ کا تھا جو نہ یگر وہ اپنے کو مسلمان کہتا تھا، اور صرف زکوٰۃ ادا کرنے سے منکر تھا، ایسے اس کے خلاف تلوار اٹھانے کے متعلق خود صحابیوں میں اختلاف رائے ہوا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے مشدّد صاحب رائے جنگ نے حضرت ابو بکر صدیق سے کہا کہ آپ ایک ایسی جماعت کے خلاف کس طرح جنگ کر سکتے ہیں جو توحید و رسالت کا اقرار کرتی ہے اور صرف زکوٰۃ کی منکر ہے، لیکن خلیفہ اول کا غیر متزلزل ارادہ استقلال اختلاف رائے سے مطلق تائید نہ ہوا، صاف کہہ دیا۔ خدا کی قسم اگر ایک بکری کا پکھ بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جاتا تھا کوئی دینے سے انکار کرے گا تو میں اسکے خلاف جہاد کروں گا، اس نشد کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی سی بنی سہ کے بعد تمام منکرین خود زکوٰۃ دیکر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور پھر حضرت عمر کو بھی حضرت ابو بکر صدیق کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا۔ سہ

جمع و ترتیب قرآن | مدعیان نبوت و مرتدین اسلام کے مقابلہ میں بہت سے مخالف قرآن شہید ہوئے، خصوصاً پیامبر کی خونریز جنگ میں اس قدر صحابہ کرام آئے کہ حضرت عمر کو اندیشہ ہو گیا کہ اگر کسمپاشی کی شہادت کا یہی سلسلہ قائم رہا تو قرآن شریف کا بہت حصہ ضائع ہو جائے گا، اس لیے انھوں نے خلیفہ اول سے قرآن شریف کے جمع و ترتیب کی تمویک کی۔ حضرت ابو بکر صدیق کو پہلے عذر ہوا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہے، اس کو میں کس طرح کروں، حضرت عمرؓ نے کہا یہ کام اچھلے ہے، اور ان کے باریار کے اہل راستے حضرت ابو بکر صدیق کے ذہن میں بھی یہ بات آگئی چنانچہ انھوں نے حضرت زبیرؓ بن ثابت کو عہد نبوت میں کاتب وحی

تھے، قرآن شریف کے جمع کرنے کا حکم دیا گیا لیکن اس کو بھی اس کا میں نذر پورا لیکن پھر اس کی صحت سمجھ میں آگئی، اور نہایت کوشش و احتیاط کے ساتھ تمام متفرق اجزاء کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کیا گیا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ | قرآن شریف کی جمع و ترتیب کے متعلق ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ عہد نبوت میں کلام اللہ کی آیتوں اور سورتوں میں باہم کوئی ترتیب نہ تھی، اور نہ سورتوں کے نام واضح ہوئے تھے، اس لیے

عہد صدیق میں جو کلام انجام پایا وہ ان ہی آیات و سورتوں کو باہم مرتب کرنا تھا، لیکن یہ ایک افسوس ناک غلطی ہے۔ حقیقت جس طرح قرآن کی ہر آیت الہامیہ ہے، اسی طرح آیات و سورتوں کی باہمی ترتیب اور سورتوں کے نام بھی الہامی ہیں اور نہ مربوط و وابہا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی تمام آیات و سورتوں کو جمع کر کے ترتیب دیا گیا۔

کلام پاک کی آیتیں اور سورتیں | قرآن کریم کی آیتیں عوامی نام سے اور سورتوں کے پیش اہلے نہ نازل ہوتی تھیں، اور صحابہ ان کو جمع کرنے میں عہد نبوت میں مرتب ہو چکی تھیں۔

کلام و سلم کی ہدایت کے مطابق ترتیب دیتے جاتے تھے۔ جب ایک سورہ ختم ہو جاتی تو وہ علیہ و نام سے سورتوں کو جمع جاتی تھی اور پھر دوسری شروع ہو جاتی تھی، کبھی ایک ساتھ دو سورتیں نازل ہوتیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو الگ الگ لکھواتے جاتے۔ عرض اس طرح آپ کے زمانہ ہی میں سورتیں مدون و مرتب ہو چکی تھیں اور ان کے نام بھی قرار پا چکے تھے۔ حدیثوں میں ذکر آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں فلاں فلاں سورتیں پڑھیں، یا فلاں سورۃ سے فلاں سورۃ تک تاؤ قرآنی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب میں سورہ اعراف پڑھی اور صبح میں سورہ بقرہ پڑھی، اور نماز میں سورہ بقرہ، آل عمران اور ابراہیم سورہ فاتحہ اور کوئی اور فلاں کے ذکر سے تو شاید حدیث کی کوئی کتاب خالی نہ ہوگی۔ اب دیکھنا چاہیے کہ حضرت ابو بکر کے زمانہ میں کیا خدمت انجام پائی۔

حضرت ابو بکر نے قرآن کے متفرق اجزاء کو صرف ایک کتاب کی صورت میں جمع کرایا۔

علاء صحابہ ابن بھر بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں :-

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اپنے قول مستیلا صحفاً مطہراً اہیہ میں بیان فرمایا ہے قرآن صحیفوں میں جمع ہے۔ قرآن شریف صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔

تد اعلم اللہ تعالیٰ فی القرآن بانہ مجموع فی الصحف فی قولہ تیلوا صحفہ مطہراً الایۃ، وكان القرآن مکتوباً فی الصحف مکن

کانت متفرقة بجمعها البریکین
 لیکن متفرق تھا، حضرت ابو بکر نے ایک
 فی مکان واحد ثم کانت بعدہ
 جگہ جمع کر دیا پھر ان کے بعد محفوظ رہا، یہاں
 محفوظہ الی ان لم یثخان بالسخ
 تک کہ حضرت عثمان نے متعدد نسخے
 منها عدلہ صحیفہ ارسل
 نقل کر کے دوسرے شہروں کو
 بھا الی الامصار (فتح ابدی ج ۱)

اس تشریح سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق کے حکم سے حضرت زید بن ثابت نے صرف قرآن
 شریف کے متفرق اجزاء کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کر دیا تھا۔

حقیقہ صدیقی کتب تک محفوظ رہا | حضرت زید بن ثابت کا مدون کیا ہوا نسخہ حضرت ابو بکر نے خزانہ
 میں محفوظ رکھا۔ اس کے بعد حضرت عمر کے قبضہ میں آیا، حضرت عمر نے ام المومنین حضرت حفصہ کے حوالہ
 فرمایا اور وصیت کر دی کہ کسی شخص کو نہ دیں، البتہ جس کو نقل کرنا یا اپنا نسخہ صحیح کرنا ہو وہ اس سے فائدہ اٹھا
 سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان نے اپنے مہدیوں میں حضرت حفصہ سے عاریت لے کر چند نسخے نقل کرائے اور
 دوسرے مقامات میں روانہ کر دیئے، لیکن اصل نسخہ یدستور حضرت حفصہ کے پاس محفوظ رہا۔ جب مروان
 مدینہ کا حاکم ہو کر آیا تو اس نے اس نسخہ کو حضرت حفصہ سے لینا چاہا، لیکن انھوں نے دینے سے انکار کر
 دیا، اور تاحیات اپنے پاس محفوظ رکھا۔ ان کے انتقال کے بعد مروان نے حضرت عبداللہ بن عمر سے
 لے کر اس کو ضائع کر دیا۔ ۱۰

فتوحات

جزیرہ نمائے عرب کی سجد دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتوں سے کھراتی تھی، ایک طرف شام پر رومی پھر لڑا رہا تھا، دوسری طرف عراق پر کیانی خاندان کا تسلط تھا، ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں نے ہمیشہ کوشش کی کہ عرب کے آزاد لوگوں کو باطنی حکمرانی کا سکہ جمائیں، خصوصاً ایرانی سلطنت نے اس مقصد کیلئے بارہا عظیم الشان قربانیاں برداشت کیں، بڑی بڑی فوجیں اس مہم کو سر کرنے کے لیے بھیجیں، اور بعض اوقات اس نے عرب کے ایک وسیع خطہ پر تسلط بھی قائم کر لیا، چنانچہ شاپور بن اردشیر جو سلطنتِ ہخامنشیہ کا دو سرفرازوں میں سے ایک تھا، اس کے عہد میں حجاز و یمن دونوں باجگزار ہو گئے تھے۔ اسی طرح ساہورزی الاکتات میں و حجاز کو فتح کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا تھا، یہ عربوں کا حدودِ حجاز و یمن تھا، جو درود کے عرب گرفتار ہو کر جاتے تھے وہ ان کے شانے اکھڑا داتا تھا، اسی سے عرب میں ذوالاکتات، یعنی شانوں والے کے لقب سے مشہور ہوا، لیکن عرب کی آزاد اور غیر فطرتاً عرب کر رہنا نہ جانتی تھی، اسی لیے جب کبھی کوئی طاعوت برپا ہوگی، یہاں تک کہ چند بار خود عربوں نے عراق پر قابض ہو کر اپنی ریاستیں قائم کیں۔ چنانچہ فرماں روایان یمن کے علاوہ قبیلہ معد بن عدنان نے عراق میں آباد ہو کر ایک مستقل حکومت قائم کر لی اور اسکے فرمانرواؤں نے عدی نے حیرہ کو دارالسلطنت قرار دیا۔ گوشاہانِ عجم نے حیرہ کی عربی سلطنت کو زیادہ دنوں تک آزاد نہیں رہنے دیا، اور بالآخر اپنی سلطنت کا جزو بنا لیا، تاہم عربین عدی کا خاندان ملحق ایک باجگزار شہس کی حیثیت سے عراق پر حکمران رہا اور اس تقریب سے بہت سے عربی قبائل وقتاً فوقتاً اسی سرزمین میں آباد ہوتے رہے، عربوں اور ایران کے تعلقات نہایت قدیم تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک باہم چھڑ چھاڑ سہلی آتی تھی چنانچہ جنگ ذی قاریں جو ایرانیوں اور عربوں کی ایک عظیم الشان قومی جنگ تھی جب ایرانیوں نے شکست کھائی تو اپنے فرمایا، لے

هَذَا اَوَّلُ يَوْمٍ اَنْصَقَتْ
یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم
العرب من العجم -
سے بدل لیا۔

اسی طرح سیر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے، تو پر وزیر شہنشاہ ایران نے اسی قدیم قومی عناد کی بنا پر نامہ مبارک کو پھاڑ کر پھینک دیا، اور ہنرمند ہو کر کہا، میرا

غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے سلہ

ردی سلطنت سے بھی عربوں کا نہایت دیرینہ تعلق تھا۔ عرب کے بہت سے قبائل مثلاً سلج، نسان و
وہب نام وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہو گئے تھے، اور رفتہ رفتہ عیسائی مذہب قبول کر کے ملک
شام میں بڑی بڑی ریاستیں قائم کر لی تھیں، اور اسی مذہبی تعلق کے باعث ان کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی
یگانگت ہو گئی تھی۔ اسلام کا دامن آیا تو مشرکین عرب کی طرح حدود شام کے عرب عیسائیوں نے بھی مخالفت
ظاہر کی، اور سب سے پہلے حضرت دحیہ کلینی نے یثرب کو دعوت اسلام کا پیغام دے کر واپس آ رہے تھے، تو شاہی لوگوں
نے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا لہذا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حارث بن عمیر کو بصری کے حاکم
عمربن شمر جیل نے قتل کر دیا، سب سے پہلے غزوہ موتہ اسی قتل و غارتگری کا انتقام تھا جس میں بڑے بڑے صحابہ کرام آئے تھے
سب سے پہلے رومیوں نے خاص مدینہ پر فوج کشی کی تیاریاں کی تھیں، لیکن جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
پیش قدمی کر کے مقام تبوک تک پہنچ گئے تو ان کا سواد پست ہو گیا اور عارضی طور پر لڑائی ترک گئی تاہم مسلمانوں
کو ہمیشہ شامی عربوں اور رومیوں کا خطرہ دامنگیر تھا، چنانچہ سب سے پہلے ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حفظ
تقدم کے خیال سے حضرت اسمانہ بن زید کو شام کی مہم پر مامور فرمایا تھا۔

ان واقعات سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ عرب ہمیشہ سے اپنی دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا ہدف بنا ہوا تھا
خصوصاً اسلام کی ریزانوں ترقی نے انھیں اور بھی مشکوک کر دیا تھا، جو اس عربی لوہاں کے لیے حدود و جہتوں کا
تعمیر خلیفہ اول نے ان ہی اسباب کی بنا پر اندوختی جگڑوں سے فراغت پاتے ہی بیرون دشمنوں سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں
مہم عراق | اس زمانہ میں ایرانی سلطنت انقلاب حکومت و طوائف الملوک کے باعث اپنی اگلی عظمت نشان
کو کھو چکی تھی، بزرگ دہشتناک شاہ ایران نابالغ تھا، اور ایک عورت پوران دخت اس کی طرف سے تخت کیانی پر
تسلطنت تھی۔ عراق کے وہ عربی قبائل جو ایرانی حکومت کا تختہ مٹانے کے لیے جملے تھے، ایسے موقعوں سے فائدہ
اٹھانے کے منتظر تھے۔ چنانچہ موقع پاکر نہایت زور شور کے ساتھ اٹھ اٹھ کر بڑے بڑے، اور قبیلہ وائل
کے دوسرے شمشینی شیبانی و سوید علی نے تھوڑی سی جمعیت ہم پہنچ کر وہ دایمہ کے نواح میں غارتگری شروع کر دی۔
شنتی اسلام لاپچکے تھے، انھوں نے دیکھا کہ وہ تنہا اس عظیم الشان حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس
لیے بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ فوج کشی کی اجازت حاصل کی، اور اپنے تمام قبیلہ کو لے کر ایرانی

سلہ طری ص ۷۲، ۷۳ اسرافتہ مذکورہ و جہتیں خلیفہ کلینی سلہ طبقات ابن سعد حصہ مخاری ص ۹۲

سرحد میں گھس گئے۔ اس وقت تک حضرت خالد بن ولیدؓ مدعیان نبوت و مرتدین کی بیخ کنی سے فارغ ہو چکے تھے، اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ شنی کی لگک پر روانہ فرمایا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے پہنچنے کے ساتھ ہی جنگ کی صورت بدل دی اور بائیکاٹ، اسکر وغیرہ نفع کرتے ہوئے شاہان عجم کے حدود میں داخل ہو گئے۔ یہاں شاہ جاپان سے مقابلہ کیا، اور اس کو شکست دی۔ پھر حیرہ کے بادشاہ نعمان سے جنگ آزا ہوئے نعمان نہر میت اٹھا کر مدائن بھاگ گیا یہاں سے خود قتی پہنچے، لیکن اہل خود قتی نے مصلحت اندیشی کو راہ دے کر ستر ہزار ایک لاکھ درہم خراج پر مصلحت کئی۔ غرض اس طرح حیرہ کا پورا علاقہ زیر نگیں ہو گیا۔

حملہ شام امام عراق کا اہم آغانہ ہی ہوا تھا کہ دوسری طرف سرحد شام پر جنگ چھڑ گئی حضرت ابوبکرؓ نے علاقہ میں صحابہ کرام سے مشورہ لینے کے بعد شام پر کئی طرف سے فوج کشی کا انتظام کیا اور ہر ایک علاقہ کے لیے علیحدہ علیحدہ فوج مقرر کر دی۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ حمص پر، زید بن ابی سفیان دمشق پر، شریک بن حسار بن براء اور عمرو بن العاص فلسطین پر مامور ہوئے۔ مجاہدین کی مجموعی تعداد ۷۰۰۰ تھی۔ ان سرداروں کو سرحد سے نکلنے کے بعد قدم قدم پر رومی جتھے ملے جن کو تیسرے پہلے ہی سے الگ الگ ایک ایک سردار کے مقابل میں متعین کر دیا تھا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے اپنی کل فوجوں کو ایک جگہ جمع کر لیا، اور بارگاہِ خلافت کو غنیم کی غیر معمولی کثرت کی اطلاع دے کر مزید کمک کے لیے لکھا۔ چونکہ اس وقت دارالخلافت میں کوئی فوج موجود نہ تھی، اس لیے حضرت ابوبکرؓ کو نہایت اہمیت انتہا رہا، اور اسی وقت حضرت خالد بن ولیدؓ کو لکھا کہ ہم عراق کی باگ شنی کے ہاتھ میں دے کر شام کی طرف روانہ ہو جائیں۔ یہ فرمان پہنچتے ہی خالدؓ نے ولیدؓ ایک جمعیت کے ساتھ شامی زرم گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کو روم میں بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ چنانچہ جب حیرہ کے علاقہ سے روانہ ہو کر عین التمر پہنچے تو وہاں خود کسریٰ کی ایک فوج سدراہ ہوئی۔ عقبہ بن ابی ہلال التمری اس فوج کا سپہ سالار تھا۔ حضرت خالدؓ نے عقبہ کو قتل کر کے اس کی فوج کو نہر میت دی وہاں سے آگے بڑھے تو ذیل بن عمران کی زیر سرکات بنی تھلیب کی ایک جماعت نے مبارز طلبی کی۔ ہذیل مارا گیا اور اس کی جماعت کے بہت سے لوگ قید کر کے مدینہ روانہ کیے گئے۔ پھر یہاں سے انبار پہنچے، اور انبار سے

۱۱۶ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۶۷۔ یہ سلاطین ایران حکومت کے باج گزار تھے۔ تاریخ طبری و فتوح الشام بلاذری ص ۱۱۶

صحرانے کر کے تدمر میں خیمہ زن ہوئے۔ اہل تدمر نے بھی پہلے قلعہ بنید ہو کر مقابلہ کیا۔ پھر مجبور ہو کر مصالحت کر لے تدمر سے گزر کر حیران آئے۔ یہاں بھی سخت جنگ پیش آئی۔ اسے فتح کر کے شاہ کی اسلامی مہم سے مل گئے، اور متعدد وقت سے بصری، نخل اور اجنادین کو سخر کر لیا۔ اجنادین کی جنگ نہایت شدید تھی۔ اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے، لیکن انجام کار میدان ان ہی کے ہاتھ رہا اور جلدی الاذل ۱۳۳ھ سے اجنادین ہمیشہ کے لیے اسلام کا زینگیں ہو گیا۔

اجنادین سے بڑھ کر اسلامی فوجوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا، لیکن اس کے مفتوح ہونے سے پہلے ہی خلیفہ اول نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس لیے اس کی تفصیل فتوحات نادر حق کے سلسلہ میں آئے گی۔

متفرق فتوحات | عراق اور شام کی لشکر کشی کے علاوہ حضرت عثمان بن ابی العاص کو توج روانہ کیا گیا، انہوں نے توج، بلکان اور آس پاس کے علاقوں کو زینگیں کر کے اسلامی مملکت میں شامل کر لیا۔ اسی طرح حضرت علاء بن حضرت زرارہ پر مامور ہوئے۔ انہوں نے زرارہ اور اس کے اطراف کو زینگیں کر کے اس قدر مال غنیمت مدینہ روانہ کیا کہ خلیفہ اول نے اس میں سے مدینہ منورہ کے ہر خاص و عام کو روایت اور شریف و غلام کو ایک ایک دینار تقسیم فرمایا۔

مرض الموت استخفاف حضرت عمر فاروقؓ

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کو کبھی صرف سو اور برس ہوئے تھے، اور اس قلیل عرصہ میں مدعیان نبوت، مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کی سرکونی کے بعد فتوحات کی ابتداء ہی ہوئی تھی، پیام اجل پہنچ گیا، حضرت علیؓ فرماقی میں کہ ایک دن جب کہ موسم نہایت سرد و خشک تھا۔ آپ نے غسل فرمایا، بعد نماز آگیا، اور مسلسل پندرہ دن تک شدت کے ساتھ قائم رہا اس اثنا میں مسجد تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے۔ چنانچہ آپ کے حکم سے حضرت عمرؓ امدت کی خدمت انجام دیتے تھے۔

مرض جب روز بروز بڑھتا گیا، اور افاقہ سے مایوسی ہوتی گئی تو صحابہ کرام کو بلا کر عائشہؓ کے متعلق مشورہ کیا، اور حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا، حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا: تمہارے اہل ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے، لیکن وہ کسی قدر متشدد ہیں، حضرت عثمانؓ نے کہا: میرے خیال میں عمرؓ کا بلن ظاہر سے اچھا ہے، لیکن بعض صحابہ کو حضرت عمرؓ کے تشدد کے باعث پس و پیش تھا، چنانچہ حضرت علیؓ عیادت کیلئے آئے تو شکایت کی کہ آپؓ عمرؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ جب آپ کے سامنے وہ اس قدر متشدد تھے، تو خدا جانے آئندہ کیا کریں گے، حضرت ابو بکرؓ صدیق نے جواب دیا: جب ان پر خلافت کا بار پڑے گا تو ان کو خود زہم ہونا پڑے گا، اسی طرح ایک دوسرے صحابی نے کہا، آپ عمرؓ کے تشدد سے واقف ہونے کے باوجود ان کو عائشہؓ کرتے ہیں۔ ذرا سوچ لیجئے، آپ خلا کے یہاں جا رہے ہیں، وہاں کیا جواب دیجئے گا، فرمایا: میں عرض کروں گا خدا یا! میں نے تیرے بندوں میں سے اس کو منتخب کیا ہے جو ان میں سے سب سے اچھا ہے، عرض سب کی تشفی کر دی، اور حضرت عثمانؓ کو بلا کر عہد نامہ خلافت لکھوانا شروع کیا۔ اتفاقاً الفاظ لکھے جا چکے تھے کہ غرض آگیا، حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کا نام اپنی طرف سے بڑھا دیا، تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا، تو حضرت عثمانؓ نے کہا کہ پڑھ کر سناؤ، انہوں نے پڑھا تو بیساختہ التذکرہ پکاراٹھے، اور کہا تھا تمہیں جزائے خیر دے، تم نے میرے دل کی بات لکھ دی، غرض عہد نامہ مرتب ہو چکا تو اپنے غلام کو دیا کہ مجمع عام میں سنا دے، اور خود بالاختیار پر تشریف لے جا کر تمام حاضرین سے فرمایا کہ میں نے اپنے عزیز یا بھائی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے، بلکہ اس کو منسوب کیا ہے جو تم لوگوں سے سب سے بہتر ہے، تمام حاضرین نے اس سن انتخاب پر سخطا و اظہار کیا، اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ صدیق نے حضرت عمرؓ کو بلا کر نہایت

مفید نصیحتیں کیں جو ان کی کامیاب خلافت کے لیے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئیں۔
اس فرض سے فاسخ ہونے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ذاتی اور خانگی امور کی طرف توجہ کی حضرت
عائشہؓ کو انھوں نے مدینہ یا بحرین کے نواح میں اپنی ایک جاگیر دے دی تھی، لیکن خیال آیا کہ اس سے دوسرے
داروں کی حق تلفی ہوگی، اس لیے فرمایا: "جان پدر! افلاس و امارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے
زیادہ محبوب رہی ہو، لیکن جو جاگیر میں تمہیں دی ہے۔ کیا تم اس میں اپنے دوسرے بھائی کو شریک کر لو
گی؟ حضرت عائشہؓ نے جہی بھری، تو آپ نے بیت المال کے قرض کی ادائیگی کے لیے وصیت فرمائی، اور
کہا کہ ہمارے پاس مسلمانوں کے مل میں سے ایک ٹونڈی اور دواؤں کی دکانوں کے سوا کچھ نہیں، عائشہؓ میرے مرتے
بھائی کے پاس بھیج دی جائیں؛ چنانچہ یہ تمام چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی گئیں۔ حضرت عائشہؓ
فرماتی ہیں کہ آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ میری تجزیہ و تکفین سے قرض ہو کر دیکھنا کوئی اور چیز تو نہیں رہ گئی ہے۔ اگر ہوتا
کوئی عمر کے پاس بھیج دینا گھوگا جائزہ لیا گیا تو بیت المال کی کوئی اور چیز کا شائبہ صحتی سے برآمد نہیں ہوتی۔ لہ
تجزیہ و تکفین کے متعلق فرمایا کہ اس وقت جو کچھ ابدن پر ہے اسی کو دھو کر دوسرے دو کپڑوں کے
ساتھ کفن دینا، حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ یہ تو پرانا ہے کفن کے لیے نیا ہونا چاہیے۔ فرمایا: "زندے
مردوں کی یہ نسبت نئے کپڑوں کے زیادہ مختار ہیں۔ میرے لیے بھی پھٹا پرانا لباس ہے۔"
اس کے بعد پوچھا، آج کون سا دن ہے؛ لوگوں نے جواب دیا دوشنبہ پھر پوچھا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کس روز ہوا تھا؛ کہا گیا کہ دوشنبہ کے روز۔ فرمایا، تو پھر میری آرزو ہے کہ آج ہی
رات تک اس عالم فانی سے رحلت کر جاؤں۔ چنانچہ یہ آخری آرزو بھی پوری ہوئی، یعنی دوشنبہ کا دن
ختم کر کے منگل کی رات کو ترسیٹھ برس کی عمر میں اواخر جمادی الآخر ۳۳ھ کو رگہ گزین عالم جاواں
ہوئے۔ لہذا اللہ وانا علیہ مراجعون

وصیت کے مطابق رات ہی کے وقت تجزیہ و تکفین کا سامان کیا گیا، آپ کی زوجہ محترمہ حضرت
اسما بنت عمیس نے غسل دیا، حضرت عمر فاروقؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت
عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے قبر میں اتارا، اور اس طرح سردی کا ثبات صلی اللہ علیہ وسلم کا
رفیق زندگی آپ کے پہلو میں مدفون ہو کر دائمی رفاقت کے لیے جنت میں پہنچ گیا۔

۱۰ طبقات ابن سعد، مجلد ۳، صفحہ ۱۳۶۔ ۱۱ طبقات ابن سعد، مجلد ۳، صفحہ ۱۳۶۔ ۱۲ طبقات ابن سعد، مجلد ۳، صفحہ ۱۳۶۔

کارنامہائے زندگی

حضرت ابو بکر صدیق کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے لبریز ہے۔ خصوصاً انھوں نے سوادِ عرب کی قلیل مدتِ خلافت میں اپنی مساعی جلیلہ کے جو لازوال نقشِ دلگرا چھوڑے وہ قیامت تک محو نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سرزمینِ عرب ایک دفعہ پھر ضلالت و گمراہی کا گہوارہ بن گئی تھی۔ مورخ طبری کا بیان ہے کہ قریش و ثقیف کے سوا تمام عرب اسلام کی حکومت سے باغی تھا۔ مدعیانِ نبوت کی جماعتیں علیحدہ علیحدہ ملک میں شورش برپا کر رہی تھی۔ منکرینِ زکوٰۃ مدینہ منورہ کو نئے کی دھمکی دے رہے تھے۔ غرض خورشیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عزوب ہوتے ہی شیخ اسلام کے چراغِ سحری بن جانے کا خطرہ تھا۔ لیکن جانشینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روشن ضمیری، سیاست اور غیر معمولی استقلال کے باعث نہ صرف اس کو گل ہونے سے محفوظ رکھا، بلکہ پھر اسی مشعلِ ہدایت سے تمام عرب کو منور کر دیا۔ اس لیے حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کو جس نے دوبارہ زندہ کیا اور دنیائے اسلام پر سب سے زیادہ جس کا احسان ہے وہ یہی ذاتِ گرامی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ خلیفہ دوم کے عہد میں بڑے بڑے کام انجام پائے۔ مہماتِ امور کا فیصلہ ہوا۔ بیان تک کہ روم و ایران کے دفتراٹ دیئے گئے۔ تاہم اس کی داغ بیل کس نے ڈالی؟ ملک میں یہ اولوالعزمانہ روح کب پیدا ہوئی؟ خلافتِ الہیہ کی ترتیب و تنظیم کا سنگِ بنیاد کس نے رکھا؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ خود اسلام کو گردابِ فنا سے کس نے بچایا؟ یقیناً ان تمام سوالوں کے جواب میں صرف صدیقِ اکبرؓ کی کامِ نامی لیا جاسکتے اور دراصل وہی اس کے مستحق ہیں، اس لیے اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ عہدِ صدیقی کی وہ کون سی داغ بیل تھی جس پر بعد از حق میں اسلام کی رنجِ اثنانِ عمارتِ تعمیر کی گئی۔

نظامِ خلافت | اسلام میں خلافت یا جمہوری حکومت کی بنیاد سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ نے ڈالی چنانچہ خود ان کا انتخاب بھی جمہور کے انتخاب سے ہوا تھا، اور عملاً جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے، سب میں کما رصحا یہ رائے و مشورہ کی حیثیت سے شریک تھے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے صاحبِ رائے و تجربہ کا رصحا یہ کو کبھی۔ اور اہمیت سے جہاد نہ ہونے دیا۔ حضرت اسامہؓ کی مہم میں حضرت عمرؓ کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نامزد کیا تھا۔ لیکن انھوں نے حضرت اسامہؓ کو لٹائی کیا کہ حضرت عمرؓ کو رائے و مشورہ

میں مدد دینے کے لیے چھوڑ جائیں۔ لے

شام پر لشکر کشی کا خیال آیا تو پہلے اس کو صحابہؓ کی ایک جماعت میں مشورہ کے لیے پیش کیا۔ ان لوگوں کو ایسے اہم اور خطرناک کام کو چھوڑنے میں پس و پیش تھا، لیکن حضرت علیؓ نے موافق رائے دی بلکہ اور پھر اسی پر اتفاق ہوا، اور اسی طرح منکرین زکوٰۃ کے مقابلہ میں جہاد، حضرت عمرؓ کے استخلاف اور تمام دوسرے اہم معاملات میں اہل الرائے صحابہؓ کی رائے دریافت کر لی گئی تھی، البتہ عہد قادی کی طرح اس وقت مجلس شوریٰ کا باقاعدہ نظام نہ تھا، تاہم جب کوئی امر اہم پیش آ جاتا تو ممتاز مہاجرین و انصار جمع کیے جاتے تھے، اور ان سے رائے لی جاتی تھی۔ چنانچہ ابن سعد کی روایت ہے۔

ان ابابیکو الصدیق کان اذا نزل به
امر یزید فیه مشاورۃ اهل السرای
واهل الفقه ودعا رجالا من
الطہا جردین والانصار دعا عمر
عثمان وعلی وعبدا الرحمن بن
سعود ومعاذ بن جبل ابی بن کعب
وزید بن ثابت کل هؤلاء لیقی
فی خلافة ابی بکر لہ الخ

جب کوئی امر پیش آتا تھا تو حضرت ابو بکر صدیق
اہل الرائے و فقہائے صحابہ سے مشورہ
لیتے تھے اور ہاجرین و انصار میں سے
چند ممتاز لوگ عمر، عثمان، علی، عبدالرحمن
بن عوف، معاذ بن جبل، ابی بن کعب
اور زید بن ثابت کو بلا لیتے تھے۔ یہ
سب حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت
میں فوتے بھی دیتے تھے۔

ملکی نظم و نسق | نوعیت حکومت کے بعد سب سے ضروری چیز ملک کے نظم و نسق کو بہترین اصول پر قائم کرنا، عہدوں کی تقسیم، اور عہدیداروں کا صحیح انتخاب ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بیرونی فتوحات کی ایسی ابتداء ہوئی تھی۔ اس لیے ان کے دائرہ حکومت کو صرف عرب پر محدود سمجھنا چاہیے، انھوں نے عرب کو متعدد دھڑوں اور ضلعوں پر تقسیم کر دیا تھا۔ چنانچہ، مدینہ، مکہ، طائف، صنعاء، نجران، حضرت
، بحرین اور رومۃ الجندل وغیرہ علیحدہ علیحدہ صوبے تھے بلکہ ہر صوبے میں ایک عامل ہوتا تھا، جو ہر قسم کے فرائض انجام دیتا تھا۔ البتہ خاص دار الخلافہ میں تقریباً اکثر ضلعوں کے الگ الگ عہدہ دار مقرر کیے گئے تھے۔ مثلاً حضرت ابو عبیدہؓ شام کی سپہ سالاری سے پہلے افسر مال تھے۔ حضرت عمرؓ قاضی

۱۔ طبقات ابن سعد ص ۲۷۹ ج ۱ ص ۱۲۹، ۲۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۰۹، ۳۔ تاریخ طبری ص ۳۶، ۴۔

تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کے ساتھ رہنے کے لیے کہا۔

عالموں اور عہدہ داروں کے انتخاب میں حضرت ابو بکرؓ نے ہمیشہ ان لوگوں کو ترجیح دی جو عہدہ نبوت

میں عامل یا عہدہ دار رہ چکے تھے، اور ان سے ان ہی مقلد میں کام لیا جہاں وہ پہلے کام کر چکے تھے۔ مثلاً

عہدہ نبوت میں مکہ پر قتیبہ بن اسید، طائف پر عثمان بن ابی العاص، صنعاء پر ہاجر بن امیہ، حضرموت پر

زیاد بن لیث اور بحرین پر علاؤ بن الحضرمی مامور تھے۔ اس لیے خلیفہؓ اول نے بھی ان مقلد پر ان ہی لوگوں

پر قرار کیا۔ حضرت ابو بکرؓ جب کسی کو کسی ذمہ داری کے عہدہ پر مامور فرماتے تو عموماً بلا کر اس کے فرائض کی تشریح

کرو دیتے اور نہایت سوزناغلاذ میں سلامت روی و تقویٰ کی نصیحت فرماتے، چنانچہ عمرؓ و ابن العاص اور

ولید بن عقبہ کو قبیلہ قضاہ پر محصل عہدہ بنا کر بھیجا، تو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی۔

اتق الله في السر والعلانية

خلوت و جلوت میں خوف خدا رکھو جو

فانه من يتق الله يجعل له

خبراً سے ڈرتا ہے وہ اس لیے ایسی

مخرجاً ويزوقه من حيث لا

سبیل اور اس کے رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر

يختص به من يتق الله يكفر

دیئے جو کسی کے گمان میں بھی نہیں آسکتا

عنه سيئاته و يعظم له اجراً

جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ معاف

فان تقوى الله خيرا واترأى

کرتا ہے اور اس کا اجر دینا بہ بیشک

به عباد الله انك في سبيل

بنندگان خدا کی غیر خواہی بہترین تقویٰ ہے تم

الله لا يسعك فيه الاذهان

خدا کی ایک ایسی راہ میں ہو جس میں افراط و تفریط

والتفريط والعقله عما فيه

اور ایسی چیزوں سے عقلمندی کی گنجائش نہیں جس میں

قوام دينكم وعصمه

مذہب کا استحکام اور حفاظت کی

امرکم فلا تنزلوا

حفاظت مضمر ہے اس لیے سستی

تفترکہ الخ

و تفاضل کو راہ نہ دیتا۔

اسی طرح زید بن سفیان کو ہم کا مارت سپرد کی تو فرمایا۔

یا زید! تمہاری قرابت داریاں ہیں۔

یا زید ان لك قواية عسيت

لله ایضاً ۱۳۵ھ تاریخ طبری ص ۲۰۸۳ ۳۳ تاریخ طبری ص ۳۰۸۳

ان تو تروهم بالا ماسر لا وذلک
 اکبر ما اخاف علیک فات
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم قال من ولی من امر
 المسلمین شیئا فامر علیہم
 احدا مجاہدۃ فعلیہ لعنة
 اللہ لا یقبل اللہ منہ
 صوناً ولا عدلاً حتی ینخل
 جہنم لہ

شاید تم ان کو اپنی امارت سے
 نائدہ پہنچاؤ۔ درحقیقت یہی سب
 سے بڑا خطرہ ہے جس سے میں ڈرتا
 ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 ہے کہ جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر
 ہوا اور ان پر کسی کو بلا استحقاق رعایت
 کے ظلم پر افسرینا دے تو اس پر خدا کی لعنت
 ہو خدا اس کا کوئی عذر اور فدیہ قبول نہ فرمائے
 گا یہاں تک کہ اس کو جہنم میں داخل کرے گا

حکام کی نگرانی اس حکومت کا قانون و آئین کو کیسا ہی مرتب و منتظم ہو، لیکن اگر ذمہ دار حکام کی نگرانی

اور ان پر نکتہ چینی کا اہتمام نہ ہو تو یقیناً تمام درہم برہم ہو جائے گا، یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اول کو اپنی فطری تمام
 دلی تساہل اور چشم پوشی کے باوجود اکثر موقوفوں پر تشدد و احتساب اور نکتہ چینی سے کام لینا پڑا، ذاتی معاملہ
 میں رفق و مہلطفیت ان کا خاص شیوہ تھا، لیکن انتظام و مذہب میں اس قسم کی مدد نہنت کو بھی روتاہ رکھتے
 تھے چنانچہ حکام سے بیب کہی کوئی نازیبا امر سرزد ہو جاتا تو نہایت سختی کے ساتھ چشم نمائی فرماتے۔ یہاں تک
 جنگ میں جیادہ منفی نے جو مسلمہ کذاب کا سپہ سالار تھا، حضرت خالد بن ولید کو دھوکہ دے کر مسلمہ کی
 تمام قوم کو مسلمانوں کے پنجوہ اقتدار سے بچا لیا، حضرت خالد بن ولید نے اس غلاری پر اس کو سزا دینے
 کی بجائے اس کی لڑکی سے شادی کر لی۔ چونکہ اس جنگ میں بہت سے صحابہ شہید ہوئے تھے، اس
 لیے ابو بکر صدیق نے حضرت خالد کی اس مسامت پر سخت ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے لکھا۔

تتوثب علی النساء وعند
 اطناب بنتیک و ماء
 المسلمین لہ

یعنی تمہارے خیمہ کی طناب کے پاس
 مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے اور تم عورتوں
 کے ساتھ عیش و عشرت میں مصروف ہو

والک بن نویرہ منکر زکوٰۃ تھا، حضرت خالد بن ولید اس کی تنبیہ پر مامور ہوئے، لیکن انھوں

نے زبانی ہدایت سے پہلے ہی اسکو قتل کر ڈالا۔ مالک کا بھائی شاعر تھا۔ اس نے اس کا نہایت چمکدار و مرد مرثیہ لکھا، اور ظاہر کیا کہ وہ تائب ہونے کیلئے تیار تھا، مگر خالد نے محض فراقِ عداوت سے قتل کر دیا۔ دربارِ خلافت تک اسکا اطلاع پہنچا تو اساطلی پر حضرت خالد غمت و غمزدہ ہونے لگے، لیکن وہ جاکر کہتے تھے اسلئے کوئی دوسرا ان زیادہ موزوں تھا ایسے اپنے ہمدرہ پر ہزار لکھ گئے۔

تقریب و حدود | حضرت ابو بکر صدیق ذاتی طور پر مجرموں کے ساتھ نہایت ہمدردانہ و نرم و کرہ تھے

چنانچہ عبد بنوت میں قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے انکے سامنے بدکاری کا اقرار کیا، تو بولے تم نے میرے گرو اور کسی سے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا، خدا سے توبہ کرو اور اس راز کو پوشیدہ رکھو، خدا بھی اس کو چھپائے گا، کیونکہ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اگر اس نے ان کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا تو جرم سے بچ جاتا، لیکن خود دربار رسالت میں آکر متواتر چار دفعہ اقرار جرم کیا، اور بخوشی منگوا سوا۔ اسلئے

ناہِ خلافت میں بھی ان کی یہ طبعی ہمدردی قائم رہی، چنانچہ اشعث بن قیس جو مدعی بنوت تھا جب گرفتار ہو گیا اور توبہ کر کے جان بخشی کی درخواست کی تو حضرت ابو بکر نے نہ صرف اس کو رہا کر دیا بلکہ اپنی ہمیشہ حضرت ام فردوس سے اس کا نکاح کر دیا۔ لیکن سیاسی حیثیت سے خلیفہ وقت کا سب سے پہلا فرض قوم کی اخلاقی نگرانی اور رعایا کے جان و مال کی حفاظت ہے اور اس حیثیت سے

اگرچہ انھوں نے پولیس و احتساب کا کوئی مستقل محکمہ قائم نہیں کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمد مبارک میں ان کی جو حالت تھی وہی قائم رکھی، البتہ اس قدر اضافہ کیا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کو پہرہ داری کی خدمت پر مامور فرمایا، اور بعض جرائم کی سزا میں متعین کر دیں۔ مثلاً حدِ ضرر کے نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل مختلف تھا لیکن حضرت ابو بکر نے اپنے دورِ خلافت میں سزائی کے لئے چالیس درجے کی سزا لازمی کر دی۔

حضرت ابو بکر کے عہدِ خلافت میں بعض جدید جرائم بھی پیدا ہوئے۔ مثلاً حضرت خالد بن ولید نے ان کو لکھا کہ حوالی مدینہ میں ایک شخص علتِ ایبہ میں مبتلا ہے، چونکہ اہل عرب کیلئے ایک جدید جرم تھا اور حدیث و قرآن میں اس کی کوئی سزا مقرر نہ تھی۔ اسلئے حضرت ابو بکر نے تمام صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت علی نے جلائے کی رائے دی، اور تمام صحابہ نے اس پر اتفاق کیا۔

ان کو ملک میں امن و امان اور شاہراہوں کو محفوظ و بے خطر رکھنے کا حدودِ وجہ خیال رہتا

۱۔ یعقوبی جلد ۲ ص ۴۸۸ ۲۔ سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۲۹ ۳۔ یعقوبی ج ۲ ص ۱۲۹ ۴۔ ابو داؤد کتاب الحدود

تھا اور جو کوئی اس میں رخنہ انداز ہوتا تھا، اس کو نہایت عبرت انگیز سنائیں دیتے تھے چنانچہ اس زمانہ میں عبداللہ بن ایاس سلمی مشہور ترین تھا۔ جس نے ملک میں ایک غدر برپا کر رکھا تھا، حضرت ابو بکر نے طریقہ بن حاجر کو بھیج کر نہایت اہتمام کے ساتھ اس کو گرفتار کرایا، اور آگ میں جلائے کا حکم دیا، لیکن اسی کے ساتھ حدود شریعت سے تجاوز کسی حالت میں جائز نہیں رکھتے تھے، اور ان موقعوں پر ان کا طبعی علم و حکم صاف نمایاں ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت مہاجرین امیثہ نے جو پیامہ کے امیر تھے۔ دو گانے والی عورتوں کو اس جرم پر کہ ان میں سے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوگاتی تھی، اور دوسری مسلمانوں کو بڑا کہتی تھی، یہ سزا دی کہ ان کے ہاتھ کاٹے ڈالے اور اہدوات اکھڑا ڈالے حضرت ابو بکر کو معلوم ہوا تو انھوں نے اس سزا پر سخت برہمی نہا، فرمائی اور لکھا کہ بے شک انبیاء کا سبب و شتم ایک نہایت قبیح جرم ہے اور اگر سزائیں تم مجتہد نہ کرتے تو میں قتل کا حکم دیتا، کیونکہ وہ اگر مدعی اسلام ہے تو گالی دینے سے مرتد ہو گئی، اور اگر ذمیہ تھی تو اس نے خلافت عہد کیا، لیکن دوسری جو صرف مسلمانوں کو بڑا کہتی تھی، اس کو کوئی سزا نہ دینا چاہیے تھی، کیونکہ اگر وہ مسلمان عورت ہے تو اس کے لیے معمولی تہنید و تادیب کافی تھی، اور اگر ذمیہ ہے تو جب میں نے اس کے شرک سے جو سب سے بڑا گناہ ہے دور گزار کر دیا تو مسلمانوں کو بڑا کہنے کی کیا سزا ہو سکتی ہے؟ بہر حال یہ تمہاری پہلی خطا نہ ہوتی تو تمہیں اس کا خمیازہ اٹھانا پڑتا دیکھو!

مشکل سے ہمیشہ محرز رہو، یہ نہایت نفرت انگیز گناہ ہے۔ مجبوراً صورت قصاص میں مجاہد ہے۔ سہ مالی انتظامات اہل بیت میں صیغہ مال کا کوئی باقاعدہ حکم نہ تھا بلکہ مختلف ذرائع سے جو رقم آتی تھی اسی وقت تقسیم کر دی جاتی تھی۔ حضرت ابو بکر کے عہد میں بھی یہی انتظام قائم رہا، چنانچہ انھوں نے پہلے سال ہر ایک آزاد، غلام، مرد، عورت اور ادنیٰ و اعلیٰ کو بلا تفریق دس دس درہم عطا کیے۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوتی تو بیس بیس درہم مرحمت فرمائے۔ ایک شخص نے اس مساوات پر اعتراض کیا تو فرمایا کہ فضل و منقبت اور چیز ہے اس کو رزق کی کمی بیشی سے کیا تعلق ہے البتہ اس پر اس قدر اضافہ کیا کہ اخیر عہد حکومت میں ایک بیت المال تعمیر کرایا۔ لیکن اس میں کبھی کسی بڑی رقم کے جمع کرنے کا موقع نہ آیا۔ اسی لیے بیت المال کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ایک دفعہ کسی نے کہا

سہ تاریخ الخلفاء ص ۹۶ سہ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۵۱

کہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بیت المال کی حفاظت کے لیے کوئی محافظہ نہیں مقرر فرماتے؛ فرمایا اس کی حفاظت کے لیے ایک قفل کافی ہے۔ ۱۷

خلیفہ اول کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت عثمانؓ اور دوسرے صحابہ کو ساتھ لے کر مقام سبخ میں بیت المال کے نراپنچی کو بلا کر پوچھا کہ شروع سے اس وقت تک خزانہ میں کس قدر مال آیا ہوگا! اس نے کہا دو لاکھ دینار لے

فوجی نظام | عہد نبوت میں کوئی باضابطہ فوجی نظام نہ تھا، بلکہ جیب ضرورت پیش آتی، تو صحابہ کرام خود ہی شوق سے علم جہاد کے پتھے جمع ہو جاتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بھی یہی صورت حال باقی رہی، لیکن انھوں نے اس پر اس قدر اضافہ کر دیا کہ جیب کوئی فوج کسی ہم پر روانہ ہوتی تو اس کو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے الگ الگ اقسام مقرر فرمادیتے۔ چنانچہ شام کی طرف جو فوج روانہ ہوئی، اس میں اسی طریقہ پر عمل کیا گیا تھا۔ یعنی قومی حیثیت سے تمام قبائل کے اقساموں کے بھنڈے الگ الگ تھے۔ امیر الامراء کمانڈر انچیف کا نیا عہدہ بھی خلیفہ اول کی ایجاد ہے، اور سب سے پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ اس عہدہ پر مامور ہوئے تھے۔ ۱۸

دستہ بندی کا صریح فائدہ یہ ہوا کہ مجاہدین اسلام کو رومیوں کی باقاعدہ فوج کے مقابلہ میں اس سے بڑی مدد ملی یعنی حضرت خالدؓ نے ولیدؓ نے تعبیر کا طریقہ ایجاد کر کے میدان جنگ میں ہر دستہ کی جگہ اور اس کا کام متعین کر دیا۔ اسی طرح حالت جنگ میں کسی ترتیب و نظام کے نہ ہونے سے فوج میں اتاری پھیل جاتی تھی۔ اس کا سدباب ہو گیا ۱۹

فوج کی اخلاقی تربیت | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین کے عہد میں جس قدر لڑائیاں پیش آئیں، وہ سب للہیت اور اعلیٰ کلمۃ اللہ پر مبنی تھیں۔ اس لیے ہمیشہ کوشش کی گئی کہ اس مقصد عظیم کے لیے جو فوج تیار ہو وہ اخلاقی رفعت میں تمام دنیا کی فوجوں سے ممتاز ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے بھی فوجی تربیت میں اس نکتہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھا اور جب کہیں فوج کسی ہم پر روانہ ہوئی تو خود دور تک پیادہ ساتھ گئے اور میرے لشکر کو زریں نصائح کے بعد رخصت فرمایا۔ چنانچہ ملک شام پر فوج کشی ہوئی تو پہ سالار سے فرمایا ۱۔

۱۷ ایضاً ۱۸ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۵۱ ۱۹ فوج البلدان ص ۱۱۵ ۱۸ تاریخ طبری۔

انك تحب قومًا ذموا ذموا انهم
 حبسوا الفسهم لله قدس لهم
 وانی موصیك بعشر لا تقتلوا
 امرؤة ولا صبیا ولا کبیرا
 هر ما دلا تقطعین شجرًا مثمرا
 اولًا تحرقن عامرولا تعقرن
 شاة ولا بعیرا الا لاکله
 دلا تحرقن نخلا ولا تغلبن
 ولا تحببن۔

تم ایک ایسی قوم کو پڑھے جنہوں نے
 اپنے آپ کو خدا کی عبادت کیلئے وقف
 کر دیا ہے، ان کو چھوڑ دینا، میں تم کو
 دس وصیئیں کرتا ہوں، کسی عورت بچے
 اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھلدار درخت
 کو نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا
 بکری اور اونٹ کھانے کے سوا بیکار
 ذبح نہ کرنا، نخلستان نہ جھلانا، مال غنیمت
 میں غنیمت نہ کرنا، اور بزول نہ ہو جانا۔

سامان جنگ کی فرامی | حضرت ابو بکر صدیق نے سامان جنگ کی فرامی کا یہ انتظام فرمایا تھا کہ مختلف

ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی، اس کا ایک معقول حصہ سامان باری برداری اور اسلحہ کی خریداری پر صرف
 فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ قرآن پاک نے مال غنیمت میں خدایا، رسل اور ذوالقرنی کے جو حصے قرار دیئے
 تھے، ان کو فوجی مصارف کے لیے مخصوص کر دیا تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ضروری مصارف
 کے بعد اس کو اسی کام میں لگاتے تھے۔

اونٹ اور گھوڑوں کی پرورش کے لیے مقام یثع میں ایک مخصوص چراگاہ تیار کر لی جس میں نہراؤں، جانوروں
 پرورش پاتے تھے۔ مقام ربذہ میں بھی ایک چراگاہ تھی، جس میں صدقہ اور زکوٰۃ کے جانور چرتے تھے۔

فوجی چھاؤنیوں کا معاثرہ | حضرت ابو بکر صدیق نے ضعف و پیری و بھوم افکاس کے باوجود خود ہی

چھاؤنیوں کا معاثرہ فرماتے تھے، اور سپاہیوں میں مادی یا روحانی حیثیت سے جو خرابی نظر آتی تھی، ان
 کی اصلاح فرماتے تھے۔ ایک دن کسی بہم کے لیے مقام جرت میں فوجیں مجتمع ہوئیں۔ حضرت ابو بکر صدیق
 معاثرہ کے لیے تشریف لے گئے۔ نبی فرارہ کے پڑاؤ میں پہنچے تو سب نے کھڑے ہو کر تعظیم کی۔ انھوں
 نے ہر ایک کو مرجہا کیا۔ ان لوگوں نے عرض کی یا خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگ گھوڑوں
 پر فوج چڑھتے ہیں۔ اس لیے گھوڑے بھی ساتھ لائے ہیں۔ آپ بڑا جھنڈا ہمارے ساتھ کر دیئے۔

۱۔ تاریخ الخلفاء ص ۹۶ ۲۔ کتاب الخراج ص ۱۲ ۳۔ کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۲ بحوالہ ابن سعد۔

فرمایا: خدا تباری بہت واردہ میں برکت دے، لیکن بڑا حنفیہ نام کو نہیں مل سکتا، کیونکہ وہ بنو عبس کے حصہ میں آچکا ہے؟ اس پر ایک فراری نے کھڑے ہو کر کہا ہم لوگ عبس سے اچھے ہیں، حضرت ابوبکرؓ نے ڈانٹ کر کہا: چپ احمق، تجھ سے ہر ایک عبسی اچھا ہے، بنو عبس بھی کچھ بولنا چاہتے تھے، مگر انھیں بھی ڈانٹ کر خاموش کر دیا۔ عرض اسی طرح چھ اونیوں میں جا کر قبائل کے نام بھی پوش و رقابت کو دبا کر اسلامی رواداری کا سبق دیتے تھے۔ ل

بدعات کا سد باب | تمام مذاہب کے مسخ ہو جانے کی اصلی وجہ وہ بدعات ہیں جو رفتہ رفتہ جزو مذہب ہو کر اس کی اصلی صورت اس طرح بدل دیتے ہیں کہ باہیان مذہب کی صحیح تعلیم اور متبعین کی جدت سٹرازیوں میں اقدار و تفریق بھی دشوار ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اگرچہ بدعات بہت کم پیدا ہوئیں، تاہم جب کبھی کسی بدعت کا ظہور ہوا تو انھوں نے اس کو مٹا دیا، ایک دفعہ حج کے موقع پر قبیلہ احسن کی عورت کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ کسی سے گفتگو نہیں کرتی، انھوں نے اس کی وجہ پوچھی۔ لوگوں نے کہا اس نے خاموش حج کا ارادہ کیا ہے۔ یہ سن اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: یہ جاہلیت کا طریقہ ہے، اسلام میں جائز نہیں، تم اس سے باز آؤ اور بات چیت کرو۔ اس نے کہا، آپ کون ہیں؟ بولے، ابوبکر صدیق

خدمتِ حدیث | حضرت ابوبکر صدیق کے عہد میں قرآن شریف کی تدوین و ترتیب کا جو کام انجام پایا، اس کی تفصیل گزری ہے۔ ایک روایت کے مطابق انھوں نے تقریباً پانچ سو حدیثیں بھی جمع فرمائی تھی لیکن وفات کے کچھ دنوں پہلے اس خیال سے ان کو ضائع کر دیا کہ شاید اس میں کوئی روایت خلاف واقعہ ہو تو یہ بار میرے سر رہ جائے گا، لیکن علامہ ذہبی نے اس خیال کی تغلیظ کی ہے۔ باایں ہمدانوں نے احادیث کے متعلق نہایت خرم و احتیاط سے کام لیا۔ صحابہ کرام کو جمع کر کے خاص طور سے فرمایا:۔

انکم تحدثون رسول اللہ

تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

احادیث روایت کرتے ہو جن میں تم خود ہی باہم

بجھتقون فیہا والناس

بعد کما شئتم اختلافنا فلا

لہ کنز العمال ج ۳ ص ۱۲۲ بحوالہ ابن سعد سے بخاری ج ۱ ص ۵۶۱

تحد ثوا عن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم شئیاً
نعمت سئالکم نقولوا ابنینا
ربینکم کتاب اللہ ناستحلوا
حلالہ وحرموا حرامہ لہ

ہوگا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے کوئی روایت نہ کرو اور جو کوئی تم سے سوال
کرے تو کہہ دو کہ سہارے اور تمہارے درمیان
خدا کی کتاب ہے اس کے حلال کو حلال سمجھو
اور اس کے حرام کو حرام قرار دو۔

لیکن اس سے یہ قیاس نہ کرنا چاہیے کہ انھوں نے مطلقاً روایت کا دروازہ بند کر دیا، بلکہ ان کی
غرض صرف یہ تھی کہ جب تک کسی حدیث کی صحت پر کامل یقین نہ ہو، روایت نہ کرنا چاہیے چنانچہ وہ خود
یہی اس پر عمل پیرا تھے، اور جب کسی روایت کی پوری طرح تصدیق ہو جاتی تو بغیر پس و پیش اس کو قبول
فرماتے تھے۔ ایک دفعہ وادی کی داریت کا جھگڑا پیش ہوا، چونکہ قرآن مجید اسکے متعلق خاموش ہے، ایسے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل دریافت کرنا پڑا، حضرت مغیرہ بن شعبہ موجود تھے، انھوں نے کہا: میں
جانتا ہوں کہ رسول اللہ علیہ وسلم وادی کو چھٹا حصہ دیتے تھے۔ احتیاطاً پوچھا، کوئی گواہی پیش کر سکتے ہو؟
حضرت عمر بن مسلم نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کی، تو اسی وقت حکم نافذ کر دیا، بس کہ حضرت عمر
نے اس اصول سے زیادہ کام لیا، آپ کے قبول حدیث کے اور بھی واقعات ہیں۔

محکمہ افتاء حضرت ابوبکرؓ نے مسائل فقہیہ کی تحقیق و تنقید اور عوام کی سہولت کے خیال سے
افتد کا ایک محکمہ قائم کر دیا تھا، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف، حضرت
سواذبن جبل، حضرت ابن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ جو اپنے علم و اجتہاد کے لحاظ سے تمام صحابہ
میں منتخب تھے، اس خدمت پر مامور تھے، ان کے سوا اور کسی کو فتویٰ دینے کی اجازت نہ تھی، بلکہ
حضرت عمرؓ نے بھی اپنے عہد خلافت میں اسی پابندی کے ساتھ اس کو قائم رکھا۔

اشاعت اسلام اناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اہم فرض دین متین کی تبلیغ و اشاعت ہے
حضرت ابوبکرؓ کو اس کا خیر میں شروع سے جو غیر معمولی انجم تھا، اس کا ایک اجماع تذکرہ گذر
چکا ہے۔ اس سے تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ آسمان اسلام کے اختر بنائے تباہاں اسی نور شیدہ صدرات کے
پر توجیہ سے منور ہوئے ہیں۔ خلافت کا بار آیا تو ایک فرض کی حیثیت سے قدرت یہ انجم زیادہ

لہ تذکرہ المفاد جلد ۳ ص ۳۰۰ ایضاً۔

ترقی کر گیا۔ تمام عرب میں پھرنے سے اسلام کا غلبہ بلند کیا اور رومیوں اور براہمنوں کے مقابلہ میں جو فوجیں روانہ فرمائیں انھیں ہدایت کر دی کہ سب سے پہلے غنیم کو اسلام کی دعوت دیں۔ نیز قبائل عرب جو ان اطراف میں آباد ہیں ان میں اس دعوت کو پھیلائیں، کیونکہ وہ قومی کجہستی کے باعث زیادہ آسانی کے ساتھ اس کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ منشی بن حارث کے مساعی جمیلہ سے بنی حائل کے تمام بت پرست و عیسائی مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح حضرت خالد بن ولید کی دعوت پر عراق، عرب اور حدود شام کے اکثر عربی قبائل نے لبیک کہا۔

حیرہ کے ایک عیسائی راہب نے خود بخود اسلام قبول کیا، یمن میں اشعث اور اس کے رفقاء نے پھر تمکید اسلام کی۔ اسی طرح طلحہ جو مدعی نبوت تھا، حضرت خالد بن ولید کے مقابلہ سے بھاگ کر جب شام پہنچا تو اس نے بطور اعتذار حسب ذیل اشعار لکھ کر بھیجے اور اسلام کا اقرار کیا۔

فهل يقبل الصديق انى صراجع
وصعطا ما حدثت من حدث يدي

کیا حضرت ابو بکر صدیق اس کو قبول فرمائیں گے کہ میں واپس آؤں
اور میرے ہاتھوں نے جو گناہ کیے ہیں ان کی تلافی کروں

وانى صت بعدا لصلالة شاهد
شهادة اذ حق لست فيها بملحد

اور گمراہی کے بعد میں گواہی دیتا ہوں
ایک ایسی سچی گواہی کہ اس سے ہٹنے والا نہیں ہوں

اس اعتذار و قرار ایمان سے حضرت صدیق کا آئینہ دل طلحہ کی طرف سے باطل صاف ہو گیا، اور اسکو

مدینہ آنے کی اجازت دے دی، لیکن وہ اس وقت پہنچا جب کہ آناب صدارت وینا بیٹہ کیلئے فریب ہو چکا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایقائے عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرضوں کا

چکانا — اور وعدوں کو پورا کرنا بھی فرائض خلافت میں داخل تھا۔ حضرت ابو بکر نے اولیں فرصت

میں اس فرض سے سبکدوشی حاصل تھا۔ اور جیسے ہی بحرین کی فتح کے

بعد اس کا مال غنیمت مدینہ پہنچا، انھوں نے اعلان عام کر دیا کہ رسالتناہب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کسی

کا کچھ لگتا ہو یا آپ نے کسی سے کوئی وعدہ فرمایا ہو تو وہ میرے پاس آئے۔ اس اعلان پر حضرت جابرؓ

نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے بھر کر دینے کا وعدہ

فرمایا تھا۔ حضرت ابو بکر نے ان کو اسی طرح تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے عطا فرمایا۔ نیز حضرت

لے طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۰۹ لے یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۵ لے ایضاً لے بخاری ج ۱ ص ۲۰

المق کا نوا یتحصنون اذا نزل
 لہم عدد ولہم ولا ینعون
 من ضرب النواقیس
 ولا من اخراج الصلیان
 فی عیدہم
 جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے
 مقابلہ میں تلامذہ ہوتے ہیں۔ ناقوس
 (اور گھنٹے بجانے کی ممانعت نہ ہوگی اور
 ہتھیار کے موقعوں پر صلیب نکالنے
 سے روکے نہ جائیں گے۔

یہ معاہدہ تہایت طول ہے۔ یہاں صرف وہی حملے نقل کیے گئے ہیں جن سے مسلمانوں کی غیر
 معمولی مذہبی رواداری کا ثبوت ملتا ہے۔

خليفة اول کے عہد میں جزیہ یا ٹیکس کی شرح نہایت آسان تھی اور ان ہی لوگوں پر مقرر
 کرنے کا حکم تھا جو اس کی امانگی کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں
 سے ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے، اور باقی پر صرف دس دس درہم سالانہ مقرر کیے گئے تھے۔ معاہدوں
 میں یہ شرط بھی تھی کہ کوئی ذمی بوڑھا، ابا، بیچ اور مفلس ہو جائے گا تو وہ جزیہ سے بری کر دیا جائے
 گا نیز بیت المال اس کا قبض ہوگا۔ یہ کیا دنیا کی تاریخ ایسی بے تعصبی در عیا پر درری کی نظیر
 پیش کر سکتی ہے؟

۱۰ کتاب الخراج - ۲۰ ایضاً ص ۷۲

فضائل و مناقب

بارگاہ نبوت میں رسوخ حضرت ابوبکر صدیق مجید بارگاہ و محرم اسرار نبوت تھے۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح دشام ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی اکثر مقامات امور حضرت ابوبکر صدیق کی شرکت سے لے پاتے تھے، اور اس کی وجہ سے ان کو اکثر رات کے وقت دیر تک کاشانہ اقدس پر حاضر رہنا پڑتا تھا، چنانچہ ایک دفعہ انھوں نے تین اصحاب صفحہ کو کھانے پر مدعو کیا، لیکن وہ خود دیر تک بارگاہ نبوت سے واپس نہ گئے جب رات زیادہ گزر گئی اور گھر آئے تو یہ معلوم ہوا کہ مہمانوں نے امب تک کھانا نہیں کھایا اپنے صاحبزادے پر سخت برہم ہوئے۔ ۱۷

حضرت عمرؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات رات یہ حضرت ابوبکر صدیق سے مسلمانوں کے معاملات میں مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ نیران کی رازداری و خلوص پر اعتماد اس قدر تھا کہ پوشیدہ سے پوشیدہ بات کہہ دیتے تھے، ہجرت کے واقعات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ رازداری کا تمام کام صرف حضرت ابوبکرؓ اور ان کے اہل و عیال سے متعلق تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر غار میں پوشیدہ ہونا، حضرت عبداللہ کلات کے وقت آکر مشرکین کے حالات سے باخبر کرنا، حضرت غامر بن نبیرہ کا روزانہ بکریاں لانا، حضرت اشما کا کھانا پہنچانا غرض اس قسم کے تمام امور جن کا تعلق رازداری سے تھا، وہ سب خاندان صدیقی کے سپرد تھا۔

حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس رفیق جان نثار کے ساتھ جو مخصوص تعلق اور خلوص تھا، اس کا آپ نے بارہا نہایت محبت آمیز پیرایہ میں اظہار فرمایا، چنانچہ وفات سے کچھ دنوں پہلے جو تقریر فرمائی، اس میں ارشاد ہوا۔ ۱۸

وہ ابوبکر اپنی صحبت اور مال کے لحاظ سے میرا سب سے بڑا محسن ہے، اگر میں خدا کے سوا کسی کو اپنی دوست بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو بنا تا، لیکن اسلامی اخوت و محبت افضل ہے بلکہ

اس کے بعد حکم ہوا کہ ابوبکرؓ کے دروازہ کے سوا مسجد کے احاطہ میں جس قدر دروازے ہیں سب

۱۷۔ بخاری کتاب الادب باب قول الضیف لاکل صحتی اکل وکن ب المنقب باب علامۃ النبوة قبل الاسلام

۱۸۔ بخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ ۱۷۷۱

بند کر دینے جاہل گئے۔ لہ اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے العاص نے پوچھا کہ مردوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو ارشاد ہوا۔ ابوبکرؓ

اسی غیر معمولی تقرب و رسوخ کی بنا پر صحابہ کرام جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہم دیکھتے تھے تو ان ہی کی دسات سے عقود درگزر کی درخواست پیش کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ابوبکرؓ ابن ہشام کی رٹکی سے نکاح کرنا چاہا۔ چونکہ یہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف تھا اس لیے جب وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو دئے انور پر برسی کے آثار نمایاں تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ باہر چلے آئے اور حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر پھر حاضر خدمت ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو دیکھا تو پھر مبارک لبشاش ہو گیا، اور برہمی کے آثار جاتے رہے۔ اسی طرح

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلاف معمول صبح سے شام تک خاموش رہے، اور جب عشاء کی نماز پڑھ کر کاشانہ اقدس کی طرف تشریف لے چلے تو گو صحابہ کرام کو اس غیر معمولی سکوت پر سخت خلغشار تھا، تاہم کسی کو زبان کھولنے کی جرأت نہ تھی۔ بالآخر سب نے حضرت ابوبکرؓ کو آگے بڑھایا، اور انھوں نے اس سکوت کی وجہ دریافت فرمائی، تو ارشاد ہوا کہ جو دنیا و آخرت میں ہونے والا ہے

وہ سب آج میرے سامنے پیش کیا گیا تھا، اس کے بعد بالتفصیل قیامت کے واقعات بیان فرمائے

اصابت رائے اور معاملہ فہمی کا یہ حال تھا کہ انھوں نے جس معاملہ میں جو ارشاد دی وہ مقبول ہو کر

رہی۔ رازداری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی راز کو بھی کبھی ظاہر ہونے نہ دیا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان

کو اپنی صابنہادی حضرتہ کا پیغام دیا، اس کو خاموش رہے، اور جب کچھ دنوں کے بعد وہ حرم نبوی میں

داخل ہو گئیں تو حضرت عمرؓ سے ملاقات کر کے کہا شاید تم کو میری خاموشی ناگوار ہوئی ہوگی بولے کون نہیں

فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ سے آگاہ تھا، اور اس راز کو قبل از وقت ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔

غرض ان ہی اوصاف نے حضرت صدیق اکبرؓ کو بارگاہ نبوت میں سب سے زیادہ مقرب علیہ اور بار رسوخ بنا دیا تھا۔

علم و فضل | حضرت ابوبکرؓ صدیق نے گو کسی کتب میں باقاعدہ زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا تھا، تاہم نظری

جوہر طبع اور دہا نبوت کی حاشیہ نشینی سے آسمان فضل و کمال پر عروج و نشاں ہو کر چمکے، فصاحت و بلاغت

میں کمال رکھتے تھے، ابتداء میں شاعری کا ذوق بھی تھا، لیکن اسلام کے بعد ترک کر دیا تھا، کبھی کبھی جذبات

لے بخاری کتاب المغازی باب نزوۃ بدر

لے ایضاً

ذخایات خود بخود لطم موزوں کے قالب میں دھل جاتے تھے۔ ایک دن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو چوں کہ مسافر کھیلنے دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد آ رہی ہو گئی۔ بے اختیار ان کو گود میں اٹھالیا، اور فرمایا: اے

د باجی شبہ اللہی لیس شبیہا لعلی

میرا باپ خدا ہوا، یہ نبی سے مشابہ ہے علی سے مشابہ نہیں ہے۔

ذوق سخن | اسلام کے بعد صرف ایسے اشارے دلچسپی رہ گئی تھی جن میں خدا کی عظمت و جلالت کا

ذکر ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ لیبید نے مصرعہ پڑھا اکا کلی ثقی ما خلا اللہ باطل یعنی خدا کے سوا تمام

چیزیں باطل ہیں، تو فرمایا: تم نے سچ کہا، لیکن جب اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا، د کل نعیمہ لا محالۃ

نرا تک، یعنی ہر نعمت یقیناً زائل ہو جائے گی، تو بولے "غلط ہے، خدا کے پاس بہت سی ایسی

نعمتیں ہیں جو زائل نہ ہوں گی۔ اے

حالت نزع میں حضرت عائشہ شربتائے بیٹھی ہوئی یہ شعر پڑھ رہی تھیں۔

من لا یزال د معہ مقتعا فانہ فی صدۃ مدقوق

فرمایا یہ نہ کہو بلکہ کہو

کجائن سکونۃ الموت بالحق ذلک ما کنّت منہ تحمید - (ق-۱)

سوت کی بے ہوشی کا ٹھیک وقت آ گیا اور یہ وہ چیز ہے جس سے تم بھاگتے تھے

انفوں نے اس کے بعد دوسرا شعر پڑھا،

وابیض لیستقی الخمام بوجہہ

گورا جس کے چہرے سے بادل بھی پانی طلب کرتا ہے

شمال ایستامی عصمۃ لادراصل

یتوں کا مادہ اور بیوؤں کا ملبھا

بولے: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تھی۔ اے

تقریر و خطابت | تقریر و خطابت کا خدا داد ملکہ حاصل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنات کے بعد اس

سقیفہ بنی ساعدہ میں جو تقریریں کیں وہ اوپر گزر چکی ہیں، اس سے برجستگی اور زور کلام کا انداز ہو گا، ان سے

آلاتقریروں کے علاوہ اہل عام تقریریں بھی نہایت پُر اثر ہوتی تھیں ہم یہاں ایک تقریر کے چند فقرے نقل کرتے ہیں

این الوصاة الحسنۃ وجوہہم آج وہ حسین اور روشن اور دوفر شباب

اما عجب بشباہم این الملوك
 الذین بنوا المدائن وحصنوها
 این الذین كانوا یطرون
 الغلبة فی مواطن الحروب
 تد ترضع اركانہم حیث
 اختی بہم الدر و الصبحوا فی
 طبقات القبور السوحا
 السوحائم النجا النجا
 سے حیرت میں ڈالنے والے چہرے کہاں ہیں؟
 آج بڑے بڑے شہروں کے بسنے والے اور
 ان کو قلعہ بند کرنے والے سلاطین کھر گئے؟
 آج بڑے بڑے غالب آنے والے سرد میدان
 سورا کیا ہوئے؟ زمانہ کی گردشوں نے ان
 کی قوتیں پست کر دیں اور ان کے بازو
 توڑ دیئے اور قبر کی تادیکلی میں ہمیشہ کے
 لیے سو گئے!

تقریر کی حالت میں رقت طاری ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا: میں جس
 جگہ کھڑا ہوں، گزشتہ سال خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، یہ کہہ کر زار و قطار رونے لگے۔
 اسی طرح ایک روز تین مرتبہ تقریر کا ارادہ کیا اور ہر مرتبہ ایک دو جملے کہہ کر گلو گرفتہ ہو گئے۔ ۱۰
نسب دانی | علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا، اس زمانہ کا بڑا مایہ ناز علم تھا، حضرت ابو بکر
 صدیق اس فن میں خصوصیت کے ساتھ کمال رکھتے تھے، حضرت جبیر بن مطعم جو طبقہ صحابہ میں سب سے
 بڑے نسب گزارے ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس فن کو حضرت ابو بکر سے سیکھا ہے، جو
 نسب دانی کی حیثیت سے تمام عرب میں ممتاز تھے۔ ۱۱

حضرت ابو بکر کی نسب دانی کی اکثر موتوں پر اسلام کو بھی فائدہ پہنچا۔ آغاز نبوت میں آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ و اشاعت کے لیے قبائل عرب میں تشریف لے جاتے تھے تو عموماً یہ بھی ہمراہ ہوتے
 اور اپنی نسب دانی کے باعث آپ کا لوگوں سے تعارف کراتے تھے۔

حضرت حسان بن ثابت قریش کی بیویا کرتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے ان سے بلا کر کہا۔ تم قریش اور ابوسفیان کی مذمت کرتے ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں
 بھی قریشی ہوں اور ابوسفیان میرا ابن عم ہے؟ انھوں نے کہا: بخدا کی قسم میں حضور کو ان سے علیحدہ کر لیتا
 ہوں جس طرح جو خیر سے الگ ہو جاتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ ابو بکر نے کہ پاس جاؤ وہ انساب عرب میں سب

زیادہ ماہر ہیں۔ غرض اس روز سے وہ اس فن کی تعلیم کے لیے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ سلا
تعبیر روایا خواب کی تعبیر میں بھی خلط و ملکہ تھا۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد
 ان کو سب سے بڑا معتبر سمجھتے تھے، اور اپنا اپنا خواب بیان کر کے تعبیر پوچھتے تھے ایک دفعہ حضرت عائشہؓ
 بن سعید نے اسلام قبول کرنے سے پہلے خواب دیکھا کہ وہ دہکتی ہوئی آگ کے کنارے کھڑے ہیں، اور
 ان کے والد ان کو اس میں جھونک رہے ہیں۔ اسی آفتابیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے
 ہیں اور ان کی کمر کپڑ کر پہنچ لیتے ہیں؛ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس خواب کو سن تو فرمایا: خالد تمہیں
 اس کے ذریعے سے راہ حق کی ہدایت کی گئی ہے، تمہارا باپ تم کو کفر پر مجبور کرتا ہے، لیکن آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع تمہاری نجات کا باعث ہوگی۔ ﷺ

حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کچھ پہلے خواب میں تین چاند اپنے حجرہ
 میں گرتے دیکھے، انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے اس کا تذکرہ کیا، تو اس وقت خاموش رہے۔ لیکن جب
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور ان کے حجرے میں مدفون ہوئے تو فرمایا: عائشہؓ! یہ تمہارے
 حجرہ کا پہلا اور سب سے بہتر چاند ہے۔ ﷺ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی اپنا خواب یا روایا بیان کر کے انھیں تعبیر کا حکم دیتے تھے۔
 ایک دفعہ آپ نے دیکھا کہ چند سیاہ بھیڑوں میں بہت سی سفید رنگ کی بھیڑیں شامل ہو گئیں، حضرت ابوبکرؓ
 سے اس کی تعبیر پوچھی، تو انھوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! سیاہ بھیڑیں عرب میں جو پہلے آپ کے متبع ہوں
 گئے، پھر نہایت کثرت کے ساتھ مجی جو سفید بھیڑوں کے رنگ میں ظاہر کیے گئے ہیں، اسلام قبول کر کے ان میں
 شامل ہو جائیں گے؛ ارشاد ہوا: صحیح ہے، فرشتہ آسمان نے بھی یہی تعبیر کی تھی۔ ﷺ

علم تفسیر حضرت ابوبکر صدیقؓ تو نہ سفر، حضر، خلوت، وحولت، جنگ و صلح غرض ہر موقع پر مہبط وحی
 والہام صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف محبت سے مستفیض ہوئے اور تمام امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
 خاص مشیر تھے۔ اس لیے اسلامی علوم و فنون میں بھی قدرۃ ان کا پایہ سب سے بلند تھا۔ کلام اللہ اسلام
 کا اصل اصول ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس سے بغیر معمولی شغف تھا۔ علو ما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 سے آیات قرآنی کی تفسیر پوچھتے تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس آیت کے بعد کیا چارہ کار ہے؟

كَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلَ الْكُتَابِ مَنْ يَعْمَلْ مَسْئَةً يَجْزُ بِهَا (النساء: ۱۸)

(فلاحِ عقبت) تمہاری آرزو پر موقوف ہے، نہ اہل کتاب کی آرزو پر بلکہ جو لوگ کام کریگا وہ اس کی جزا لے گا)

کیا درحقیقت ہم پر بے کام کا بدلہ پاتے ہیں؟ ارشاد ہوا "ابو بکرؓ! خدا تمہاری مغفرت کرے، کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تمہیں کوئی رنج و صدمہ نہیں پہنچتا؟ اور کیا تمہیں کوئی مصیبت نہیں سنا؟ بولے کیوں نہیں، فرمایا یہ سب برائیوں ہی کا خمیازہ ہے۔ لہٰذا

وہ برائیت کی شانِ نزول اور اس کے حقیقی مفہوم سے آگاہ تھے، نیز مختلف موقعوں پر انہوں نے جو باریک بحثیں حل فرمائے ہیں، اس سے ان کی دقیقہ سنجی کا اندازہ ہو سکتا ہے، ایک مرتبہ جمع عام میں فرمایا: "صاحبو! آپ قرآن شریف میں یہ آیت پڑھتے ہوں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ
الْفُسْخُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَن
ضَلَّ إِذَا هْتَدَيْتُمْ -

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر (صرف)
تمہارے نفس کی ذمہ داری ہے، جو گمراہ
ہو گیا ہے۔ وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا

جب تک کہ تم خود ہدایت یاب ہو۔ (صالحہ ۱۲-۱۳)

حالا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب لوگ ناپسندیدہ امر کو دیکھتے ہیں اور اس کی اصلاح کی فکر نہیں کرتے تو خدا کا عذاب سب کے لیے عام ہو جاتا ہے یعنی اس آیت سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دوسروں کی اصلاح کا خیال رکھنا ضروری نہیں لہٰذا

اس آیت قرآنی سے استدلال، استنباط احکام و تفسیر مسألت میں مجتہدانہ ملکہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو تفریق پائی اس میں جبریت اس آیت سے انبیاء کی وفات پر استدلال لائے

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ
انْفَلَيْتُمْ عَلَىٰ أَصْحَابِكُمْ (آل عمران: ۱۱۴)

یعنی محمد صرف رسول میں امتنان سے پہلے
بھی بہت سے رسول گزر گئے، کیا اگر وہ انتقال
کرائیں یا شہید ہوں تو تم اہل پادشاهی ہو جاؤ گے

اس آیت نے یکایک ایمان و اعتقاد کے ستونوں کو مستحکم کر دیا، اور لوگوں کو ایسا مسلک

سلف ابن جریر طبری ج ۵ ص ۳۷، اوستادک حاکم ج ۲ ص ۷۴، سلف ابن جریر ج ۷ ص ۶۰

ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے سے موجود ہی نہ تھی۔

حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا طیب بلائیں؟ چونکہ مسئلہ تقدیر پر بہت شدت کے ساتھ اکتفا رکھتے تھے بارے۔ طیبیت نے مجھے دیکھ کر کہا ہے انی فخال لھا یرید یعنی ارادہ خداوندی میں کوئی مانع نہیں ہو سکتا۔

حدیث حضرت ابو بکر صدیقؓ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف سوا دو برس زندہ رہے، اس لیے ان سے مرفوع احادیث بہت کم مروی ہیں، علاوہ اس کے اس وقت تمام حاشیہ نشینان بساط

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقید حیات تھے جن کی نگاہوں سے عہد نبوت کی کوئی بات پوشیدہ نہ تھی، اس بنا پر کثرت روایت کا کوئی موقع بھی نہ تھا۔ تاہم انھوں نے جانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت

سے ان احادیث کو جن کا تعلق ضروری مسائل سے تھا، خاص طور پر شہرت دی، مثلاً نصاب زکوٰۃ کا اصل

پر ایت نامہ تمام مک میں شائع کیا، اور حکم دیا کہ اگر کوئی عامل اس سے زیادہ طلب کرے تو نہ دیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام اہم مواقع پر خلیفہ اول ہی کی معلومات نے مسلمانوں کی تہری

کی، مسیقفرنی ساعدہ میں خلافت کا جھگڑا جب خوفناک حد تک پہنچ گیا تو سب سے پہلے ان ہی نے الامت

من قریش کی حدیث پیش کی جس نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفن کا

سوال پیدا ہوا، تو صدیق اکبرؓ نے اس عقوہ کو حل کیا، اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

سلبہ کر انبیا کی جائے وفات ہی ان کا مدفن ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ جائداد میں

میراث طلب کی تو سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ حدیث پیش کی۔

لا فدت ما توکن یعنی ہمارے مال میں وارثت جاری نہ

ہوگی اور ہمارا تمام متروکہ وقف ہے

صدقۃ۔

بعد کو دوسرے صحابہ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی، غرض وہ دربار نبوت میں اپنے مخصوص تقرب کی بنا

پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، طرز عمل اور ان کے اسباب و علل سے قدرتا زیادہ باخبر تھے۔

امامت واجتہاد امامت یا خلافت گو نبوت ہی کا ایک پر تو ہے، تاہم دونوں میں بہت بٹا فرق ہے

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسند نشین خلافت ہونے کے ساتھ ہی اس فرق کو چھپور مسلمانوں پر ظاہر کر دیا،

۱۰ ابن سعد جزو ۳ قسم اول ص ۱۴۱ ۱۱ سوطا امام مالک ص ۸۰

اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے، نیز خدا نے ان کو وحی سے ممتاز فرمایا تھا، اور میں ایک معمولی انسان ہوں، ایسے اگر تم مجھے راہ راست پر دیکھو تو اتباع کرو اور اگر کج راہ تجاؤں تو سیدھا کرو۔ صلہ حضرت ابوبکرؓ نے نبوت و خلافت کی اس تفریق کو عملاً قائم رکھا اور کبھی ان اختیارات و حقوق سے کام نہیں لیا جو صرف انبیاء کے لیے مخصوص ہیں ایک فدائیک مسلمان پر سخت برہم ہوئے حضرت ابوبکرؓ اسلمی نے ان کے تیور دیکھ کر عرض کیا یا خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی گردن اٹا دینے حضرت ابوبکرؓ نے قتل کا نام سنا تو خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد غصہ فرو ہوا تو ابوبکرؓ نے سے ہلکا پوچھا، اگر میں اس کو قتل کرنے کا حکم دیتا تو کیا واقعی تم اسے مار ڈالتے۔ بولے۔ ہاں۔ فرمایا، خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہے، اسی طرح کسی نے خلیفہ اللہ کہہ کر حق قلب کیا تو فرمایا: مجھے خلیفہ اللہ نہ کہو، میں نائب خدا میں نہیں بلکہ نائب رسول صلعم ہوں، اور یہی میرے لیے بس ہے۔ سہ غرض خلیفہ اول کا یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ انھوں نے خلافت و نبوت کی سرحدیں الگ کر دیں، ورنہ جس طرح عدم تفریق و امتیاز نے الوہیت و نبوت کے ڈانڈے ملا دیئے ہیں، اور دنیا کی اکثر قوموں نے انبیاء علیہم السلام کو نظائر خداوندی تصور کر لیا ہے۔ اسی طرح خلافت و نبوت کی حدود میں بھی امتیاز دشوار ہو جاتا۔

اصول اجتہاد | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کا سب سے بڑا فرض استنباط احکام و تفریح مسائل کی ایک شاہراہ عام قائم کرنا اور مذہبی و فتر کو اصولی حیثیت سے منضبط و مرتب کرنا تھا۔ خلیفہ اول نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا وہ آج بھی شریعتِ غزاد کا سنگِ اساس ہے۔ چنانچہ نصوص شریعیہ کی درجہ بدرجہ ترتیب اور اجماع کا طریقہ اسی ذاتِ گرامی سے ظہور میں آیا، مسند دارمی میں ہے۔

کان ابو بکر اذا سد علیہ	حضرت ابوبکرؓ کی عدالت میں جب کوئی
الخصم نظر فی کتاب اللہ فان	مقدمہ پیش ہوا تھا تو پہلے قرآن کی طرف
وجد فیہ ما یقضی بنہم	رجوع کرتے، اگر امر متنازعہ فیہ کے متعلق
قضی بہ وان لم یکت فی	اس میں کوئی حکم ہوتا تو اس کے مطابق
الکتاب و علم من رسول اللہ	فیصلہ کرتے ورنہ سنت رسول اللہ صلی اللہ

۱۔ مسند محمد بن جنبل ج ۱ (ص ۲۰) تاریخ الخلفاء ص ۶۸ ۲۔ البواؤد کتاب الحدود باب الحکم فین سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۳۔ استیعاب تذکرہ ابوبکرؓ ص ۱۰۰ مسند دارمی باب الفقیہ و ما فیہ من الشدۃ۔

صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک
الاکابرستہ قضی بہ فان
اعیاداً خرج ففسال المسلمین
علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے اور جب
اس سے بھی مطلب برآسی نہ ہوتی
تو مسلمانوں سے سوال کرتے۔

قیاسی مسائل سے خوف | قیاسی مسائل یا نعوس قرآنی میں اپنی رائے کو دخل دینے سے محترز رہتے
اور فرماتے کہ میں اگر کتاب اللہ یا نامعلوم مسائل میں خواہ مخواہ رائے زنی کروں، تو کون سی زمین میرا
بار اٹھائے گی اور کون آسمان مجھے سا یہ دے گا۔ لہ حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ نامعلوم مسائل
میں ابو بکرؓ سے زیادہ کوئی خائف نہ تھا۔ تاہم ضرورت کے وقت قیاس سے کام لینے پر مجبور تھے۔ ایک
دفعہ ایک ایسا مقدمہ پیش ہوا، جس کے متعلق نہ قرآن میں کوئی تصریح تھی۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے طرز عمل سے مدد ملتی تھی، مجبوراً قیاس سے کام لینا پڑا، لیکن اس کے ساتھ ہی فرمایا: یہ میری رائے اگر
صحیح ہے تو بنجانب اللہ ہے، اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے ہے، میں خدا سے طالب مغفرت ہوں،
ایک قیاسی مسئلہ | حضرت ابو بکر صدیق کے قیاسی مسائل میں سب زیادہ مشہور دادا کی وارثت
کا مسئلہ ہے۔ ہم اس کو بالتفصیل درج کرتے ہیں۔ اس سے ان کی اجتہادی قوت کا اندازہ ہوگا۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی میت درشتہ میں صرف دادا اور بہن بھائی چھوٹے، یعنی اصول میں باپ
اور فروغ میں کوئی نسبی اولاد نہ ہو تو مستحق وارث کون ہوگا؟ دادا یا بھائی ہیں! حضرت ابو بکر صدیق
اولاد کے ساتھ تقریباً چودہ صحابہ کرام جن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ
وغیرہ شامل ہیں۔ دادا کو باپ کے مرتبہ میں قرار دے کر بھائی بہن کو محبوب الارث سمجھتے تھے، لیکن
صحابہ صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت اس سے اختلاف رکھتی ہے، اور بھائی بہن کو اصل وارث قرار
دیتی ہے۔ یہ اختلاف درحقیقت لفظ کلامہ کی تشریح پر مبنی ہے، کیونکہ قرآن شریف میں ہے:-

كَيْتَفْتُوْكَ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يَتَّبِعُكُمْ
فِيْ كُلِّ اَمْرٍ اَنْتُمْ اَهْلٰكُ
كَيْتُ لَكُمْ وَاَنْتُمْ اَهْلُكُمْ
فَاَنْتُمْ مَّا تَرْكُ وَاَنْتُمْ

لوگ تم سے فتویٰ طلب کرتے ہیں تو کہہ
دو کہ اللہ کلامہ کے بارے میں تم کو حکم دیتا
ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کی
اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہو تو اس کو ترک

لہ طبقات ابن سعد ج ۳ رقم اس ۲۶ -

يَزْنُهُنَّ أَنْ لَمْ يَكُنَّ لَهَا وَكْدٌ - سے آدھا لے گا) اور میں مر جائے اور اس
(نساء ۲۴)

اس آیت میں گو باپ کی کوئی تفریح نہیں ہے، تاہم اس حد تک سب کو اتفاق ہے کہ کلام کی صورت میں باپ کا نہ ہونا ضروری ہے، لیکن حضرت ابو بکر صدیق واداکانہ ہونا بھی ضروری قرار دیتے ہیں، اور اس آیت سے استدلال لاتے ہیں۔

فَإِنْ كَانَ زَجُلٌ يُؤْمَدُ
بِكَلَّةٍ أَوْ كَلَّةٍ أَوْ
أُخْتٍ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
السُّدُسُ (نساء ۲۴)

اگر کسی ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کے اصول و فروع میں) کوئی نہ ہو اور (دوسری مال سے) بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کو چھ حصہ ملے گا۔

اس آیت میں علاقہ بھائی بہنوں کی وارثت کا تذکرہ ہے، اور یہاں بالاتفاق کلام کے یہ معنی ہیں کہ میت کے اصول و فروع میں کوئی نہ ہو، یعنی اگر میت کا واداکا موجود ہو گا تو وہ کلام نہ ہو گا اور علاقہ بھائی و بہن وارث ہوں گے۔ اس بنا پر کوئی وجہ نہیں ہے کہ کلام کی ہی تشریح زیر بحث مسئلہ میں قائم رہے، اور بلا وجہ اس کے معنی میں تفریق کی جائے۔

سہ بخاری کی کتاب الفرائض، باب میراث الیوم، مالاب و اخوة میں میں کی تفصیل ہے

اخلاق و عادات

حضرت ابو بکر صدیق فطرۃ اخلاق حمیدہ سے متصف تھے، ایام جاہلیت میں عفت و پارسائی

و محضی، راست پانزی اور دیانت داری ان کے مخصوص اوصاف تھے، یہی وجہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عدیت کی تمام رقم ان ہی کے پاس جمع ہوتی تھی، شہابِ نوشی، نسق و منجور گواس زمانہ میں عالمگیر تھا، تاہم

ان کا دامنِ سفاف کبھی ان دھیوں سے داغ و آرنہیں ہوا، فی منیٰ مفلس و بے نوالی و شگیری، قرابت داروں کا خیال، مہمان نوازی، مصیبت زدوں کی اعانت، غرض اس قسم کے تمام محاسن و محامدان

میں پہلے سے موجود تھے، شرف المیان نصیب ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے ان اوصاف کو اور بھی چمکا دیا۔

تقویٰ اور عادت تقویٰ حضرت ابو بکر صدیق کے معدنِ اخلاق کا سب سے درخشاں گوشہ ہے۔ ایک دفعہ

زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کسی نامعلوم راستے سے لے چلا اور بولا: اس راہ میں ایسے آوارہ منش و بد معاش رہتے ہیں کہ اس طرف سے گزرنے میں بھی حیا دامن گیر ہوتی ہے، یہ سنتا تھا کہ زمین نے پاؤں

پکڑ لیے اور یہ کہہ کر لوٹ آئے ہیں ایسے شرمناک راستے سے نہیں جاسکتا۔

ایک دفعہ آپ کے ایک غلام نے کھلنے کی کوئی چیز لاکہ پیش کی، جیب تناول فرما چکے تو انہوں

نے کہا: آپ جانتے ہیں کہ یہ کیسے طرح حاصل ہوا؟ فرمایا بیان کرو، بولے میں نے جاہلیت میں ایک

شخص کی فال کھولی تھی، فال کھون تو جانتا نہ تھا، صرف اس کو دھوکہ دیا تھا، لیکن آج اس سے

ملاقات ہوئی تو اس نے اس کے صلہ میں یہ کھانا دیا، یہ سرگزشت سنی تو منہ میں انگلی ڈال کر جو کچھ کھایا تھا

تو کر دیا لے فرمایا کرتے تھے کہ جو حیم اکل حرام سے پرورش پاتا ہے جہنم اس کا بہتر ہی مسکن ہے۔

حضرت عائشہ کے گھر میں عید کے روز انصار کی درڑیاں جنگ بعات کے تاریخی اشعار گاری

تھیں، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم منہ پھیر کر فریش پر استراحت فرما چکے تھے، اسی حالت میں ابو بکر صدیق بھی

تشریف لائے، ان کے کپالو اتقانی سے بھی پسند نہ کیا، حضرت عائشہ کو ڈانٹ کر بولے: ”رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ مزارِ شیطان؟ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو بکر! انہیں گانے

لے لے کئے اعمال ج ۶ ص ۲۱۲

دو، ہر قوم کے لیے عید ہے اور یہ ہماری عید ہے۔" سَلَّ

انسان کا کمال اتقاد یہ ہے کہ جس طرح اس کے اعضاء و جوارح اعمال شیعہ و افعال ناپسندیدہ

سے مجتنب رہتے ہیں، اور اس کا دل تخلیاتِ باطلہ سے محترز رہتا ہے۔ اسی طرح اس کی زبان بھی کبھی کبھی کلمات

ناہلہم سے آلودہ نہ ہونے پائے۔ حضرت ابوبکر صدیق کا ورع و تقویٰ ایسی منتہائے کمال پر تھا کہ درشت

و ناہلہم الفاظ سے ہمیشہ پر سیز فرماتے تھے۔ اگر اتفاقاً غیظ و غضب کی حالت میں کوئی سخت جملہ زبان سے

نکل جاتا تو نہایت فداست و پشیمانی ہوتی، اور جب تک اس کی تلافی نہ ہو جاتی، چین نہ آتا، ایک

مرتبہ حضرت عمر فاروق سے کوئی نزاع درپیش تھی۔ اثنائے گفتگو میں کوئی سخت جملہ زبان سے نکل

گیا، لیکن خود ہی فداست و امن گیر ہوئی اور نہایت اصرار کے ساتھ عفو خواہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے

انکار کیا تو ان کی پریشانی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اسی وقت و امن اٹھلے آستانہ آندس پر حاضر ہوئے اور

وجہ پریشانی بیان کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تین مرتبہ اس اشارت سے طمانیت دی۔

ابوبکرؓ! خدا تمہیں بخش دے گا۔ ابوبکرؓ! خدا تمہیں بخش دے گا۔ ابوبکرؓ! خدا تمہیں بخش دے گا۔ ابوبکرؓ! خدا تمہیں بخش دے گا۔

سے فداست ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ کو ان کے مکان پر تلاش کر کے ہوئے در بدر نبوت میں حاضر ہوئے

ان کو دیکھ کر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ تیور دیکھ تو فوراً

پیشہ کر لیا۔ "یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں جی ہاں تھا، میری ہی زیادتی تھی اس طریقے سے کہ غیظ و

غضب کی طغیان فرود ہو گئی، تاہم ارشاد ہوا: میں سمجھتا ہوں کہ تم سب نے مجھے

ابوبکرؓ نے تصدیق کر کے جان و مال سے میری بخاری کی۔ کیا تم مجھ سے میرے سانھی کو چھڑا دو گے؟ سَلَّ

حضرت ربیع بن جعفر اور حضرت ابوبکر صدیق میں ایک درشت کے لیے باہم اختلاف ہوا۔ حضرت

ابوبکرؓ نے اثنائے بحث میں کوئی جملہ ایسا کہہ دیا جو ان کی ناگواری کا باعث ہوا، لیکن جیسے ہی غصہ فرو ہوا کہنے

لگے "ربیع! تم مجھے کبھی کوئی ایسی سخت بات کہہ دو۔ انہوں نے انکار کیا تو دربار نبوت میں حاضر ہوئے حضرت

ربیعؓ بھی ساتھ تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مفصل روئے درسن کو فرمایا ربیع! تم سخت جواب نہ دو،

لیکن یہ کہہ دو غفر اللہ لک یا ابابکر یعنی ابوبکرؓ! خدا تمہیں معاف کر دے؟ حضرت ابوبکرؓ پر اس

واقعہ کا اس قدر اثر تھا کہ زار و قطار رو رہے تھے، اور اسکاہوں سے سیل رواں تھا۔ سَلَّ

سَلَّ ایضاً کتاب البیدین باب سفہ العیدین الاسلام من ۱۳۰۔ سَلَّ بخاری کتاب المناقب باب قول النبی لو کنت متخذاً خیلاً

حدیثوں میں ۵۱۶ سَلَّ فتح الباری ج ۷ ص ۱۸

زُہر امارت، دنیا پس و جاہ پسندی سے تعلق نفرت تھی۔ خلافت کا یادگار ان بھی محض امت مرحومہ کو تفریق و اختلاف سے محفوظ رکھنے کے لیے اٹھایا تھا ورنہ دل سے اس ذمہ داری کے سنبھل نہ تھے، انھوں نے بہا اپنے خطبوں میں اس حقیقت کی تصریح فرمادی تھی، اور اعلان کر دیا تھا کہ اگر کوئی اس بار کو اٹھانے کے لیے تیار ہو جائے تو وہ نہایت خوشی کے ساتھ سبکدوش ہو جائیں گے۔ ۱۷

حضرت رافع طائی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے کہا کہ آپ سن رسیدہ بزرگ ہیں، مجھے کچھ وصیت فرمائیں، بولے: "خدا تم پر رحمت و برکت نازل فرمائے، نماز پڑھو، روزے رکھو، زکوٰۃ دیج کر دو، اور سب سے بڑی نصیحت یہ ہے کہ بھی امارت و سیادت نہ قبول کرو، دنیا میں امیر کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے، نیز قیامت کے روز اس کا محاسبہ نہایت سخت ہوگا، اور فرد عمل زیادہ طویل ہوگی" ایک مرتبہ انھوں نے پینے کے لیے پانی مانگا، لوگوں نے پانی اور شہد لاکر پیش کیا لیکن جیسے ہی منہ کے قریب لے گئے، بے اختیار آنکھوں میں ہم نسو پھیر آئے اور اس قدر روئے کہ تمام حاضرین پر رقت طاری ہو گئی۔ جب کسی قدر سکون ہوا تو لوگوں نے گریہ و زاری کی وجہ پوچھی، بولے، ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا آپ کسی چیز کو درود رکھ رہے تھے۔ میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا چیز ہے جس کو درود فرماتے ہیں، میں تو کچھ نہیں دیکھتا۔ ارشاد ہوا کہ ظاہر فریب دینا، محم ہوا کہ سر سنبھلنے آئی تھی میں نے اس کو درود کر دیا۔ اس وقت کیا ایک یہ واقعہ مجھے یاد آگیا، اور ڈاکہ ستا یہ اس کے دائم ترویر میں پھنس جاتا ہے۔

حضرت ابو بکر نے اپنی تمام دولت راہِ خدا میں ٹاڈی، یہاں تک کہ زادِ خلافت میں ان پر بیت المال کا چھتر ہزار درہم قرض چڑھ گیا۔ لیکن بے نیازی دیکھو کہ مسلمانوں کا ایک جریبھی اپنی ذات پر صرف کرنا اولاد کے لیے چھوڑنا گوارا نہ ہوا، وفات کے وقت وصیت فرمائی تو سب سے پہلے یہ فرمایا کہ میرے اطفال باغ بیچ کر بیت المال کا قرض ادا کر دیا جائے اور میرے مال میں جو چیز فاضل نظر آئے وہ عمر تن خطاب کے پاس بیچ دی جائے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ وفات کے بعد جنازہ لیا گیا تو صرف یہ چیزیں زیادہ نکلیں۔ ایک غلام، ایک لونڈی، اور دو اونٹنیاں۔ چنانچہ یہ تمام چیزیں اسی وقت حضرت عمر کے پاس بیچ دی گئیں۔ خلیفہ دوم کی آنکھوں سے عبرت کے آنسو نکل آئے، رو کر بولے ابو بکر! خدا تم پر رحم کرے، تم نے پس از مرگ بھی زہد کا دامن نہ چھوڑا اور کسی کو کلمتہ پھینکی کا موقع نہ دیا۔ ۱۸

۱۷ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۵۰۔ ۱۸ اسد الغابہ، جلد ۳، ص ۲۱۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۳۷۔

تواضع | نہایت تواضع اور خاکسار تھے، اور کسی کام سے ان کو عار نہ تھا، اکثر بھیڑ بکریاں تک خود ہی

بچرانے اور حملہ والوں کی بکریاں مودیتے تھے، چنانچہ منصب خلافت کے لیے جب ان کا انتخاب ہوا تو ب سے زیادہ حملہ کی ایک لڑکی کو فکر لاق ہوئی، اور اس نے تاسف آمیز لہجے میں کہا: اب ہماری بکریاں کون دوسے گا؟ حضرت ابو بکر نے سنا تو فرمایا، خدا کی قسم میں بکریاں دو ہوں گا۔ امید ہے کہ خلافت مجھے مخلوق کی خدمت گزاری سے باز نہ رکھے گی۔ ۱۰۷

حضرت ابو بکر پڑے کی تجارت کرتے تھے، تخلیق منتخب ہونے کے بعد حسب معمول کترے

پر کپڑوں کے تھان رکھ کر بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ راہ میں حضرت عمر فاروق اور حضرت ابوسعیدؓ سے

ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا۔ یا خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں؟ بولے بازار، انھوں نے کہا: اب

آپ مسلمانوں کے حاکم ہیں، چلے ہم آپ کے لیے کچھ وظیفہ مقرر کریں گے بلکہ نیکین نجاری کی روایت

ہے کہ جب خلافت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے آپ اپنا ذاتی کام نہ کر کے تو صحابہ رضی سے فرمایا کہ میری قوم جانتی

ہے کہ میرا پیشہ میرے اہل و عیال کا بار اٹھانے سے قاصر نہ تھا، اور اب میں مسلمانوں کے کام میں مصروف

ہو گیا اس بنا پر آل ابو بکر اس مال میں سے کھائیں اور مسلمانوں کے لیے تجارت کریں گے۔ صحابہ نے اسے منظور کر لیا۔

دار الخلافہ سے کوئی فوجی ہم روانہ ہوتی تو حضرت ابو بکرؓ نہ ضعیف و کبر سن کے باوجود دوڑتے

پا پیادہ ساتھ جاتے، اگر کوئی انہیں لگھڑے سے اتارنا چاہتا تو روک کر فرماتے: اس میں کیا مضائقہ

ہے، اگر میں تھوڑی دور تک راہ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد ہے کہ جو پاؤں راہ خدا میں غبار آلود ہوتے ہیں، خدا ان پر جہنم کی آگ حرام کر دیتا ہے۔ ۱۰۸

بجز تواضع کی انتہائی تہی کہ لوگ جا لیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے تعظیم و تکریم

کرتے تو آپ کو تکلیف ہوتی، اور فرماتے مجھے لوگوں نے نہایت بڑھادیا ہے، کوئی مدح دستائش

کرتا تو فرماتے: اے خدا تو میرا حال مجھ سے زیادہ جانتا ہے، اور میں اپنی کیفیت ان لوگوں سے زیادہ

جانتا ہوں۔ خدا تو ان کے حسن ظن سے مجھ پر بہتر ثابت کر میرے گناہوں کو بخش دے، اور لوگوں

کی بے جا تعریف کا مجھ سے مواخذا کرے، غایت تواضع سے تکر و ضرور کی علامات سے بھی

خونخزہ ہو جائے، ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو تکبر سے اپنا کپڑا کھینچتے ہوئے

۱۰۹ ایضاً ۱۰۷ بحاری کتاب الاحکام باب رزق الحاکم والعالین علیہا ۱۰۷ طبری ص ۱۸۵۰ اسناد

دارمی باب فضل النبی فی بیئ اللہ ص ۳۱۷ اسناد الضاہر ج ۳ ص ۲۱۷

چلتا ہے، قیامت کے روز خدا اس کی طرف نگاہ نہ کرے گا۔

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی۔ "میرا دامن بھی کبھی کبھی ٹٹک جاتا ہے۔" ارشاد ہوا تم تکبر

سے ایسا نہیں کرتے۔" سلمہ

الغاق فی سبیل اللہ | مال و دولت اگر صحیح مصرت اور مناسبت موقع پر صرف ہو تو اس کی قدر

و قیمت غیر متناہی ہو جاتی ہے۔ رونق کا ایک خشک ٹکڑا شدت گرنگی میں نوان نعمت ہے، لیکن

آسودگی میں الوان نعمت بھی بے حقیقت شے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے بن لوگوں نے اپنے

حیوان و مال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کی ہے۔ ان کو قرآن کریم نے مخصوص غفلت

و فضیلت کا مستحق قرار دیا ہے۔

تم میں وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے

خدا کی راہ میں خرچ کیا اور رٹے وہ دوسرے

مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے، بلکہ یہ ان

لوگوں سے درجہ میں بڑے ہیں جنہوں

نے بعد فتح مکہ خرچ کیا اور رٹے۔

لَا يَسْتَوِي مَن كَانَ مِنكُمْ مِّنْ أَفْئَقٍ

مِّنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَمَنْ كَانَ أُدْوٰلِيًّا

أَعْظَمَ وَرَجْمَةٌ مِّنَ الْكَنِيزِ

أَفْفَقُوا مَن بَعْدَ وَتَأْتَلُوْا

(سورہ حدید، رکوع)

حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ کے پاس قبول اسلام کے وقت چالیس ہزار درہم نقد موجود تھے، انہوں نے

یہ تمام دولت راہ خدا میں صرف کر دی، سلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا اس فیاضی کے

بر عمل ہونے کا اعتراف فرمایا۔

ابو بکر کے مال سے زیادہ کوئی مال

میرے لیے مفید نہ ہوا۔

مَا نَفَعَنِي مَالٌ اِحَدٍ قَطٍ

مَا نَفَعَنِي مَالٌ اِلَّا بِكَسْبِي

اسی فیاضی کے ساتھ خلاص کا یہ عالم تھا کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم جب بطور تشکر و امتنان فرماتے

یعنی جان و مال کے لحاظ سے مجھ پر ابو بکر

سے زیادہ کسی کا احسان نہیں۔

انه ليس من الناس احدا

من عيلى في نفسه وصاله من ابى بكر

تو آیدیدہ ہو کر عرض کرتے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جان و مال سب حضورؐ ہی کے لیے ہے۔

۱۔ بخاری، کتاب المناقب، ابی بکرؓ، ص ۱۵، ۱۶، ابن سعد جز ۲، قسم اول، ص ۳۳، ۳۴، کنز العمال، ج ۶، ص ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲

آغاز اسلام میں جن لوگوں نے داعی توحید صلی اللہ علیہ وسلم کو لبیک کہا تھا، ان میں ایک بڑی تعداد غلاموں اور لڑکیوں کی تھی، جو اپنے مشرک آقاؤں کے پیغمبرؐ میں گرفتار تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے اکثروں کو آزاد کرایا، جن میں بعض کے نام یہ ہیں۔

بلالؓ، عاتر بن قبیہ، تذریرہ، جاریہ بنی مویل، ہمدانیہ، نبت ہمدانیہ وغیرہم حضرت ابو بکر صدیق صدقات و خیرات میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بار بار مسابقت کی کوشش کی، لیکن وہ کبھی کبھی ان کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہوئے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مددہ نکالنے کا حکم دیا، حضرت عمرؓ کے پاس اس وقت معمول سے زیادہ سرمایہ موجود تھا انہوں نے خیال کیا کہ آج ابو بکرؓ سے سبقت لے جانے کا موقع ہے چنانچہ وہ اپنا نصف مال لے کر آستانہ نبوت پر حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم نے اہل و عیال کے لیے کس قدر رہنے دیا ہے؟ بولے: اسی قدر۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ اپنا کل سرمایہ لائے تھے، ان سے سبب سوال کیا تو انہوں نے عرض کی: ان کے لیے خدا اور اس کا رسولؐ ہے اس زیادہ قربانی پر حضرتؐ کی کھیں کھل گئیں، بولے اب میں کبھی ان سے سبقت نہیں لے جا سکتا۔

صدقات میں انشاء و اظہار دونوں جائز ہیں۔ اِنْ تُبَدُّ وَالصَّدَقَاتِ تَعْمَرُ اَحْيَا وَدَلَّتْ تُحْفَوُهَا الْفَقْرَ اَوْ تَعْمُرُ خَيْرٌ كَرَّمَ۔ لیکن اظہار میں ریوا تفاق کا ارکان ہے۔ اس لیے حضرت ابو بکرؓ صدقات میں انشاء کا لحاظ رکھتے تھے، اور ہمیشہ اس کا خیال رہتا تھا کہ ان کی تمام کائنات خدا کی امانت و ولایت ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ نہایت مخفی طور پر صدقہ لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے علاوہ خدا کی اور امانت بھی میرے پاس ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کی قیامت کا سلسلہ آخری لمحہ حیات تک جاری رہا، یہاں تک کہ وفات و کسبت بھی آپ نے فقر و سبکدوش کو فراموش نہ کیا، اور اپنے مال میں ان کے لیے ایک شخص کی وصیت فرمادی۔

خدمت گزار کی خلق | خلق اللہ کی نفع رسانی اور خدمت گزاری میں ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا، اگر شغلہ والوں کا کام کر دیتے تھے، بیماروں کی تیمارداری فرماتے، اور اپنے ہاتھ سے ضعیف و ناتواں اشخاص کی خدمت انجام دیتے، ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ اطراف مدنیہ میں ایک ضعیف نابینا عورت تھی

لے ترمذی مناقب ص ۱۶۳ کتبہ اشاعت جلد ۶ ص ۳۱۷ سے ایضاً ص ۳۲۷

حضرت عرفان قدس روز علی الصبح اس کے جھونپڑے میں جا کر ضروری خدمات انجام دیتے تھے۔ کچھ دنوں بعد انھوں نے محسوس کیا کہ کوئی شخص ان سے بھی پہلے اس کا رُٹاب سے بہرہ پایا ہو جاتا ہے۔ ایک روز بے نظیر نفیث کشکھ رات رہتے ہوئے آئے تو دیکھا خلیفہ اول، یعنی حضرت ابوبکر صدیق اس منیفہ کی خدمت گزاری سے فارغ ہو کر جھونپڑے سے باہر نکل رہے ہیں، بولے: انت لعمری یا خلیفۃ رسول اللہ۔ تم ہے، کیا روز آپ ہی سبقت کر جاتے ہیں۔ ۷

قدیمی زندگی | حضرت ابوبکرؓ رات بھر نمازیں پڑھتے تھے۔ دن کو اکثر روزے رکھتے، خصوصاً موسم گرما و زوں ہی میں بسر سوتا۔ حضور و شروع کا یہ عالم تھا کہ نماز میں لکڑی کی طرح بے حس و حرکت نظر آتے۔ رقت اس قدر طاری ہوتی کہ روتے روتے بچکی بندھ جاتی تھی، خوفِ محشر اور عبرت پذیرگی سے دنیا کا ذرہ ذرہ ان کے لیے سہا ئیہ عبرت تھا۔ کوئی سکر سبز درخت دیکھتے تو کہتے، کاٹنا! میں درخت ہی ہوں تاکہ عاقبت کے جھگڑوں سے چھوٹ جاتا۔ کسی باغ کی طرف گزرتے اور چڑیلوں کو چھپتے دیکھتے تو آؤ سرد کی بچ کر فرماتے: ہرندو! تمہیں مبارک ہو کہ دنیا میں جرتے چکے ہو۔ درخت کے میں بیٹھے ہو اور قیامت کے روز تمہارا کوئی حساب کتاب نہیں، کاش، ابوبکر بھی تہمدی طرح ہوتا۔ ۸

قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روتے کہ اس پاس کے تمام لوگ جمع ہو جاتے۔ نرم دلی اور رقتِ قلب کے باعث بات بات پر آؤ سرد کی بچنے تھے، یہاں تک کہ "اواہ منیب ان کا نام ہو گیا تھا۔"

نیوکاری و حصولِ ثواب کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا: "آج تم سے روزہ سے کون ہے؟" حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: "میں ہوں" پھر فرمایا: "آج کسی نے جنازہ کی مشایعت کی ہے؟" کسی نے مسکین کو کھانا دیا ہے اور کسی نے مریض کی عیادت کی ہے؟" ان سوالوں کے جواب میں جو زبان گویا ہوئی وہ حضرت ابوبکر صدیق کی تھی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایک دن میں اس قدر نیکیاں جمع کی ہوں وہ یقیناً جنت میں جائے گا ۹

خانگی زندگی | حضرت ابوبکرؓ بڑی بچوں سے محبت رکھتے، خصوصاً ام المومنین حضرت عائشہؓ کو سب سے

زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ نواح مدینہ میں اپنی ایک جاگیر ان کو سہہ کر دی تھی، لیکن وفات کے وقت خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوگی، اس لیے ان کو بلا کر فرمایا جان پور، انلاس و امارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے محبوب رہی ہو، لیکن جو جاگیر میں نے تمہیں دی ہے، اس میں تم اپنے دوسرے بہن بھائیوں کو شریک کر لو، لہذا انھوں نے وفات کے بعد حسب وصیت جاگیر تقسیم کر دی۔

مہمان نوازی | نہایت مہمان نواز تھے چنانچہ ایک مرتبہ شب کے وقت چند اصحاب صفحہ ان کے مہمان تھے انھوں نے اپنے صاحبزادہ عبدالرحمن کو ہدایت فرمائی کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاتا ہوں، تم میرے واپس آنے سے پہلے ان کی مہمان نوازی سے فارغ ہو جانا۔ حضرت عبدالرحمن نے حسب ہدایت ان کے سامنے حاضر پیش کیا، لیکن انھوں نے صاحب خانہ کی غیر موجودگی میں کھانے سے انکار کر دیا، اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیق بہت دیر کے بعد تشریف لائے، اور یہ معلوم کر کے مہمان اب تک بھوکے بیٹھے ہیں، اپنے صاحبزادہ پر نہایت برہم ہوئے، اور برا بھلا کہہ کر کہا: واللہ میں آج اس کو کھانے میں شریک نہیں کروں گا۔ حضرت عبدالرحمن ڈر سے مکان کے ایک گوشہ میں چھپ رہے تھے۔ وہ کسی قدر حیرت منگ کر کے سامنے آئے اور بولے: آپ اپنے مہمانوں سے بوجھ لیجئے کہ میں نے کھانے کے لیے اصرار کیا تھا، مہمانوں نے اس کی تصدیق کی، اور کہا: خدا کی قسم! جب تک آپ عبدالرحمن کو نہ کھلائیں گے ہم لوگ بھی نہ کھائیں گے، غرض اس طرح فحشہ فرو ہو گیا، اور دسترخوان بچھایا گیا، حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ اس روز کھانے میں اس قدر برکت نازل ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے، لیکن وہ کسی طرح ختم نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ اس میں سے کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ لہذا لباس و غذا زندگی نہایت سادہ تھی۔ موٹے چھوٹے کپڑے استعمال فرماتے تھے۔ دسترخوان

بھی بڑا کھٹ نہ تھا۔ خلافت کے بعد یہ سادگی اور سستی لگتی تھی، چنانچہ وفات کے وقت انھوں نے حضرت عائشہ سے فرمایا: جب سے خلافت کا بار میرے سر پر آیا ہے میں نے معمول سے معمولی غذا اور موٹے چھوٹے کپڑے پر قناعت کی ہے، مسلمانوں کے مال میں سے میرے پاس ایک حبشی غلام ایک اونٹ اور اس پرانی چادر کے سوا اور کچھ نہیں ہے، میرے بعد یہ تمام چیزیں عمر بن خطاب کو واپس دے کر ان سے بری ہو جانا۔ ۷۸

۱۔ بخاری جلد اول کتاب الاقیاب باب ما یکرہ من الغضب والجزع عند الضیف و باب قول الضیف لصاحب
لا آکی حتی تامل ۲۔ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۹

حضرت ابوبکرؓ نے چونکہ اپنی تمام دولت اسلام پر نثار کر دی تھی، اس لیے عسرت و ناداری کے باعث بارہا دودھ، تین تین وقت فلتے سے گزار جاتے تھے۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت عمرؓ کو مسجد میں بھوک سے بے قرار دیکھا، فرمایا میں بھی تمہاری طرح سخت بھوکا ہوں حضرت ابوالہشیم انصاریؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے گھر پر کھانے کی دعوت دی۔

ذریعہ معاش | تجارت اصلی ذریعہ معاش تھی، فرماتے ہیں کہ میں قریش میں سب سے بڑا اور متول بزرگ تھا۔ عہد اسلام میں بھی یہی مشغلہ جاری رہا، اور مال تجارت لے کر دور دراز ممالک کا سفر اختیار فرمایا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال پہلے تجارت کے خیال سے بصری تشریف لے گئے تھے۔ خلافت کا بوجھ جب سر پکایا تو، تقدیراً ان کا تمام وقت مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے وقف ہو گیا۔ اس بنا پر صحابہ کرام نے مشورہ کر کے روزانہ آدھا بکری کا گوشت اور ان کے ادا کے اہل عیال کے کپڑے کھانا متفق کر دیا تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کو منظور کر کے فرمایا، قوم جانتی ہے کہ میرا دربار میرے اہل عیال کی حاجت روائی سے قاصر و تھا، لیکن اب جبکہ مسلمانوں کے کام میں مشغول ہوں تو ان کو کھانا بخانا حسب ضرورت ان کے مال سے کھائے گا اور ان کا کام کرنے سے

ابن سعد نے ذریعہ کی تفصیل بیان کی ہے کہ ان کو دو چادریں ملتی تھی جب وہ پرانی بوجھتیں تو انھیں پس کر کے پوری لے لیتے تھے پھر کے موقع پر سواری اور خلافت سے پہلے چوز خریدتے تھے۔ اسی کے موافق اپنے اور اپنے متعلقین کیلئے خرچ لیتے تھے۔

جاگیر | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خیبر میں الگ جاگیر مرحمت فرمائی تھی، اس کے علاوہ انھوں نے اطراف مدینہ اور یثرب میں دوسری جاگیریں بھی حاصل کی تھیں۔

حلیہ | حضرت ابوبکرؓ نہایت نحیف و لاغر اندام تھے۔ چہرہ کم گوشت اور رنگ گندم گوں تھا۔ پیشانی بلند و فراخ اور آنکھیں وحشی ہوتی تھیں۔ بالوں میں مہندی کا خضاب کرتے تھے۔

ازواج و اولاد | حضرت ابوبکرؓ نے خلیفہ ائمہ میں متعدد شادیاں کیں جن بیویوں سے اولاد ہوئی ان کے نام یہ ہیں۔

قیسہ بنت عمروؓ۔ ان سے حضرت عبداللہؓ اور حضرت اسماءؓ پیدا ہوئیں۔

ام ریحانؓ۔ یہ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت بلالؓ کی ماں تھی۔ اسماءؓ۔ ان سے محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے۔

جسیہ بنت قاریہؓ۔ حضرت ابوبکرؓ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ام کلثومؓ ان ہی کے بطن سے تھیں۔ اللہ

۱۔ موطا امام مالک ص ۲۱۔ ۲۔ سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب المزاج ص ۳۳ طبقات جلد ۱ ص ۱۳۰۔ ۳۔ بحار کتاب البیوع ص ۱۳۸۔ ۴۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۴۸۔ ۵۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۳۱۔ ۶۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۳۸۔ ۷۔ طبقات تذکرہ ابوبکرؓ ایضاً ص ۱۱۷ ایضاً ص ۱۱۷۔ ۸۔ ایضاً۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق

نام و نسب اور خاندان | عمر نام۔ ابو حفص کینت۔ فاروق لقب، والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام ختمہ

تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے، عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن عبد اللہ بن قرظ بن رباح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔ عدی کے دو سرے بھائی مرہ تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ آدمیوں سے ہیں اس لحاظ سے حضرت عمر کا سلسلہ نسب انھوں پر پست میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاکر مل جاتا ہے۔

حضرت عمر کا خاندان ایام جاہلیت سے نہایت ممتاز تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ عدی عرب کے باہمی۔ منازعات میں ثالث متعز ہوا کرتے تھے، اور قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی کمی معاملہ پیش آجاتا تو سفیر بن کر جایا کرتے تھے اور یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسلاً چلے آ رہے تھے۔ دراصل کی طرح حضرت عمر انہیال کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے متعلق رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ ختمہ نام بن مغیرہ کی بیٹی تھیں، اور مغیرہ اس درجہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے نبرد آزماؤں کے لیے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام ان ہی کے متعلق ہوتا تھا۔ ۱۷

حضرت عمرؓ ہجرت نبوی سے ۴۰ برس قبل پیدا ہوئے، ایام طفولیت کے حالات پر وہ انہی میں ہیں، بلکہ سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں۔ شباب کا آغاز ہوا تو ان مشرفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے، جو مشرفانے عرب میں عموماً لایج تھے، یعنی نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی اور خطابت میں مہارت پیدا کی۔ خصوصاً شہسواری میں کمال حاصل کیا، اسی زمانہ میں انھوں نے کھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان میں ایک حضرت عمرؓ بھی تھے۔ ۱۸

تعلیم و تعلم سے فارغ ہونے کے بعد فکر معاش کی طرف متوجہ ہوئے۔ عرب میں لوگوں کا ذریعہ معاش زیادہ تر تجارت تھا، اس لیے انھوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا، اور اسی سلسلہ میں دور دورہ مالک کا سفر کیا۔ اسے آپ کو بڑے تجربے اور فوائد حاصل ہوئے۔ آپ کی خودداری، بلندوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ نہیں اسی کا نتیجہ تھی، اور ان ہی اوصاف کی بنا پر

۱۷ اصابع ج ۲ ص ۵۱۸ ۱۸ مقد الفرید باب فضائل العرب ۱۹ استیعاب تذکرہ عمر بن خطاب۔

قریش نے آپ کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا تھا۔ قبائل میں جب کوئی پیچیدگی پیدا ہوتی تھی تو آپ ہی سفیر بن کر جاتے تھے، اور اپنے غیر محمدی نہم و تدبر اور تجربہ سے اس عقدہ کو حل کرتے تھے۔ ﷺ

حضرت عمر کاشا میسواں سال تھا کہ ریگستان عرب میں آفتاب اسلام پر توانگن ہوا اور مکہ کی گھاٹیوں سے توحید کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے لیے یہ آواز نہایت مانوس تھی، اس لیے سنت بزم ہوئے۔ یہاں تک کہ جس کی نسبت معلوم ہو جاتا کہ یہ مسلمان ہو گیا ہے، اس کے دشمن بن جاتے ان کے خاندان کی ایک کینز بسینتہ نامی مسلمان ہو گئی تھی، اس کو اتنا مارتے کہ مارتے مارتے تک جاتے۔ بسینتہ کے سوا اور جس جس پر قابو ہلتا، زود و کوب سے دریغ نہیں کرتے تھے، لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا جو چڑھ کر اتر جاتا۔ ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بد دل کر سکے

اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ

تزیین کے سربراہ اور وہ اشخاص میں ابو جہل اور حضرت عمرؓ اسلام اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیات کے ساتھ ان ہی دونوں کے لیے اسلام کی دعا فرمائی اللہم اعزلا اسلام یا احد المرجلین اما ابن ہشام واما عمر بن الخطابؓ یعنی خدایا اسلام کو ابو جہل یا عمر بن الخطاب سے معزز کر۔ مگر یہ دولت تو قسم ازل نے حضرت عمرؓ کی قسمت میں کھدی تھی، ابو جہل کے حصہ میں کیونکر آتی، اس دعلے ستجاب کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد اسلام کا یہ سب سے بڑا دوست اور سب سے بڑا جان نثار بن گیا۔ یعنی حضرت عمرؓ کا دامن دولت ایمان سے بھر گیا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء و ما یخیر دیر کی کتابوں میں حضرت عمرؓ کی تفصیلات اسلام میں اختلاف ہے۔ ایک مشہور واقعہ جس کو عام طور پر رباب سیر لکھتے ہیں، یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ اپنی انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بڈل نہ کر سکے تو آخر کار مجبور ہو کر (نحوذ باللہ) خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کیا، اور تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے، راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبد اللہ مل گئے۔ ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے؟ بولے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں انھوں نے کہا پہلے اپنے گھبر کی تو خیر لو، خود تمہاری بہن اور بیٹیوں اسلام لاکچے ہیں، تو آ۔ پٹے اور بہن کے یہاں بیچے، وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں، اور قرآن کے اجزاء چھپا لیے، لیکن آواز ان کے کان میں پڑھ چکی تھی، بہن سے پوچھا، یہ کیسی آواز تھی؟ بولیں کچھ نہیں۔ انھوں نے کہا میں سن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بیٹیوں سے دست دگریاں ہو گئے، اور جب ان کی بہن بچنے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی یہاں تک کہ ان کا ہم بھولہ بان ہو گیا، لیکن اسلام کی محبت پر ان کا کچھ اثر نہ ہوا، بولیں کہ عمر جو نبی آئے کر دیا، لیکن اسلام اہل سینہ نہیں نکل سکتا۔۔۔ ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے جسم سے خون جاری تھا، اسے دیکھ کر اور بھی رتت ہوئی، زلیا، تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی

ملہ جامع تریذی مناقب عمرؓ

سنو، فاطمہ نے قرآن کے اجزا سامنے لا کر رکھ دیئے، اٹھا کر دیکھا تو یہ سورۃ تھی ۱۔
 مَبِيعَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَآلِ الْاَرْضِ
 زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب خدا کی بیع
 پڑھتے ہیں، وہ غالباً وحی و حکمت والا ہے
 وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ (حدید)
 ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا، یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے،
 اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ ذٰمِ سُوْلِهِ (حدید) خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

تو بے اختیار پکار اٹھے کہ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ
 یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بنی کے مکان پر جو کہ صفا کے نیچے واقع تھا
 پہاڑ گزین تھے۔ حضرت عمر نے آتہ مبارک پر پہنچ کر دنگ دی۔ چونکہ شمشیر کھینچتے تھے۔ صحابہ کو
 تردد ہوا، لیکن حضرت حمزہ نے کہا آنے دو، مخلصا شایا ہے تو بہتر ہے، ورنہ اسی کی توار سے اس
 کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمر نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بڑھے اور
 ان کا دامن پکڑ کر فرمایا، کیوں عمر! کس الودے سے آئے ہو؟ نبوت کی پر جلال آواز نے ان کو
 لپکایا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی، ایمان لانے کے لیے آئے تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور
 صحابہ نے بے ساختہ التذاکیر کا نعرہ اس زور سے مارا کہ مکہ کی تمام بیاریاں گونج اٹھیں۔
 یہی روایت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ دارقطنی، ابو یعلیٰ، حاکم اور بیہقی میں حضرت انس
 سے مروی ہے۔ دونوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلی میں سورۃ حدید کی آیت مَبِيعَ لِلّٰهِ مَا
 فِي السَّمٰوٰتِ وَآلِ الْاَرْضِ ہے۔ دوسری میں سورۃ طہ کی یہ آیت ہے ۱۔

اِنِّیْ اَنَا لِلّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا
 میں ہوں خدا کوئی نہیں معبود لیکن میں
 فَاَعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ
 تو مجھ کو جو اور میری یاد کے لیے نماز
 لِذِکْرِیْ (سورہ طہ)

جب اس آیت پر پہنچے تو بے اختیار لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پکار اٹھے، اور دیا قدس پر
 حاضری کی درخواست کی، لیکن یہ روایت دو طریقوں سے مروی ہے اور دونوں میں ایسے رواۃ ہیں
 جو قبول کے لائق نہیں۔ چنانچہ دارقطنی نے اس روایت کو مختصراً لکھ کر کہا ہے کہ اس کا ایک

۱۔ سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۲۰۹ و ص ۲۱۰ بحوالہ اسلاف النبی و ابن عساکر و کامل ابن اثیر۔

راوی تا کم بن عثمان بصری کو ہی نہیں۔ لہ ذہبی نے مستدرک حاکم کے استدلال میں لکھا ہے کہ روایت واہبی و متقطع ہے۔ سہ میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ قاسم بن عثمان بصری نے حضرت عمرؓ کے اسلام کا جو قصہ نقل کیا ہے، وہ نہایت ہی مشکوک ہے بلکہ کثیر العمل میں بھی اس کی تضعیف کی گئی ہے۔ سہ

ان دونوں روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف، قاسم بن عثمان، اسحاق بن ابراہیم الحسینی، اور اسامہ بن زید بن اسلم ہیں، اور یہ سب کے سب پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔

ان روایتوں کے علاوہ مسند ابن جنبل میں ایک روایت خود حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔ جو گو ایک تابعی کی زبان سے مروی ہے۔ تاہم اس باب میں سب سے زیادہ محفوظ ہے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پھیرنے لگا۔ آپ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہو گئے اور نماز شروع کر دی جس میں آپ نے سورۃ الحاقہ تلاوت فرمائی یہ کھڑا سنتا رہا اور قرآن کے نظم و اسلوب سے حیرت میں تھا۔ دل میں کہا جیسا قریش کہا کرتے ہیں، خدا کی قسم یہ شاعر ہے۔ ایسی یہ خیال آیا تھا کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

www.kitabosunnat.com
 إِنَّكَ لَقَوْلٌ رُّسُولٍ كَرِيمٍ وَمَا
 هُوَ بِقَوْلٍ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا
 تَوَمَّنُونَ (الحاقہ- ۲)

میں نے کہا یہ تو کاہن ہے۔ میرے دل کی بات جان گیا ہے، اس کے بعد ہی یہ آیت پڑھی۔

وَلَا يَقُولُ كَاهِنٌ قَلِيلًا مَّا
 تَذَكَّرُونَ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ
 الْعَالَمِينَ (الحاقہ ۱-۲)

یہ روایت دیکھی کہ اس کو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا۔

اس کے علاوہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمرؓ کی زبانی یہ روایت ہے کہ بعثت سے کچھ پہلے یا اس کے

بعد ہی وہ ایک بت خانہ میں سوئے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک بُت پر ایک قربانی چڑھائی گئی اور

اس کے اندر سے آواز آئی اے طلح ایک فصیح البیان کتبا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اس آواز کا

سہ دارطینی باب الطہارۃ القرآن سہ مستدرک حاکم ج ۴ ص ۵۹ سہ میزان الاعتدال تذکرہ قاسم بن عثمان بصری

سہ کثیر العمل فضائل عمرین خطاب۔ سہ مسند ابن جنبل ج ۱ ص ۱۷

سننا تھا کہ لوگ جھاگ کھڑے ہوئے، لیکن میں کھڑا رہا کہ دیکھوں اس کے بعد کیا ہوتا ہے کہ پھر وہی آواز آئی۔ اس واقعہ پر تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ لوگوں میں یہ چرچا ہوا کہ یہ نبی ہیں بلکہ اس روایت میں اس کا بیان نہیں ہے کہ اس آواز کا حضرت عمرؓ پر کیا اثر ہوا۔

پہلی عام روایت بھی اگر صحیح مان لی جائے تو شاید واقعہ کی ترتیب یہ ہوگی کہ اس نلٹے غیب پر حضرت عمرؓ نے بیک نہیں کیا، اور اس کا کوئی تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت سے وہ نہ پیدا کر سکے کہ اس میں ان کی رسالت اور نبوت کا کوئی ذکر نہ تھا، تاہم چونکہ توحید کا ذکر تھا، اس لیے ادھر میلان ہوا ہوگا، لیکن چونکہ ان کو قرآن سننے کا موقع نہیں ملا اس لیے اس نتیجہ کی دعوت کی حقیقت نہ معلوم ہو سکی، اس کے بعد جب انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ الحاقہ جس میں قیامت اور مشرکوں کی نہایت موثر بیان ہے، نماز میں پڑھتے سنی تو ان کے دل پر ایک خاص اثر ہوا۔ جیسا کہ ان کے اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے۔ دقع الا سلام فی قلبی کلی موقع یعنی اسلام میرے دل میں پوری طرح بیٹھ گیا، تاہم چونکہ وہ طبعاً مستقل مزاج اور پختہ کار تھے، اس لیے انھوں نے اسلام کا اعلان نہیں کیا، بلکہ اس اثر کو شاید وہ روکتے رہے، لیکن اس کے بعد جب ان کی بہن کا واقعہ پیش آیا، اور سورہ طہ پر نظر پڑی جس میں توحید کی نہایت موثر دعوت ہے، تو دل پر قابو نہ رہا، اور بے اختیار کلمہ توحید پکار اٹھے، اور واقعہ پر صلحی کی درخواست کی اور اگر وہ پہلی روایت صحیح تسلیم نہ کی جائے تو واقعہ کی سادہ صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس نلٹے غیب نے ان کے دل میں توحید کا نیاں پیدا کیا، لیکن چونکہ تین برس دعوت محدود اور مختصری رہی تھی۔ اس لیے ان کو اس کا حال نہ معلوم ہو سکا، اور مخالفت کی شدت کے باعث کبھی خود بارگاہ نبویؐ میں جانے اور قرآن سننے کا موقع نہ ملا۔ پھر جب رفتہ رفتہ اسلام کی حقیقت کی مختلف آوازیں ان کے کانوں میں پڑتی گئیں، تو ان کی شدت کم ہوتی گئی۔ بالآخر وہ دن آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ان کو سورہ الحاقہ سننے کا موقع ملا، اور وہ بیکہ کہتے ہوئے اسلام کے آستانہ پر حاضر ہو گئے۔

زمانہ اسلام | عام مؤرخین اور ارباب سیر نے حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کا زمانہ کہہ کر نبویؐ

مقرر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ آپ چالیسویں مسلمان تھے، آج کل کے ایک نوجوان خوش فہم صاحب قلم نے تمام گزشتہ روایات کو ایک سرے سے ناقابل التفات قرار دے کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نہایت قدیم الاسلام تھے شاید مقصود یہ ہو کہ حضرت ابو بکرؓ وغیرہ کے بعد ہی ان کا شمار ہو، اس مقصد کے لیے انھوں نے تنہا بخاری کو مسترد قرار دیا ہے چنانچہ حضرت عمرؓ کے اسلام کی تیسریں وہ لکھتے ہیں کہ:

۱۰ اسی فطرت سلیمہ کی بنا پر ان کو دین محمدؐ کو اسلام سے ہمدردی پیدا ہوئی، چنانچہ ان کی ہمیشہ اور سعید بن زید نے اسلام قبول کیا، تو گو وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے تاہم لوگوں کو اسلام پر قائم رہنے کی تاکید کرتے تھے۔ چنانچہ سعید نے اس واقعہ کو ایک موقع پر بیان کیا ہے۔

کان عمر بن الخطاب یعنی حضرت عمرؓ کو اور انچاہن کو
 یقیم علی الاسلام انا اسلام پر مضبوط کرتے تھے حالانکہ
 واختہ وما اسلم خود نہیں اسلام لائے تھے۔ لہ

اس حدیث میں اپنے موافق مطلب تحریر کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ ۱۔

۲ اس حدیث کا بعض لوگوں نے اور بھی مطلب بیان کیا ہے اور قسطلانی نے اسکی تردید کی ہے۔ لہ
 اس کے بعد بت خانہ میں ندائے غیب سننے کے واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

پہلی حدیث سے حضرت عمرؓ کی اسلام کے ساتھ ہمدردی اور دوسری میں ہاتھ غیب کی آواز
 سننے کا ذکر ہے۔ ان دونوں باتوں کو ملا کر انھوں نے فوراً حضرت عمرؓ کے آغاز اسلام ہی میں مسلمان
 ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیا، اور اسی واقعہ کو ان کے فوری اسلام کا سبب قرار دے دیا۔ اس کے بعد ایک
 اور شہادت پر مصنف کی نظر پڑی کہ مرض الموت میں ایک نوجوان نے حضرت عمرؓ کے سامنے یہ الفاظ کہے کہ ۱۔
 و اے امیر المؤمنین! خلتے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور سبقت کے
 ذریعہ سے (جس کو آپ جانتے ہیں) جو بشارت دی ہے اس سے آپ خوش ہوں۔ لہ
 اس قدر شواہد اور اتنے دلائل کے بعد فاضل مصنف ناگزیر سے داہطلب ہیں کہ ۱۔
 ۲ ایک طرف تو صحیح بخاری کی مستند روایات ہیں جو حضرت عمرؓ کی فطری سلامت روی

۱۰ یہ الصحاح ۳۲۶ لہ ایضاً ص ۳۲۶ لہ اس سے مراد وہ روایات ہیں جو حدیث دیر کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

اور تہ پرستی کو ظاہر کرتی ہیں۔ دوسری طرف مزخرفات کا یہ دفتر ہے پایاں ہے جو ان میں گزشتہ اوصاف سے متعارض صفات تسلیم کرتا ہے، ناظرین انصاف کریں کہ ان میں سے کس کو صحیح تسلیم کیا جائے۔

انسوس مصنف کو دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی متعدد مسامحات میں گرفتار ہونا پڑا ہے۔ ہم ناظرین کو مصنف کے ابتدائی دلائل کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

مصنف نے سب سے پہلے اسلام کے ساتھ حضرت عمرؓ کی ہمدردی میں سید بن زید کی یہ

روایت پیش کی ہے۔

Kitabosunnat.Com

کان عمر بن الخطاب یقیم علی
یعنی حضرت عمرؓ کو اور اپنی بہن کو اسلام پر مضبوط

الاسلاما مانا واختہ دما اسلام کرتے تھے جلالہ خود مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

اس کے بعد کہتے ہیں کہ اس حدیث کا بعض لوگوں نے ایک اور مطلب بھی بیان کیا ہے، اور

تسطلانی نے اس کو تزیہ ہے، یہاں پر مصنف نے اپنا مطلب ثابت کرنے کے لیے بڑی جسارت سے کام

لیا ہے، اول تو حدیث کے لفظ میں مزیح تحریف کی ہے، اور تحریف بھی ادب عربی کے خلاف کی

ہے، پھر حدیث میں یقیم کے بجائے "موتقی" ہے جس کے معنی باندھنے کے ہیں نہ کہ مضبوط کرنے

اور قائم رکھنے کے۔ یہ عربی کا محاورہ ہے اور قسطلانی نے باندھنے کے معنی لیے ہیں اور مصنف

کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قسطلانی سے مصنف کے بیان کردہ معنی کی تائید ہوتی ہے۔ جلالہ

یہ سراسر غلط ہے۔ ہذا بہتان عظیم۔ چنانچہ قسطلانی کے الفاظ یہ ہیں۔ لہ یجمل او قد کلا سیر

تصدیقاً و اہانتاً، یعنی موثقی سے مراد رسی یا تمہ سے قیدی کی طرح ٹنگ کرنے اور ذلیل کرنے

کے لیے باندھنا ہے، البتہ قسطلانی نے مصنف کے اختیار کردہ غلط معنی کی تردید کی ہے، جس کو

بعض خوش فہموں نے اختیار کرنا چاہا تھا۔

دوسری حدیث جو مصنف نے حضرت عمرؓ کے اسلام کے باب میں پیش کی ہے۔ یعنی ہاتف غیب

کی آواز۔ اس روایت میں کوئی ایسا فقرہ نہیں ہے۔ جس سے ظاہر ہو کہ حضرت عمرؓ کو سن کر

متاثر ہوئے اور فوراً اسلام لے آئے، اس قصہ کے آخر میں یہ صفت مذکور ہے کہ اس کے بعد

لہ بخاری باب اسلام ثم لہ بخاری ج اباب اسلام سید بن زید اسلام ثم لہ قسطلانی جلد ۶ ص ۲۱۳

تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا شہرہ ہوا، اس لیے یہ بالکل ہی آغاز اسلام کا واقعہ ہوگا، اگر اسی وقت حضرت عمرؓ کا اسلام لانا ثابت ہو جائے تو اس سے یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ولادت سے پہلے ہی آپ مسلمان ہو چکے تھے جو قطعی غلط ہے، جیسا کہ آگے ثابت ہوگا۔

آئیے اب ہم صحیح بخاری ہی کے ارشادات پر چل کر حضرت عمرؓ کے اسلام کی تاریخ تلاش کریں۔ حضرت عمرؓ کے اسلام کے واقعہ کے بیان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے یہ الفاظ بخاری میں ہیں۔

حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو اپنے گامبر پر اپونگ مشرکین کی کثرت ان کے مکان پر جمع ہو گئے اور کہنے لگے

صبا، عمر بن دین ہو گئے حضرت عمرؓ کو فرود گھر کے اندر اور یہ مکان کی چھت پر تھا۔

اس روایت سے ظاہر کہ حضرت عمرؓ کے اسلام کے وقت نہ صرف یہ کہ وہ پیدا ہو چکے تھے، بلکہ سن تمیز کے اس درجہ پر پہنچ چکے تھے کہ ان کو لڑکپن کے واقعات و صاحت سے یاد رہ گئے اور حضرت عمرؓ اس کا شاہد ہے کہ ۵-۶ سال کا بچہ واقعات کو اس طرح سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ آگے چلے

۳۳ یعنی بعثت کے سو لہویں سال غزوہ احد ہوا۔ بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۱۲ سال تھی۔ اس لیے خود رسال بچوں کے ساتھ چھانٹ دیئے گئے تھے، اور مجاہدین میں نہیں لیے گئے۔ ۳۳ اس حساب سے بعثت کے دو سال بعد آپ کی پیدائش مانتی پڑے گی، اور کم از کم پانچ سال کی عمر واقعات محفوظ رہنے کے لیے مانتی ہوگی، تو پانچ سال یا دو سال بعد بعثت کے کل سات سال ہو جاتے ہیں۔ لہذا خود صحیح بخاری کی تائید سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا زمانہ اسلام سنہ بعثت ہوگا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ ناقص غیب کی آواز سننے کے سات بعد اسلام لائے۔

حضرت عمرؓ کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہو گیا، اس وقت تک چالیس یا اس سے کچھ کم و بیش آدمی دائرۃ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ لیکن وہ نہایت بے بسی و مجبوری کے عالم میں تھے۔ علانیہ فرائض مذہبی ادا کرنا تو درکنار اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا بھی خطرہ سے خالی نہ تھا، اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمرؓ کے

صحیح بخاری اسلام ہر سنہ بخاری باب غزوہ الخندق۔

اسلام لانے سے دفعۃً حالت بدل گئی، انھوں نے علانیہ اپنے اسلام کا اظہار کیا صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مشرکین کو جمع کر کے باواؤں بندہ اپنا میمان کا اعلان کیا مشرکین نہایت برا فرد خستہ ہوئے لیکن عاص بن داؤد نے جو رشتہ میں حضرت عمرؓ کے ماموں تھے۔ ان کا اپنی پناہ میں لے لیا حضرت عمرؓ قبل اسلام سے پہلے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کی منگولیت کا تماشا دیکھتے تھے۔ اس لیے شوق مساوات نے اسے پسند نہ کیا کہ وہ اسلام کی نعمت سے مستمتع ہونے کے بعد عاص بن داؤد کی حمایت کے سہارے اس کے نتائج سے محفوظ رہیں، اس لیے انھوں نے پناہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور برابر ثبات و استقلال کے ساتھ مشرکین کا مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔ ۱۷

یہ پہلا موقع تھا کہ حق، باطل کے مقابلہ میں سر بلند ہوا، اور حضرت عمرؓ کو اس صلہ میں دربار نبوت سے فاروق کا لقب مرحمت ہوا۔

ہجرت | مکہ میں جس قدر مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اسی قدر مشرکین قریش کے بغض و عناد میں بھی ترقی پاتی گئی اگر پہلے وہ صرف فطری خونخواری اور جوش مذہبی کی بنا پر مسلمانوں کو اذیت پہنچاتے تھے، تو اب انھیں سیاسی مصالحت نے مسلمانوں کے کامل استیصال پر آمادہ کر دیا تھا۔ بچ یہ ہے کہ اگر بلا کشان اسلام میں غیر معمولی جوش، ثبات اور وارفتگی کا مادہ نہ ہو جاتا تو ایمان پر ثبات قدم رہنا غیر ممکن تھا۔

حضرت عمرؓ نے نبوی میں اسلام لائے تھے اور کلمہ نبوی میں ہجرت ہوئی، اس طرح کو یا انھوں نے اسلام لانے کے بعد تقریباً ۶۔۷ برس تک قریش کے مظالم برداشت کیے۔ جب مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کی اجازت ملی، تو حضرت عمرؓ بھی اس سفر کے لیے آمادہ ہوئے اور بارگاہ نبوت سے اجازت لے کر چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس شان کے ساتھ روانہ ہوئے کہ پہلے مسلح ہو کر مشرکین کے جموں سے گذرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچنے نہایت اطمینان سے طواف کیا، نماز پڑھی، پھر مشرکین سے مخالف ہو کر کہا کہ جس مقابلہ کرنا ہو وہ مکہ سے باہر نکل کر مقابلہ کئے، لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی، اور وہ مدینہ روانہ ہو گئے۔ ۱۸

حضرت عمرؓ مدینہ پہنچ کر تباہی رفاء بن عبدالمزکز کے مہمان ہوئے، تباہی کا دوسرا نام حوالی

ہے چنانچہ صحیح مسلم میں ان کی فرود گاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے۔ حضرت عمرؓ کے بعد اکثر صحابہ نے ہجرت کی۔ یہاں تک کہ سلسلہ میں خود آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکہ کی گھاٹیوں سے مکمل کر مدینہ کے اُفتے سے ضوا لگن ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد عربیہ الوطن مہاجرین کے رہنے سہنے کا اس طرح انتظام فرمایا کہ ان میں اور انصار میں برادری قائم کر دی۔ اس موقع پر انصار نے عدیم النظیر اشارے سے کام لے کر اپنے مہاجر بھائیوں کو تمام مال و اسباب میں نصف کا شریک بنا لیا، اس رشتہ کے قائم کرنے میں درجہ و مراتب کا خاص طور پر خیال رکھا گیا تھا۔ یعنی جو مہاجر جس رتبہ کا تھا اسی حیثیت کے انصار ہی جیسے ان کی برادری قائم کی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے برادر اسلامی حضرت عثمان بن مالک قرار پائے تھے۔ جو قبیلہ بنی سالم کے معزز رئیس تھے۔

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا۔ بلکہ اب آزادی اور اطمینان کا دور تھا، اور اس کا دقت آگیا تھا کہ زرائع و ارکان محدود اور معین کیے جائیں۔ نیز مسلمانوں کی تعداد وسیع تر ہوتی جاتی تھی، اور وہ دھڑ دھڑ کے محلوں میں آباد ہونے لگے تھے۔ اس بنا پر شدید مزدت تھی کہ اعلان نماز کا کوئی طریقہ متعین کیا جائے۔ چنانچہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اسی کا انتظام کرنا چاہا۔ بعض صحابہ کی رائے ہوئی، کہ آگ جلا کر لوگوں کو خیر کی جائے، بعض کا خیال تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح بلوق و ناقوس سے کام لیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کے لیے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے پسند آئی، اور اسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا گیا۔ اس طرح اسلام کا ایک شاعر اعظم حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا۔ ملہ جس سے تمام عالم قیامت تک دن اور رات میں پانچ وقت توحید و رسالت کے اعلان سے گونجتا رہے گا۔

غزوات و دیگر حالات

مدینہ میں سب سے پہلا معرکہ بدر کا پیش آیا۔ حضرت عمرؓ اس معرکہ میں رائے تدریجاً بیان بازی اور پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو رہے۔ عاص بن ہشام ابن مغیرہ جو رشتہ میں ان کا ماموں ہوتا تھا، خود ان کے خنجر خارا شگات سے واصل جہنم ہوا۔ یہ بات حضرت عمرؓ کے خصوصیات میں سے ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں قرابت و محبت کے تعلقات سے مطلقاً تشریح نہیں ہوتے تھے۔ آپ کے ہاتھوں عاص کا قتل اس کی روشن مثال ہے۔

بدر کا میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ غنیم کے کم و بیش ستر آدمی مارے گئے، اور تقریباً اسی قدر گرفتار ہوئے۔ چونکہ ان میں سے قریش کے اکثر بڑے بڑے معزز سردار تھے، اس لیے یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہؓ سے رائے لی۔ لوگوں نے مختلف رائےیں دیں۔ حضرت ابو بکرؓ کی رائے ہوئی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا، اور کہا کہ ان سب کو قتل کر دینا چاہیے، اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے عزیز کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرے۔ علیؓ عقل کی گردن مارا، اور فرمایا جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کروں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت نے حضرت ابو بکرؓ کی پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ بارگاہِ الہی میں یہ چیز پسند نہ آئی اس پر عتاب ہوا، اور یہ آیت نازل ہوئی:-

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونُ لَهُ
أَسْرَى لِحَيَاتِهِ نَبِيٍّ فِي الْأَغْرَابِ
کسی پیغمبر کیلئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں تنگ وہ خوہری نہ کرے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ نے گریہ و زاری کی۔

واقعہ بدر کے بعد خود مدینہ کے یہودیوں سے لڑائی ہوئی، اور ان کو جلا وطن کیا گیا۔ اسی طرح غزوہ سویق اور دوسرے چھوٹے چھوٹے معرکہ پیش آئے۔ سب میں حضرت عمرؓ سرگرم بہکار رہے۔ یہاں تک سوال سلسلہ میں احمد کا معرکہ پیش آیا۔ اس میں ایک طرف تو قریش کی تعداد تین ہزار تھی، جس میں دو سو سوار اور سات سو زہرہ پوش تھے۔ ادھر غازیانِ اسلام کی کل تعداد سات

۱۰۰۰ ابن جریر ص ۵۹، استیعاب ترجمہ عمرؓ الخصاب ۱۰۰، صحیح مسلم کتاب الجہاد الیتراب الملک الملک فی غزوہ بدر الخ انعام

تھی، جس میں سوزہ پوش اور دو سوار تھے۔ ۷ شوال ہفتہ کے دن طائی شروع ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جبیر کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ فوج کے عقب میں متعین کر دیا تھا کہ ادھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں۔

مسلمانوں نے غنیم کی صفیں تہہ وبالا کر دیں۔ کفار شکست کھا کر بھاگے۔ اور غزویان دین مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ تیر اندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ختم ہو چکا ہے۔ اس خیال سے وہ بھی مصروف ہو گئے۔ تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ خالد بن ولید نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، دفتر عقب سے زور و شور کے ساتھ حملہ کر دیا۔ مسلمان چونکہ فائل تھے۔ ایسے اس نگہبانی ریلے کو روک دے کہ یہاں تک کہ کفائے خود اہل اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر یورش کر دی، اور اس قدر تیروں اور پتھروں کی بارش کی آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ پیشانی پر زخم آیا، اور خساروں میں مغفکری کر ڈیا۔ جو گئیں۔ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے اور لوگوں کی نظروں سے چھپ گئے۔

جنگ کا زور شور جب کسی قدر کم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تیس فدائیوں کے ساتھ پہاڑ پر تشریف لائے۔ اسی اثناء میں خالد کو ایک دستہ فوج کے ساتھ اس طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر خدا یا یہ لوگ بیان تک نہ آنے پائیں۔ حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا۔ ۸

الوسفیان سالار قریش نے ذرہ کے قریب پہنچ کر پکارا کہ اس گروہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ الوسفیان نے پھر حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کا نام لے کر کہا، یہ دونوں اس مجمع میں ہیں، انہیں؟ اور جب کسی نے جواب نہ دیا تو بولا کہ ضرور یہ لوگ ہائے گئے۔ حضرت عمرؓ نے دریا گیا، پکار کر کہہا: اور دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں، الوسفیان نے کہا اعلیٰ ہیں یعنی اسے پہل بلند ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا، جواب دو۔ اللہ اعلیٰ واجل یعنی خدا بلند و برتر ہے۔ ۹

غزوہ احد کے بعد ۳ھ میں حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ ۱۰ھ میں بنو نضیر کو ان کی بدتمہدی کے باعث

۱۱ھ صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیرات الامداد بالملائکہ فی غزوہ بدر اباحتہ القائم ۱۱ھ مبری ص ۱۱۱

۱۲ھ مہل ایک بت کا نام تھا ۱۳ھ بخاری المغازی، غزوہ احد

مدینہ سے جلا وطن کیا گیا۔ اس واقعہ میں بھی حضرت عمرؓ شریک رہے۔ ۱۰ھ میں غزوہ خندق پیش آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر خندق تیار کرائی۔ دس ہزار کفار نے خندق کا محاصرہ کیا۔ وہ لوگ کبھی کبھی خندق میں گھس کر حملہ کرتے تھے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے ادھر ادھر کچھ کچھ فاصلے پر اکابر صحابہ کو مستعین فرمادیا تھا، کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائیں۔ ایک حصہ پر حضرت عمرؓ مستعین تھے۔ چنانچہ یہاں پر ان کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے۔ ایک دن کافروں کے مقابلہ میں ان کو اس قدر مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوئے رہ گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کی کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی تھیں۔ کابل ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد مسلمانوں کے خیانت و استقلال کے آگے کافروں کے پاؤں اکھڑ گئے، اور یہ میدان بھی غازیوں کے ہاتھ رہا۔

۱۱ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا، اور اس خیال سے کہ کسی کو لڑائی کا شبہ نہ ہو، حکم دیا کہ کوئی ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔ فدائے حلیفہ پہنچ کر حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ دشمنوں میں غیر مسلح چلنا مصلحت نہیں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے کے موافق مدینہ سے اسلحہ منگوا لیا۔ مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لڑنا مقصود نہیں تھا اس لیے مصالحت کے خیال سے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا قریش نے ان کو روک رکھا، جب کئی دن گزر گئے تو یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سن کر صحابہؓ سے جو تعداد میں جو وہ سوتھے، ایک درخت کے پتے جہاد پر بیعت لی۔ چنانچہ قرآن مجید کی اس آیت میں لَعَدُّ رَبِّي
الْمُتَابِعِينَ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يَسْأَلُونَكَ عَنِ النَّجْدِ أَسَىٰ وَقَعَةٍ لَّكَ أَشْجَىٰ ۖ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ۱۱ھ حضرت عمرؓ نے بیعت سے پہلے ہی لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی، ہتھیار راج رہے تھے کہ خبر ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیعت لے رہے ہیں۔ اسی وقت بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور جہاد کے لیے دست اقدس پر بیعت کی تھیں۔

قریش مضر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے، آخر پرے

۱۱ھ بخاری کتاب الصلوٰۃ باب مواقیع الصلوٰۃ ۱۵ سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۶۶ ۱۱ھ بخاری کتاب المغازی غزوہ بدر

رد و قدح کے بعد ایک معاہدہ پر طرفین رضامند ہو گئے۔ اس معاہدہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں چلا جائے تو اس کو قریش کے پاس واپس کھٹا جائے گا، لیکن اگر مسلمانوں کا کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے ان کو واپس نہ کرنے کا اختیار ہوگا۔ حضرت عمرؓ کی غیر طبیعت اس شرط سے نہایت مضطرب ہوئی اور خود سر در کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ جب ہم حق پر ہیں تو باطل سے اس قدر بے گرم کیوں صلح کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں خدا کا پیغمبر ہوں، اور خدا کے حکم کے عملات نہیں کرتا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ سے بھی یہی گفتگو کی، انھوں نے بھی یہی جواب دیا۔ بعد کو حضرت عمرؓ کو اپنی گفتگو پر علامت ہوئی اور اس کے کفارے میں کچھ خیرات کی گئیں۔

غرض معاہدہ لکھا گیا، حضرت عمرؓ نے بھی اس پر اپنے دستخط ثبت کیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا قصد کیا۔ راہ میں سورہ انا فتحنا انک فتحنا امیناً نازل ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلا کر نیا اور فرمایا کہ آج ایسی سورہ نازل ہوئی ہے جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اس میں واقعہ خیبر پیش آیا۔ یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے۔ بن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا۔ پہلے حضرت ابو بکرؓ سے لار ہوئے، ان کے بعد حضرت عمرؓ اس خدمت پر مامور ہوئے لیکن یہ نعر حضرت علیؓ کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔ چنانچہ آخر میں جب آپ کو حکم مرحمت ہوا تو آپ کے ہاتھوں خیبر کا ریس مارا گیا۔ اور خیبر مفتوح ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین مجاہدوں کو تقسیم کر دی۔ چنانچہ ایک حکم نامہ حضرت عمرؓ کے حصہ میں آیا۔ انھوں نے اس کو راہِ خدا میں وقف کر دیا۔ اسے اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا، خیبر کے بعد قریش نے اس کو توڑ دیا۔ ابوسفیان نے پیش بندی کے خیال سے مدینہ آ کر عند خواہی کی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ اس لیے وہ اٹھ کر حضرت ابو بکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس گیا کہ وہ اس معاملہ کو نلے کر ادریں۔ حضرت عمرؓ نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل ناامید ہو گیا۔ غرض ناقص عہد کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رمضان ۳ھ میں

۱۔ مجلدی کتاب الشرف فی الجہاد والمعالمۃ مع اہل الحرب۔ ۲۔ ایضاً کتاب التقریر سورہ فتح۔ ۳۔ کتاب الوصایا۔

کہ کا قصد فرمایا، قریش میں مقابلہ کی حالت نہ تھی، اس لیے انھوں نے کوئی مزاحمت نہ کی، اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت جاہ و جلال کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اور باپ کعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ تقریر کی، جو تاریخوں میں بعینہ مذکور ہے۔ پھر حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر مقام صفارہ لوگوں سے بیعت لینے کے لیے تشریف لائے، لوگ جوق در جوق آتے تھے، اور بیعت کرتے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب لیکن کسی قدم نیچے بیٹھے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیگانہ عورتوں کے ہاتھ مس نہیں کرتے تھے، اس لیے جب عورتوں کی باری آئی تو آپ نے حضرت عمرؓ کو اشارہ کیا کہ تم ان سے بیعت لو۔ چنانچہ تمام عورتوں نے ان ہی کے ہاتھ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔

فتح مکہ کے بعد اسی سال ہوادن کی لڑائی پیش آئی، جو غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت عمرؓ اس جنگ میں بھی نہایت نہایت قدمی اور بہامروی کے ساتھ شریک کارزار رہے۔ پھر سردار میں یہ خیر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو تیاری کا حکم دیا، اور جنگی تیاریوں کے لیے زرہ و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی۔ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی زمینیں پیش کیں۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اپنے تمام مال و املاک کا آدھا حصہ لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ صلحہ اسلمہ اور سامان رسد مہیا ہو جانے کے بعد مجاہدین نے مقام تبوک کا رخ کیا، یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ خیر غلط تھی، اس لیے چند روز قیام کے بعد سب لوگ واپس آ گئے۔

سنہ ۶ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت عمرؓ بھی مکہ تھے، اس حج سے واپس آنے کے بعد ایتنا ماہ ربیع الاول دوشنبہ کے دن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے، اور دس روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاول، دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت آپ کا وصال ہو گیا۔ امام روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے از خود رزق نہ ہو کر مسجد نبویؐ میں اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت نے وفات پائی، اس کو قتل کر ڈالوں گا، شاید اس میں یہ بھی مصلحت ہو کہ منافقین کو فتنہ پر وازی کا موقع نہ ملے، پھر بھی فتنہ مستقیماً نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ پڑے۔

لے ترمذی فضائل ابی بکرؓ مین ترمذی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر یہ رقم پیش کی تھی۔ البتہ سیر و تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے۔

کھڑا ہی ہو گیا۔ اگر حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ وقت پر پہنچ کر اپنے ناخن مقل سے اس گتھی کو نہ سلجھاتے تو کیا عجب تھا کہ یہی فتنہ سنیع اسلام کو ہمیشہ کے لیے گل کر دیتا، لیکن انصار کے ساتھ بحث و مباحثہ کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس کے بعد لوگوں نے بیعت کی۔ لہ

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت صرف سوا دس برس رہی۔ ان کے عہد میں جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے، سب میں حضرت عمرؓ شریک رہے۔ قرآن شریف کی تدوین کا کام خاص ان کے مشورہ اور اصرار سے عمل میں آیا۔ عرض حضرت ابو بکرؓ کو اپنے عہد خلافت میں تجربہ ہو چکا تھا کہ منصب خلافت کے لیے عمر فاروقؓ سے زیادہ کوئی شخص موزوں نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انھوں نے وفات کے قریب اکابر صحابہ سے مشورہ کے بعد ان کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا، اور آئندہ کے لیے مفید اور موثر نصیحتیں کیں، جو حضرت عمرؓ کے لیے نہایت عمدہ دستوار العمل ثابت ہوئیں۔

لہ بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکرؓ لہ بخاری کتاب ادواب فضائل القرآن باب جمع القرآن -

خلافت اور فتوحات

حضرت ابو بکر نے تریسٹھ برس کی عمر میں اواخرِ جمادی الثانی دو شنبہ کے روز وفات پائی، اور حضرت عمر فاروق مسند آرائے خلافت ہوئے۔ خلیفہ سابق کے عہد میں مدعیانِ نبوت، مرتدینِ مکرر اور منکرینِ زکوٰۃ کا خاتمہ ہو کر فتوحاتِ ملکی کا آغاز ہو چکا تھا، یعنی سلاطین میں عراق پر لشکر کشی ہوتی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے۔ اسی طرح سلاطین میں شام پر حملہ ہوا، اور اسلامی فوجیں سرحدی اضلاع میں پھیل گئیں، ان مہمات کا آغاز ہی تھا کہ خلیفہ وقت نے انتقال کیا۔ حضرت عمرؓ نے عمانِ حکومت ہاتھ میں لی، تو ان کا سب سے اہم فرض ان ہی مہمات کو تکمیل تک پہنچانا تھا۔

فتوحاتِ عراق | سیرتِ صدیقؓ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکا ہے کہ عراق پر حملے کا وجود اسباب تھے، اور کس طرح اس کی ابتدا ہوئی۔ یہاں سلسلہ کے لیے مختصراً اس قدر بیان لینا چاہیے کہ خالد بن ولیدؓ باقیہا، کسک اور حیرہ کے اضلاع کو فتح کر چکے تھے کہ حضرت ابو بکرؓ کے حکم سے شعیب بن حارثہ کو اپنا جانشین کر کے مہم شام کی امانت کے لیے ان کو شام جانا پڑا حضرت خالد بن ولیدؓ کا جانا تھا کہ عراق کی فتوحات دفعۃً رک گئیں۔

حضرت عمرؓ نے خلیفہ خلافت ہوئے تو سب سے پہلے مہم عراق کی طرف متوجہ ہوئے۔ بیعتِ خلافت کے لیے عرب کے مختلف حصوں سے بے شمار آدمی آئے تھے اس موقع کو عقیدت سمجھ کر مجمع عام میں آپ نے جہاد کا وعظ کیا، لیکن چونکہ عام خیال تھا کہ عراق فارس کا پایہ تخت ہے اور اس کا فتح ہونا نہایت دشوار ہے، اس لیے ہر طرف سے صدائے برنجاست کا معاملہ رہا حضرت عمرؓ نے کئی دن وعظ کیا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر چوتھے روز ایسی پر جوش تقریر کی کہ حاضرین کے دل دہل گئے۔ شعیبؓ اشیبانی نے کہا کہ، مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزمایا ہے، وہ سرد میدان نہیں ہیں ہم نے عراق کے بڑے بڑے اضلاع فتح کر لیے ہیں اور عجیب اب ہمارا لوہا مان گئے ہیں۔ اسی طرح قیسؓ ثقیف کے سردار ابو عبیدہ ثقیفی نے جوش میں آ کر کہا، "ان اھلنا" یعنی اس کے لیے میں ہوں۔ ابو عبیدہ کی بیعت نے تمام حاضرین کو گرا دیا اور ہر طرف سے آوازیں اٹھیں کہ ہم بھی حاضر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ اور اس کے مضافات سے ایک ہزار اور دوسری روایت

کے مطابق پانچ ہزار آدمی انتخاب کیے اور ابو عبیدہ کو سپہ سالار مقرر کر کے روانہ کیا،

حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا، اس نے ایرانیوں کو میدا کر دیا تھا، چنانچہ پورے
دخت نے جو صغیر السن نیرگرد شاہ ایران کی متولیہ تھی، فرخ زاد کو زرخراسان کے بیٹے رستم کو جو
نہایت شجاع اور مذہب تھا، دربار میں طلب کر کے نذیر جنگ بنا یا اور تمام اہل فارس کو اتحاد و اتفاق
پر آمادہ کیا، نیر مذہبی جمیت کا جوش و لاکرشی روح پیدا کر دی۔ اس طرح دولت کیانی نے
پھر وہی قوت پیدا کر لی جو ہمزاد سپوز کے زمانہ میں اس کو حاصل تھی۔

رستم نے ابو عبیدہ کے پیچھے سے پہلے ہی اضلاع فرات میں غدر کر دیا، اور جو مقامات مسلمانوں
نے قبضہ میں آچکے، وہ ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ پوران دخت نے ایک اور زبردست فوج رستم کی اتنا
کے لیے تیار کی، اور زرسی و جابان کو سپہ سالار مقرر کیا۔ یہ دونوں دور استوں سے روانہ ہوئے جابان
کی فوج مذاق پہنچ کر ابو عبیدہ کی فوج سے یرسریو کار ہوئے، اور یرسریو شکست کھا کر بھاگی۔
ایرانی فوج کے مشہور افسر جوشن شاہ اور مردان شاہ مارے گئے۔ جابان گرفتار ہوا، مگر اس حید
سے بچ گیا کہ جس شخص نے اس کو گرفتار کیا تھا، وہ پہنچانا نہ تھا۔ جابان نے اس سے کہا کہ میں۔
بڑھاپے میں تمہارے کس کام کا ہوں، مہارے میں دو غلام لے لو اور مجھے چھوڑ دو۔ اس نے
منظور کر لیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ یہ جابان تھا، لوگوں نے غل جچایا کہ ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہیے
لیکن ابو عبیدہ نے کہا کہ اسلام میں بد عہدی جائز نہیں۔

ابو عبیدہ نے جابان کو شکست دینے کے بعد تقابلہ میں زرسی کی فوج گراں کو بھی شکست
دی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ قریب جو اس کے تمام رُوس خود بخود مطیع ہو گئے۔ زرسی و جابان کی ہزیمت سن
کر رستم نے مردان شاہ کو چار ہزار کی جمیت کے ساتھ ابو عبیدہ کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ ابو عبیدہ نے فوجی
افسروں کے شدید اختلاف کے باوجود فرات سے پارا ترک غنیم سے نبرد آزما کی۔ چونکہ اس پار کا میدان
سنگ اور نامبور تھا، نیز عربی دلاڑوں کے لیے ایران کے کوہ پیکر ہا معتقوں سے یہ پہلا مقابلہ تھا اس
لیے مسلمانوں کو سخت ہزیمت ہوئی، اور نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار باقی بچی۔

حضرت عمرؓ کو اس شکست نے نہایت برا فروعہ کیا، انھوں نے اپنے پُر جوش غلیلوں سے
تمام قبائل عرب میں آگ لگادی۔ ان کے جوش کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عمرو نخلب کے

سرداروں نے جو مذہباً عیسائی تھے، اپنے قبائل کے مسلمانوں کے ساتھ شرکت کی۔ اور کہا کہ آج عمرؓ کے علم کا مقابلہ ہے اس قومی محرک میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں۔ عرض حضرت عمرؓ نے ایک فوج گواں کے ساتھ جرینہ جلی کو میدانِ رزم کی طرف روانہ کیا۔ یہاں مثنیٰ نے بھی سرحد کے عربی قبائل کو جوش دلا کر ایک زبردست فوج تیار کر لی تھی۔

پوران وخت نے ان تیاریوں کا حال سنا تو اپنی فوج خاصہ میں سے بارہ ہزار جنگ آزما مہتمم کر کے مہران بن مہرود کے ساتھ مجاہدین کے مقابلہ کے لیے روانہ کیے۔ حیرہ کے قریب دونوں حریف صف آرا ہوئے۔ ایک شدید جنگ کے بعد مجاہدین میں بھگڑ پڑ گئی۔ مہران بن مہرود غلبہ کے ایک نوجوان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مثنیٰ نے پل کار راستہ رد کر دیا، اور اتنے آدمیوں کو تہ تیغ کیا کہ گشتوں کے پتے لگ گئے۔ اس فتح کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقوں میں پھیل گئے۔

حیرہ کے کچھ فاصلہ پر جہاں آج بغداد آباد ہے، وہاں اسی زمانہ میں بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ مثنیٰ نے عین بازار کے دن حمل کیا۔ بازاری جان بچا کر بھاگے، اور بے شمار دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ اس طرح قریب چوار کے مقامات میں مسلمانوں کی پیش قدمی شروع ہو گئی، سواد، کسک، صرہ اور فلایج وغیرہ پر اسلامی پھریرا لہانے لگا۔ پایہ تخت ایران میں یہ خیر پہنچیں تو ایرانی قوم میں بڑا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ حکومت کا نظام بالکل بدل دیا گیا، پوران وخت معزول کی گئی۔ یزدگرد جو سولہ سالہ نوجوان اور خاندانِ کیانی کا تہاوار تھا، تخت سلطنت پر بیٹھا دیا گیا۔ اعیان و اکابر ملک نے باہم متفق و متحد ہو کر کام کرنے کا ارادہ کیا۔ تمام قلعے اور فوجی جہازیں متحکم کوڑی گئیں، اسی کے ساتھ کوشش کی گئی کہ مسلمانوں کے مفروضہ مقامات میں بغاوتیں پھیلانے جائے۔ ان انتظامات سے سلطنت ایران میں نئی زندگی پیدا ہو گئی، اور تمام مفروضہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ مثنیٰ مجبور ہو کر عرب کی سرحد میں بہت آٹے، اور وسیع اور ضرر کے قبائل کو جو اطراف عراق میں پھیلے، ہوتے تھے ایک تاریخ معین تک حکم اسلامی کے پیچھے جمع ہونے کے لیے طلب کیا۔ نیز دربار خلافت کو اہل فارس کی تیاریوں سے مفصل طور پر مطلع کیا۔

حضرت عمرؓ نے ایرانیوں کی تیاری کا حال سن کر حضرت سعد بن ابی وقاص کو جو بڑے زہد کے صحابہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے، بیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مہم عراق کی قیام پر مامور کیا۔ اس فوج کی اہمیت کا اظہار اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں تقریباً سترہ صحابہ

تھے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ بدر میں جو ہر شجاعت دکھا چکے ہیں تین سو دو تھے جنہیں الرضوان کا شرف حاصل ہو چکا تھا، نیز اسی قدر وہ بزرگ تھے جو فتح مکہ میں موجود تھے، اور سات سو ایسے تھے جو خود صحابہ تھے، لیکن ان کی اولاد ہونے کا فخر رکھتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے شرافت پہنچ کر پڑا دیکھا، مثنیٰ آٹھ ہزار آدمیوں کے ساتھ مقام ذی قاریں میں اس عظیم الشان ملک کا انتظار کر رہے تھے کہ اس اثنا میں انکا انتقال ہو گیا ایسے انکے بھائی مثنیٰ شرافت آ کر حضرت سعد بن ابی وقاص سے ملے، اور مثنیٰ نے جو ضروری شہورے دیئے تھے ان سے بیان کیے

حضرت عمرؓ نے ایام جاہلیت میں نواح عراق کی سیاحت کی تھی، اور وہ اس سرزمین کے ہر پہرے سے واقف تھے، اس لیے انھوں نے خاص طور پر ہدایت کر دی تھی کہ فوج کا جہاں پڑاؤ ہو وہاں کے مفصل حالات لکھ کر آپ کے پاس بھیجے جائیں، چنانچہ سعد بن ابی وقاص نے اس مقام کا نقشہ، لشکر کا پھیلاؤ، فوج کا گاہ کی حالت اور درسد کی کیفیت سے ان کا اطلاع دی، اس کے جواب میں دربار خلافت سے ایک مفصل فرمان آیا، جس میں فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب اور فوج کی تقسیم کے متعلق ہدایتیں درج تھیں، اسی کے ساتھ حکم دیا گیا کہ شرافت سے بڑھ کر قادیسیہ کو میدان کارزار قرار دیں اور اس طرح مورچے جائیں کہ فارس کی زمین سامنے ہو اور عرب کا پہاڑ حفاظت کا کام دے

حضرت سعدؓ نے دربار خلافت کی ہدایت کے مطابق شرافت سے بڑھ کر قادیسیہ میں مورچہ چھایا اور نون بن مقرن کے ساتھ چودہ امور اور اثنا عشر کو منتخب کر کے دربار ایران میں سفیر بنا کر بھیجا کہ شاہ ایران اور اس کے رفقاء کو اسلام کی ترغیب دیں، لیکن جو لوگ دولت و حکومت کے نشہ میں مجھرتے، وہ ان کی بدوش عرب اور ان کے مذہب کو کب خاطر میں لاتے۔ چنانچہ سفارت گئی اور ناکام واپس آئی۔

اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سے سکوت رہا، ہر قسم ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ ساہاٹ میں پڑھا، اور زیر و زبر کی تائید کے باوجود جنگ سے جی چڑھا ہوا تھا، اور مسلمان اس پاس کے دیہات پر چڑھ چکے تھے، اور درسد کے مویشی وغیرہ حاصل کر لیتے تھے۔ جب اس حالت نے طول کھینچی تو مجبور ہو کر ہر قسم کو مقابلہ کے لیے بڑھ پڑا، ایرانی فوجیں ساہاٹ سے نکل کر قادیسیہ کے میدان میں خیمہ زن ہوئیں۔

کرسم قادیسیہ میں پہنچ کر بھی جنگ کو لانے کی کوشش کرتا رہا، اور مدتوں سفر کی آمدورفت اور زائتہ و بیباک کا سلسلہ جاری رکھا، لیکن مسلمانوں کا آشوری اور فسطعی جواب یہ ہوتا تھا کہ اگر اسلام

یاجزیہ منظور نہیں ہے تو تلوار سے فیصلہ ہوگا۔ رستم جب مصالحت کی تدبیروں سے یاقوں ہو گیا تو سخت برہم ہوا اور قسم کھا کر کہا: آفتاب کی قسم اب میں تمام عربوں کو ویران کر دوں گا۔

قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ اور غضب ناک ہو کر فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا، اور خود تمام رات

جنگی تیاریوں میں مصروف رہا۔ صبح کے وقت قادسیہ کا میدان بھی سپاہیوں سے آدمیوں کا جنگل

نظر آنے لگا جس کے پیچھے پیچھے ہاتھیوں کے کالے کالے پہاڑ عجیب خوفناک سماں پیدا کر رہے تھے

دوسری طرف مجاہدین اسلام کا لشکر جبار صف بستہ کھڑا تھا۔ اللہ اکبر کے نعروں سے جنگ شروع

ہوئی، دن بھر ہنگامہ محشر برپا رہا، شام کو جب تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف اپنے اپنے خیموں میں

والپس آئے۔ قادسیہ کا پہلا معرکہ تھا، اور عربی میں اس کو یوم الماراث کہتے ہیں۔

قادسیہ کی دوسری جنگ معرکہ اغوات کے نام سے مشہور ہے۔ اس معرکہ میں مہم شام کی چھ ہزار

فوج عین جنگ کے وقت پہنچی، اور حضرت عمرؓ کے قاصد بھی جن کے ساتھ بیش قیمت تحائف تھے

عین جنگ کے موقع پر پہنچے اور پکار کر کہا: امیر المؤمنین نے یہ انعام ان لوگوں کے لیے بھیجا ہے جو اس

کا حق ادا کریں، اس نے مسلمانوں کے جوش و خروش کو اور بھی بھڑکا دیا، تمام دن جنگ ہوتی رہی

شام تک مسلمان دہرا دہرا ایرانی دہرائے متوال مجروح ہوئے لیکن فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔

تیسرا معرکہ یوم العاص کے نام سے مشہور ہے، اس میں مسلمانوں نے سب سے پہلے کوہ پیکر یا تھیلہ

سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی، کیونکہ ایرانیوں کے مقابل میں مجاہدین اسلام کو ہمیشہ اس کالی آندھی

سے نقصان پہنچتا تھا۔ اگرچہ قفقاز نے اونٹوں پر سیاہ جھول ڈال کر اٹھی کا جواب ایجا کر لیا تھا، تاہم

یہ کالے دیو جس طرف جھک پڑتے تھے، نصف کی نصف اپس جاتی تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے

ضخمِ سلم وغیرہ پارسی نو مسلموں سے اس سیاہ بلا کے متعلق مشورہ طلب کیا، انھوں نے کہا کہ ان کی

آنکھیں اور سونڈ بیکار کر دیئے جائیں، سعد نے قفقاز، جبال اور یح کو اس خدمت پر مامور کیا۔ ان

لوگوں نے ہاتھیوں کو ترغیب میں لے لیا، اور بچھے مار مار کر آنکھیں بیکار کر دیں، قفقاز نے آگے بڑھ

کر پہلے سفید کی سونڈ پر ایسی تلوار ماری کہ مشک الگ ہو گئی، جھر جھری لے کر بھاگا، اس کا بھانٹا تھا

کہ نام ہاتھی اس کے پیچھے بولیے، اس طرح دم کے دم میں یہ سیاہ بادل چھٹ گیا۔

اب بہادروں کو حوصلہ افزائی کا موقع ملا، دن بھر ہنگامہ کارزار گرم رہا، رات کے وقت بھی

اس کا سلسلہ جاری رہا، اور اس زبرد کارنی پڑا کہ نعروں کی گرج سے زمین دھل اٹھتی تھی، اسی مناسبت سے اس رات کو لیتۃ الہریہ کہتے ہیں، رستم پاسردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا لیکن آخر فرمایا سے چور ہو کر بھاگ نکلا اور ایک نہر میں کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے۔ بلال نامی ایک مسلمان سپاہی نے تعاقب کیا، اور ٹانگیں پکڑ کر نہر سے باہر کھینچ لایا، اور توار سے کام تمام کر دیا، رستم کی زندگی کے ساتھ سلطنت ایران کی قسمت کا بھی فیصلہ ہو گیا، ایرانی سپاہیوں کے پاؤں اکھڑ گئے مسلمانوں نے درز تک تعاقب کر کے ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔

قادیسیہ کے معرکوں نے خاندان کسریٰ کی قسمت کا آخری فیصلہ کر دیا۔ فرش کا دیوانی ہمیشہ کے لیے سزگوں ہو گیا، اور اسلامی علم نہایت شان و شوکت کے ساتھ ایران کی سرزمین پر پھرانے لگا۔ مسلمانوں نے قادیسیہ سے بڑھ کر آسانی کے ساتھ بابل، کوفی، بصرہ، شیراز، خودنو شیروانی دار الحکومت مدائن پر قبضہ کر لیا۔ ایرانیوں نے مدائن سے نکل کر جلولاء کو اپنا فوجی مرکز قرار دیا، اس دوران میں رستم کے خزنداد نے حسن تدیسر سے ایک بڑی فوج جمع کر لی، سعد نے ہاشم بن عقبہ کو جلولاء کی تسخیر پر مامور کیا، جلولاء چونکہ نہایت مستحکم مقام تھا، اس لیے مہینوں کے محاصرہ کے بعد مفتوح ہوا۔ یہاں سے قفقاز کی سپردگی میں ایک جمہیت علوان کی طرف بڑھی اور خسرو و دشمنوم کو شکست دے کر شہر پر قابض ہو گیا۔

قفقاز نے سلوان میں قیام کیا، اور عام منادی کر دی کہ جزوگ اسلام یا جزیہ قبول کر لیں گے، مامون و محفوظ رہیں گے، اس منادی پر بہت سے امراء اور وساء، یرضاد وغیرت اسلام میں داخل ہو گئے یہ عراق کی آخری فتح تھی، کیونکہ یہاں اس کی حد ختم ہو جاتی ہے۔

تسخیر عراق کے بعد حضرت عمرؓ کی دلی خواہش تھی کہ جنگ کا سلسلہ منقطع ہو جائے اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ "کاش ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم ان پر چڑھ سکتے، لیکن ایرانیوں کو عراق نکل جانے کے بعد کسی طرح چین نہیں آتا تھا۔ چنانچہ یزدگرد نے معرکہ جلولاء کے بعد مرد کو مرکز بنا کر نئے سرے سے حکومت کے ٹھکانے لگائے اور تمام ملک میں فراہین و نقیب بھیج کر لوگوں کو عربوں کی متادمت پر آمادہ کیا۔

یزدگرد کے فراہین نے تمام ممالک میں آگ لگادی اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کا ٹڈی کل تم میں آکر مجتمع ہوا، یزدگرد نے مروان شاہ کو سر لشکر مقرر کر کے نہاوند کی طرف روانہ کیا، اس

معرکہ میں ورنش کا دیوانی جس کو عجم نہایت متبرک سمجھتے تھے، فال نیک کے خیال سے نکالا گیا اور جب مردان شاہ روانہ ہوا تو یہ مبارک پھر میرا اس پر سایہ کرتا جاتا تھا۔

ایرانیوں کی ان تیاریوں کا حال سن کر حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس ایرانی طوفان کو آگے بڑھنے سے روکنے کا حکم دیا۔ نہادند کے قریب دونوں فوجیں سرگرم ہیکار ہوئیں اور اس زبرد کارن پڑا کہ قادیس کے بعد ایسی خونریز جنگ کوئی نہیں ہوتی تھی، یہاں تک کہ اس جنگ میں خود اسلامی سپہ سالار نعمان شہید ہو گئے۔ ان کے بعد ان کے بھائی نعیم بن مقرن نے علم ہاتھ میں لے کر بدستور جنگ جاری رکھی، ادرسات ہوتے ہوتے عجیبوں کے پاؤں اکٹھے مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا، اس لڑائی میں تقریباً ۳ ہزار عجمی کھیت رہے۔ نتائج کے لحاظ سے مسلمانوں نے اس کا نام "فتح الفتوح" رکھا۔ فیروز جس کے ہاتھ حضرت عمرؓ کی شہادت مقدر تھی اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

عام لشکر کشی | واقعہ نہادند کے بعد حضرت عمرؓ کو خیال پیدا ہوا کہ جب تک تخت کیانی کا وارث ایران کی سرزمین پر موجود ہے، بغاوت اور جنگ کا نذرت فروغ ہو گا۔ اس بنا پر عام لشکر کشی کا ارادہ کیا، اور اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کر کے مشہور اقسروں کو دیئے، اور انھیں خاص خاص ممالک کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ راکدہ میں یہ سب غازیانِ اسلام اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہو گئے، اور نہایت جوش و خروش سے حملہ کر کے تمام ممالک کو اسلام کا ذریعہ بنائیں کر دیا، اور صرف ڈیڑھ دو برس کے عرصہ میں کسریٰ کی حکومت نیست و نابود ہو گئی۔

خاندان کیانی کا آخری تاجدار ایران سے بھاگ کر خاقان کے دربار میں پہنچا، خاقان نے اس کی بڑی عزت و توقیر کی، اور ایک فوج گراں کے ساتھ نزد گرد کو ہمراہ لے کر خراسان کی طرف بڑھے اور خاقان نے احنف بن قیس کے مقابل میں صف آرائی کی، لیکن صفائی کے ٹوسے ہاتھ نے اس کے عزم استقلال کو متزلزل کر دیا، اور اس کے ذہن نشین ہو گیا کہ ایسے بہادروں کو چھیرنا مصلحت نہیں چنانچہ اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا، اور اپنے سردو میں واپس چلا گیا۔

یزدگرد کو خاقان کے واپس جانے کی خبر ملی تو مالوس ہو کر خراسان اور جوہارت ساتھ لیے ترکستان کا عزم کیا، درباریوں نے دیکھا کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے تو رد کا۔ اس نے نہانا

تو مقابلہ کر کے تمام مال و اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا، یزدگرد بے سروسامان خاقان کے پاس پہنچا اور خدا کی تافرمانی کے باعث مدتوں فرغانہ کی گلیوں میں خاک چھانتا رہا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى الْمَلِكِ الَّذِي تَشَاءُ خدایا تو ہی ملکوں کا مالک ہے جس کو چاہتا ہے ملکہ دنیا
وَتَبَارِكْ عَلَى الْمَلِكِ الَّذِي تَشَاءُ سے جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے
وَتَكْذِبُ عَلَى مَنْ تَشَاءُ جس کو چاہتا ہے دولت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ہیبت دیتا ہے۔

احنف نے بارگاہِ خلافت میں نامہ نوح روانہ کیا، حضرت عمر فاروق نے تمام آدمیوں کو جمع کر کے یہ مشورہ سنایا، اور ایک موثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی، اور اب وہ اسلام کو کسی طرح نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی صراطِ مستقیم پر قائم نہ رہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کو دے سکتا ہے۔

فتوحاتِ شام

ممالکِ شام میں سے اجنادین بصری اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مقامات عہدِ صدیقی میں فتح ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو دمشق محاصرہ کی حالت میں تھا۔ خالد بن ولیدؓ نے رجبِ سالِ ۱۱ھ میں اپنے حینِ تدبیر سے اس کو مسخر کر لیا۔

رومی دمشق کی شکست سے سخت برہم ہوئے، اور ہر طرف سے فوجیں جمع کر کے مقامِ بیسان میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے جمع ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کے سامنے نعل میں پڑاؤ ڈالا۔ عیسائیوں کی درخواست پر معاذ بن جبلؓ سفیر بن کر گئے، لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی، آخر کار ذوقِ شہادت میں نعل کے میدان میں نہایت خونریز معرکے پیش آئے، خصوصاً آخری معرکہ نہایت سخت تھا۔ بالآخر یہ میدان بھی مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ غنیم کے پاؤں اکھر گئے، اور مسلمانوں اردن کے تمام شہر اور قابض ہو گئے، رعایا ذمی قرار پائی اور ہر جگہ اعلان کر دیا گیا کہ مفتوحین کی جان، مال، زمین، مکانات گرجے اور عبادت گاہیں سب محفوظ رہیں گی۔

دمشق اور اردن مفتوح ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے حمص کا رخ کیا، راہ میں بعلبک، ماقہ، شیراز اور معرۃ النعمان فتح کرتے ہوئے حمص پہنچے، اور اس کا محاصرہ کر لیا، حمص والوں نے ایک مدت تک مدافعت کرنے کے بعد مصالحت کرنی، نپہ سالار اعظم ابو عبیدہؓ نے عبادہ ابن صامت کو وہاں تک لے کر کے لازمی کا رخ کیا، اور ایک خاص تدبیر سے اس کے مستحکم قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

حمص کی فتح کے بعد اسلامی فوجوں نے ہر نعل کے پایہ تخت انطاکیہ کا رخ کیا، لیکن بارگاہِ خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے، اس لیے فوجیں واپس آگئیں۔ میدانِ یرموک اور شام کی قسمت کا فیصلہ دمشق، حمص اور لاذقیہ کی یہیم نبرہوں نے قیصر کو سخت برہم کر دیا، اور وہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے اپنی شہنشاہی کپوراز و صرف کرنے پر آمادہ ہو گیا، اور انطاکیہ میں فوجوں کا ایک طوفان اٹھایا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس طوفان کو روکنے کے لیے افسروں کے مشورہ سے تمام ممالک

منفوقہ کو خالی کر کے دمشق میں اپنی قوت جمع کی، اور ذمیوں سے جو کچھ جزیرہ وصول کیا گیا تھا سب واپس کر دیا گیا۔ سہ کیونکہ اب مسلمان ان کی حفاظت سے مجبور تھے، اس واقعہ کا عیسائیوں اور یونانیوں پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے تھے، اور جوش کے ساتھ کہتے تھے کہ خداتم کو جلد واپس لائے۔

حضرت عمر کو منفقہ مقامات سے مسلمانوں کے ہٹ آنے کی خبر ملی تو پہلے وہ بہت برحیرہ ہوئے، لیکن جب معلوم ہوا کہ تمام انسروں کی یہی رائے تھی تو فی الجملہ تسلی ہو گئی، اور فرمایا خدا کی اسی میں مصلحت ہوگی۔ سفیندین عامر کو ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدد کے لیے روانہ کیا اور قاصد کو ہدایت کی کہ خود ایک ایک صف میں جا کر نہ بانی یہ پیغام پہنچانا۔ **اللهم بقربك السلام** **دیعول لکم یا اهل السلام اصدقوا اللقاء وشدوا علیہم مثل اللیوث** **دلیکو لنا ہون علیکم من الذمنا فان اذ علمنا انکم علیہم منصورون**

اردن کے حدود میں میں یرموک کا میدان ضروریات جنگ کے لحاظ سے نہایت با موقع تھا اس لیے اس اہم معرکہ کے لیے اسکا میدان کو منتخب کیا گیا۔ رومیوں کی تعداد دو لاکھ تھی اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف تیس تیس ہزار تھی، لیکن سب کے سب یگانہ روزگار تھے۔ اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تقریباً ایک ہزار ایسے بزرگ تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاں مبارک دیکھا تھا۔ تنویر تھے، جو غزوہ بدر میں حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہ چکے تھے۔ عام مجاہدین بھی ایسے قبائل سے تعلق رکھتے تھے جو اپنی شجاعت اور سپہ گری میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔

یرموک کا پہلا معرکہ اپنے نتیجہ رہا۔ پانچویں رجب ۱۸ھ کو در سر امرکہ پیش آیا۔ رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہنی تھیں، کہ جھگنے کا خیال تک نہ آئے، ہزاروں پلوسی اور لشیپ ہاتھوں میں صلیب لیے آگے آگے تھے، اور حضرت عیسیٰ کا نام لے کر جوش دلاتے تھے، اس جوش و اہتمام کے ساتھ رومیوں نے حملہ کیا۔ فریقین میں بڑی خونریز جنگ ہوئی، لیکن انجام کار مسلمانوں کا ثابت قدمی اور پھر دی کے آگے ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ تقریباً ایک لاکھ عیسائی کھیت رہے، اور مسلمان

نے کتاب الخراج قاضی الاویسٹ ص ۲۱۱ ترجمہ، اسے بلاد ان اسلام، عمر نے جو سلام کے تم کو یہ پیغام دیا ہے کہ پھر دی سرگرمی کے ساتھ جنگ کرو، اور دشمنوں پر شیروں کی طرح اس طرح حملہ آور ہو کہ تم کو چوبیسویں سے زیادہ حقیر معلوم ہوں، ہم کو یقین کامل ہے کہ خدا کی نصرت تمہارے ساتھ ہے، اور آخر فتح تمہارے ہاتھ ہے۔

کھین ہزار کام آئے، تیسرے کو اس نیزمیت کی خبر ملی تو حضرت وائسوس کے ساتھ شام کو لو داغ کہا کہ قسطنطینیہ کی طرف روانہ ہو گیا، حضرت عمرؓ نے شردہ فتح سنا تو اسی وقت مسجد میں گر کر خدا کا شکر ادا کیا۔

فتح یرموک کے بعد اسلامی فوجیں تمام اطراف ملک میں پھیل گئیں، اور قسطنینہ، اناطولیہ، یوم، سرین، توزی، قورس، تل عرار، دلوک، ارمینیا وغیرہ چھوٹے چھوٹے مقامات نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہو گئے۔

بیت المقدس | فلسطین کی ہم پر حضرت عمرو بن العاص مامور ہوئے تھے، انہوں نے ٹالیں لہ

ملا، اس بیت جبریت وغیرہ پر قبضہ کر کے ۱۱ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ اس اثناء میں حضرت

ابو عبیدہؓ بھی اس ہم سے فارغ ہو کر ان سے مل گئے۔ بیت المقدس کے عیسائیوں نے کچھ دنوں کی مدافعت

کے بعد مصالحت پر آمادگی ظاہر کی کہ امیر المؤمنین خود یہاں آکر اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں۔ حضرت عمرؓ کو

ان کی خبر ملی، انہوں نے کہا کہ بصرہ سے مشورہ کے حضرت علیؓ کو نائب مقرر کیا اور جب ۱۱ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔

بیت المقدس کا سفر۔ حضرت عمرؓ کا یہ سفر نہایت سادگی سے ہوا۔ مقام جابہ میں افسروں نے استقبال

کیا، اور دیر تک قیام کر کے بیت المقدس کا معاہدہ صلح ترتیب دیا، پھر وہاں سے روانہ ہو کر بیت المقدس میں داخل

ہوئے، پہلے مسجد میں تشریف لے گئے، پھر عیسائیوں کے گرجا کی سیر کی، نماز کا وقت ہوا تو عیسائیوں نے گرجا میں نماز

پڑھنے کی اجازت دی لیکن حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ آئندہ نسلیں اس کو حجت قرار دے کر مسیحی معبدوں

میں دست اندازی نہ کریں، باہر نکل کر نماز پڑھی۔ ۱۱ھ

بیت المقدس سے واپسی کے وقت حضرت عمرؓ نے تمام ملک کا دورہ کیا، سرحدوں کا معائنہ کر کے

ملک کی حفاظت کا انتظام کیا، اور بخیر خوبی مدینہ واپس تشریف لائے۔

مستشرق معرکے اور فتوحات بیت المقدس کی فتح کے بعد بھی متفرق معرکے پیش آئے۔ اہل جزیرہ کی مستعدی

اور ہرقل کی اعانت سے عیسائیوں نے دوبارہ حمص پر قبضہ کی کوشش کی، لیکن ناکام رہے، فلسطین کے اختراع

قیساریہ نہایت آباد اور پر رونق شہر تھا، ۱۳ھ میں عمرو بن العاص نے اس پر چڑھائی کی، ۱۳ھ تک متواتر حملوں کے

باوجود فتح نہ ہو سکا، آخر ۱۳ھ کے اخیر میں امیر معاویہؓ نے ایک یہودی کی مدد سے قلعہ پر قبضہ کر لیا، اور شہر پر اسلامی

پرچم لہرانے لگا۔ جزیرہ پر ۱۳ھ میں عبداللہ بن المغنم نے فوج کشی کی، تکریت کا ایک ہمدیہ تک محاصرہ کیا

اور جو بیس دفعہ حملے ہوئے۔ آخر میں حسن تدبیر سے مسخر ہوا۔ باقی علاقوں کو عیاض بن غنم نے فتح کیا، اسی

۱۱ھ فوج اہل بیت یازدی ص ۱۲۳ واقعات کی تفصیل ازدی سے ماخوذ ہے۔ ۱۱ھ جری ص ۲۱۰

۱۱ھ فوج اہل بیت یازدی ص ۱۲۳

طرح سالہ میں منیرہ بن شعبہ نے خوزستان پر حملہ کیا۔ سالہ میں وہ معزول ہوئے، اور ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئے، انھوں نے نئے سر و سامان سے حملہ کیا، اور ابواز، مناذر، سوس، راہرز کو فتح کرتے ہوئے فتوحات کے صدر مقام شوستر کا رخ کیا۔ یہ نہایت مستحکم اور قلعہ بند مقام تھا، لیکن ایک شخص کی رہنمائی سے مسلمانوں نے پتہ خانے کی راہ سے گھس کر اس کو مسخر کر لیا۔ یہاں کا سردار ہر مزان گرفتار ہو کر مدینہ بھیجا گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اسلام قبول کیا۔ حضرت عمر نہایت خوش ہوئے، خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت دی اور دو تہا سالانہ مقرر کر دیا۔

فتوحات مصر حضرت عمرو بن العاص نے یہ اصرار فرمایا کہ عظیم سے اجازت لے کر چار ہزار فوج کے ساتھ مصر پر حملہ کیا، اور فرما، بیلبلس، ام ذہین وغیرہ کو فتح کرتے ہوئے نسطاط کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، اور حضرت عمر کو امدادی فوج کے لیے لکھا۔ انھوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے۔ زبیر بن العوام، عبادہ بن صامت، مقداد بن عمرو سلمہ بن مخلد، حضرت عمرو بن العاص نے حضرت زبیر کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا، سات ہینے کے بعد حضرت زبیر کی غیر معمولی شہادت سے قلعہ مسخر ہوا، اور وہاں سے فوجیں اسکندریہ کی طرف بڑھیں۔ مقام کربوں میں ایک سخت جنگ ہوئی، یہاں بھی عیسائیوں کو شکست ہوئی، اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر دم آیا اور چند دنوں کے محاصرے کے بعد اسکو بھی فتح کر لیا۔ حضرت عمر نے شہرہ فتح کرنا تو سجدہ میں گر پڑے اور خدا کا شکر ادا کیا۔ سالہ فتح اسکندریہ کے بعد تمام مصر پر اسلام کا سکہ بٹھ گیا، اور بہت سے قطبی برفادانیت حلقہ تکمیل اسلام ہوئے۔

شہادت امیرہ بن شہدہ کے ایک پارس غلام فیر زبانی نے جس کی کنیت ابو لؤلؤ تھی، حضرت عمرؓ سے اپنے آٹا کے بھاری محصول مقرر کرنے کی شکایت کی، شکایت یہ جاتی تھی، اس لیے حضرت عمرؓ نے توجہ نہ کی اس پر وہ اتنا ناراض ہوا کہ صبح کی نماز میں خنجر سے کراچہ تک حملہ کر دیا اور متواتر چھ وار کیے حضرت عمرؓ زخم کے حد سے گر پڑے اور حضرت عبدالرحمن بن عوف نے نماز پڑھا لی۔

یہ ایسا کاری زخم تھا کہ اس سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔ لوگوں کے اصرار سے چھ اشخاص کو منصب خلافت کے لیے نامزد کیا کہ ان میں سے کسی ایک کو جس پر باقی پانچوں کا اتفاق ہو جائے، اس منصب کے لیے منتخب کر لیا جائے۔ ان لوگوں کے نام یہ ہیں۔ علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ۔ اس مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں ذبح ہونے کی اجازت لی گئی۔

۱۰۸۔ مقداد بن اسید بن ابی العکبرہ فی الحرب مع مقررین ص ۶۶۔ مستدرک ج ۱ ص ۹۱۔ ایضاً ص ۹۱، ۹۳۔

اس کے بعد ہاجرین، انصار، اعزاب اور اہل ذمہ کے حقوق کی طرف توجہ دلائی اور اپنے صاحبزادے
 عبد اللہ کو وصیت کی کہ مجھ پر جس قدر فرض ہو اگر وہ میرے متروکہ مال سے ادا ہو سکے تو بہتر ہے، ورنہ خاندان
 عدی سے درخواست کرنا، اور اگر ان سے نہ ہو سکے تو کل قریش سے، لیکن قریش کے سوا اور کسی کو تکلیف نہ
 دینا۔ فرض اسلام کا سب سے پہلا ہیرہ ہر قسم کی ضروری وصیتوں کے بعد تین دن بیماریہ کو محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ
 کے دن ۱۰؍ میں واصل بن ہواء اور اپنے محبوب آتک کے پہلو میں ہمیشہ کے لیے بیٹھی نیند سو رہا۔

ازدواج و اولاد حضرت عمرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد نکاح کیے۔ ان کے ازدواج کی تفصیل سے
 زینبؓ، ہمشیرہ عثمان بن مظعونؓ، مکہ میں مسلمان ہو کر مرسی۔ قرینہ بنت متیہ المخزومیہ مشترکہ ہونے کے باعث
 انھیں طلاق دے دی تھی۔ بلکہ بنت جردول، مشترکہ ہونے کی وجہ سے ان کو بھی طلاق دی دی۔ جمیلہ کعبیہ
 سے ان کو بھی طلاق دے دی۔ عاتکہ بنت زیدان کا نکاح پہلے عبد اللہ بن ابی بکرؓ سے ہوا تھا، پھر حضرت عمرؓ کے
 نکاح میں سائیس ام کلثوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی اور حضرت فاطمہ کی نور دیدہ تھیں۔ حضرت عمرؓ نے
 خاندان نبوت سے تعلق پیدا کرنے کے لیے ۷؍ میں چالیس ہزار مہر پر نکاح کیا۔

حضرت عمرؓ کی اولاد میں حضرت محمدؓ اس لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے ازدواج مطہرات میں داخل تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی کنیت بھی ان ہی کے نام پر رکھی تھی
 اولاد مذکورہ کے نام یہ ہیں: عبید اللہ، عاصم، ابو محمد، عبید الرحمن، زید، مجیر۔ ان سب میں عبید اللہ عبید اللہ
 اور عاصم اپنے علم و فضل اور مخصوص اوصاف کے لحاظ سے نہایت مشہور ہیں۔

فاروقی کارنامے

فتوحات پراچھائی نظر | فتوحات کی جو تفصیل اوپر گزر چکی ہے، اس سے تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ مسلمانوں نے اپنے جوش، ثبات اور استقلال کے باعث حضرت عمر کے دس سالہ عہد خلافت میں روم و ایران کی عظیم الشان حکومتوں کا تختہ الٹ دیا۔ لیکن کید تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ چند صدیوں میں اس قدر قلیل مدت میں ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا ہو! بے شبہ سکندر، چنگیز اور تیمور نے تمام عالم کو تہ دیا کر دیا، لیکن ان کے فتوحات کو فاروق اعظم کی کوششوں سے کوئی مناسبت نہیں۔ وہ لوگ ایک طوفان کی طرح اٹھے اور ظلم و خونریزی کے مناظر دکھاتے ہوئے ایک طرف سے دوسری طرف لوگوں کو گمراہ کرتے، چنگیز اور تیمور کاحال تو سب کو معلوم ہے، سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ اس نے مک شام میں شہر صور فتح کیا تو ایک ہزار شہریوں کے سر کاٹ کر شہر بیاہ کی دیوار پر لٹکا دیئے۔ اور تیس ہزار بے گناہ مخلوق کو نو لٹھی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ اسی طرح ایران میں اصطر کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کر دیا، برخلاف اس کے حضرت عمر کے فتوحات میں ایک واقعہ بھی ظلم و تعدی کا نہیں ملتا۔ فوج کو خاص طور پر ہدایت تھی کہ بچوں، یوتھوں، عورتوں سے مطلقاً تعرض نہ کیا جائے۔ قتل عام تو ایک طرف، ہرے بھرے دزخوں تک کانٹے کی اجازت نہ تھی، مسلمان حکام مہذب و آواہم کے ساتھ ایسا عدل و انصاف کرتے تھے کہ تمام رعایا ان کی گرویدہ ہو جاتی اور اسلامی حکومت کو خدا کی امت تصور کرتی تھی، صرف یہی نہیں بلکہ وہ لوگ جوش اقبال میں مسلمانوں کی اعانت و مساعدت سے دینے لگتے پھرتے تھے۔ فتوحات شام میں خود شامیوں نے جاسوسی اور خبر رسانی کی خدمت انجام دی۔ جملہ مصر میں قبیلوں نے سفر بیاہ کا کام کیا۔ اسی طرح بلاق میں عجموں نے اسلامی لشکر کے لیے پل بندھوائے اور غنیم کے راز سے مطلع کر کے نہایت گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان حالات کی موجودگی میں حضرت عمر کے مقابلہ سکندر اور چنگیز جیسے سفالوں کا نام لینا کس قدر بے موقع ہے۔ سکندر اور چنگیز کی سفالیاں قوی فتوحات کیلئے مفید ثابت ہوئیں، لیکن جس سلطنت کی بنیاد ظلم و تعدی پر ہوتی ہے وہ کبھی دیر پا نہیں ہو سکتی، چنانچہ ان لوگوں کی سلطنتیں بھی نقش بر آب ثابت ہوئیں۔ اس کے برخلاف فاروق اعظم نے جو وسیع سلطنت قائم کی اس کی بنیاد عدل و انصاف اور مسالمت پر قائم ہوئی تھی۔ اس لیے وہ آج تیرہ سو برس کے بعد بھی

اسی طرح ان کے جانشینوں کے قبضہ اقتدار میں موجود ہے۔

یورپین مورخین عہد فاروقی کے اس بدیع المثال کارنامے کی اہمیت کم کرنے کے لیے بیان کرتے ہیں کہ اس وقت فارس و روم کی دونوں سلطنتیں خوالف الملوک اور مسلسل بد نظمیوں کے باعث ادج اقبال سے گزر چکی تھیں، لیکن یہ ہے کہ کیا دنیا کی ایسی زبردست سلطنتیں بادشاہوں کے اول بدل اور معمولی اختلاف سے اس درجہ کمزور ہو گئی تھیں، کہ روم و ایران میں فسطین اعظم اور خسرو پدیز کا جاہ جلال نہ تھا، تاہم ان سلطنتوں کا عرب جیسی بے سروسامان قوم سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہو جانا دنیا کا عجیب و غریب واقعہ ہے، اور ہم کو اس کا لڑاں سلطنتوں میں کمزوری میں نہیں بلکہ اسلامی نظام خلافت اور خلیفہ وقت کے طرز عمل میں تلاش کرنا چاہیے۔

نظام خلافت | اسلام میں خلافت کا سلسلہ گو حضرت ابو بکر صدیق کے عہد سے شروع ہوا، اور ان کے قبل زمانہ خلافت میں بھی بڑے بڑے کام انجام پائے، لیکن منظم اور باقاعدہ حکومت کا آغاز حضرت عمر کے عہد سے ہوا۔ انھوں نے نہ صرف قبضہ و کسریٰ کی وسیع سلطنتوں کو اسلام کے مالک محدود میں شامل کیا، بلکہ حکومت و سلطنت کا باقاعدہ نظام بھی قائم کیا، اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ حکومت کے جس قدر ضروری شعبے ہیں، سب ان کے عہد میں وجود پذیر ہو چکے تھے، لیکن قبل اس کے کہ ہم نظام حکومت کی تفصیل بیان کریں، یہ بتانا ضروری ہے کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟

حضرت عمر کی خلافت جمہوری طرز حکومت سے مشابہ تھی، یعنی تمام ملکی و توہی مسائل مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے ہوتے تھے۔ اس مجلس میں جہاجیرین و انصار کے منتخب اور کابراہل الراء شریک ہوتے تھے، اور بحث و مباحث کے بعد اتفاق آراء یا اکثریت رائے سے تمام امور کا فیصلہ کرتے تھے، مجلس کے ممتاز اور مشہور ارکان یہ تھے: حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمن بن ثنوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔

مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک مجلس عام بھی تھی، جس میں جہاجیرین و انصار کے علاوہ تمام سرداران قبائل شریک ہوتے تھے۔ یہ مجلس نہایت اہم امور کے پیش آجانے پر طلب کی جاتی تھی، درنہ روز موعے کا دربار میں مجلس شوریٰ کا فیصلہ کافی ہوتا تھا۔ ان دونوں مجلسوں کے سوا ایک تیسری مجلس بھی تھی، جس کو ہم مجلس خاص کہہ سکتے ہیں۔ اس میں صرف جہاجیرین صحابہ شریک ہوتے تھے۔

۱۔ کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۶ ۲۔ فتوح ابلدان بلاذری ص ۲۶۶

مجلس شوریٰ کے انعقاد کا نام طریقہ یہ تھا کہ منادی "الصلاة جامعة" کا اعلان کرتا تھا۔ لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے تھے، تو حضرت عمر درگفت نماز پڑھ کر مسئلہ بحث طلب کے متعلق منصل خطبہ دیتے تھے۔ اس کے بعد ہر ایک کی رائے دریافت کرتے تھے۔ لہ

جمہوری حکومت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنی رائے کے اعلانیہ اظہار کا موقع دیا جائے۔ محاکم کے اختیارات محدود ہوں، اور اس کے طریق عمل پر ہر شخص کو نکتہ چینی کا حق ہو۔ حضرت عمر کی خلافت ان تمام امور کی جامع تھی، ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا تھا، اور خلیفہ وقت کے اختیارات کے متعلق خود حضرت عمر نے متعدد موقعوں پر تصریح کر دی تھی کہ حکومت کے لحاظ سے انکی یکاچیت ہے۔ نمونے کے لیے ایک تقریر کے چند فقرے درج ذیل ہیں:-

انما انا وکم کوئی الیتیم ان	مجھ کو تمہارے مال میں اسی طرح حق ہے
استغیت استعفت وان	جس طرح یتیم کے مال میں اس کے مربی
انفقرت اکلت بالمعروف	کا ہوتا ہے۔ اگر میں دلت مند ہوں گا تو
لکم علی یہا الناس خصال	کچھ نہ لوں گا، اور اگر صاحب حاجت
فخذونی بھا کم علی ان لا	ہوں گا تو اعزازہ سے کھانے کے لیے اس
اجتبی شیئا من خیر اجمک	کا۔ صاحب جو میرے اوپر تمہارے متعدد
وما افار الله علیکم الا من	حقوق ہیں جن کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا
وجهه، لکم علی اذا وقع فی	چاہیے، ایک یہ کہ ملک کا خرچ اور
یدی ان لا یخرج منی الا	مال غنیمت بے جا طور پر صرف نہ ہونے
فی حقہ وما لکم ان اسید فی	پائے، ایک یہ کہ تمہارے روزیئے پڑھوں
اعطیاتکم طسد لغورکم	اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں
ولکم علی ان لا اقیکم	اور یہ کہ تم کو خطروں میں نہ
فی المہالک لہ	ڈالوں۔

مذکورہ بالا تقریر صرف دلفریب خیالات کی نمائش نہ تھی، بلکہ حضرت عمر نہایت سختی کے ساتھ اس

پر عامل بھی تھے۔ واقعات اس کی حوت بجز تصدیق کرتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت حفصہؓ آپ کی صاحبزادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ یہ خبر سن کر کہ مال غنیمت آیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے پاس آئیں، اور کہا کہ امیر المؤمنین! میں ذوالقرنیٰ میں سے ہوں۔ اس لیے اس مال میں سے مجھے کو بھی غنیمت کیجئے حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ بیشک تم میرے خاص مال میں حق رکھتی ہو، لیکن یہ تو عام مسلمانوں کا مال ہے۔ انہوں نے کہ تم نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا۔ وہ بے چاری خنیف ہو کر چلی گئیں۔

ایک دفعہ خود بیمار پڑے، لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا، لیکن با اجازت لے نہیں سکتے تھے۔ مسجد نبویؐ میں جا کر لوگوں سے کہا کہ: اگر آپ اجازت دیں تو حضورؐ اس شہد لے لیں۔ انھوں نے انھیں جھوٹی باتوں میں جب حضرت عمرؓ کی احتیاط کا یہ حال تھا تو ظاہر ہے یہاں امور میں وہ کس قدر محتاط ہوں گے۔

حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حکام پر نکتہ چینی کرنے کی ایسی عام آزادی دی تھی کہ معمولی سے معمولی آدمیوں کو خود غلیظت پر اعتراض کرنے میں باک نہیں ہوتا تھا۔ ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو نالاب کر کے کہا: "اتق اللہ یا عمرؓ، اے عمرؓ سے ڈر، حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکنا چاہا حضرت عمرؓ نے فرمایا: نہیں، کہنے دو، اگر یہ لوگ نہ کہیں گے تو یہ بے مصرف ہیں اور ہم نہ مانیں تو ہم۔ یہ آزادی صرف مردوں تک محدود نہ تھی، بلکہ عورتیں بھی مردوں کے قدم بہ قدم تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کی مقدار کے مستقل تقریر فرما رہے تھے، ایک عورت نے اٹھتے تقریر لوگ دیا، اور کہا: "اتق اللہ یا عمرؓ" یعنی اے عمرؓ سے ڈر، اس کا اعتراض صحیح تھا، حضرت عمرؓ نے اقرار کے طور پر کہا کہ ایک عورت بھی عمرؓ سے زیادہ جانتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آزادی اور مساوات کی یہی عام ہوا تھی جس نے حضرت عمرؓ کی خلافت کو اس درجہ کامیاب کیا، اور مسلمانوں کو جوش استقلال اور عزم و ثبات کا مجسم بنا دیا تھا۔

خلافت فاروقی کی ترکیب اور ساخت، بیان کرنے کے بعد اب ہم استقامت علی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور دکھانا چاہتے ہیں کہ فاروقؓ نے اپنے عہد مبارک میں خلافت اسلامیہ کو کس درجہ منظم اور باقاعدہ بنا دیا تھا، اور کس طرح حکومت کی ہر ایک شاخ کو مستقل حکم کی صورت میں قائم کر دیا تھا۔ نظام حکومت کے سلسلہ میں سب سے پہلا کام ملک کا صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کیا۔ کہ، مدینہ

شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین۔ ان صوبوں کے علاوہ تین صوبے اور تھے خراسان، آذربائیجان، فارس، ہر صوبہ میں مفصلہ ذیل بڑے بڑے عہدے دار رہتے تھے، واپلی یعنی حاکم صوبہ، کاتب یعنی میرمنشی کاتب دیوان یعنی فوجی محکمہ کا میرمنشی۔ صاحب الخراج یعنی کلکٹر صاحب احداث یعنی افسر پولیس صاحب بیت المال، یعنی افسر خزانہ، قاضی، یعنی بیج۔ چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسر والی، عثمان بن حنیف کلکٹر، عبداللہ ابن مسعود افسر خزانہ، شریح، قاضی، عبید اللہ بن خزاعی کاتب دیوان تھے۔

بڑے بڑے عہدہ داروں کا انتخاب عموماً مجلس شوریٰ میں ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ کی لائق، راستباز اور متمیز شخص کا نام پیش کرتے تھے، اور چونکہ حضرت عمرؓ میں جو ہر شناسی کا مادہ فطرۃً تھا۔ اس لیے ارباب مجلس عموماً ان کے حسن انتخاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور اس شخص کے تقرر پر اتفاق رائے کر لیتے تھے۔ چنانچہ نہاوند کی عظیم الشان ہم کے لیے نعمان ابن مقرن کا اسی طریق سے انتخاب ہوا تھا۔

احساسِ اخیاف وقت کا سب سے بڑا فرض حکام کی نگرانی اور قوم کے اخلاق و عادات کی حفاظت ہے۔ حضرت عمرؓ اس فرض کو نہایت اہتمام کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ وہ اپنے ہر عامل سے عہد لیتے تھے کہ تم کی گھڑی پر سوار نہ ہوگا، ہر ایک کپڑے ترپتے گا، چھٹا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازہ پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل صحبت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ اس کے ساتھ اس کے مال و اسباب کی فہرست تیار کر کے محفوظ رکھتے تھے، اور جب کسی عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی اضافہ کا علم ہوتا تھا تو جائزہ لے کر آدھا مال بٹالتے تھے۔ اگر بیت المال میں داخل کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ بہت سے عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے۔ خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعہ سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی انھوں نے سب کی اماک کا جائزہ لے کر آدھا آدھا مال بٹالیا، اور بیت المال میں داخل کر لیا۔ موسم حج میں اعلان عام تھا کہ جس عامل سے کسی کو شکایت ہو وہ فوراً بارگاہِ خلافت میں پیش کرے۔ چنانچہ درازدرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں، اور تحقیقات کے بعد اس کا تدارک کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے شکایت کی کہ آپ کے فلاں عامل نے مجھ کو بے تصور کوٹے مارے ہیں۔ حضرت نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہ مجمع عام میں اس عامل کو منو کوٹے لگائے۔ حضرت عمرؓ میں العاص نے التجاء کی کہ مال پر یہ امر گراں ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ میں منزم سے انتقام نہ لوں۔ البتہ تم اس کو راضی کرو۔ عمرؓ میں العاص نے منت سماجت کر کے مستغیث کو راضی کیا کہ ایک تازیانے کے عوض

۱۰ فروری ص ۲۶۱، ۱۱ استیعاب تذکرہ نواح ۳۷ ص ۴۷، ۱۲ فتوح البلدان ص ۳۱۹، ۱۳ تاریخ طبری ص ۲۶۸

درد و اشرفیائے کراچے حق سے باز آئے۔ ۱۵

حضرت خالد سیف الدجوانی جانبازی اور شجاعت کے لحاظ سے تاج اسلام کے گوہر شاہراہ اور اپنے زمانہ کے نہایت ذی عزت اور با اثر بزرگ تھے۔ محض اس لیے معزول کر دیئے گئے کہ انھوں نے ایک شخص کو انعام دیا تھا۔ حضرت عمر کو خیر ہوئی تو انھوں نے حضرت ابولکینہؓ سے سالار اعظم کو لکھا کہ خالد نے یہ انعام اپنی گوسے دیا تو اسلف کیا، اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی۔ دونوں صورتوں میں وہ معزول کے قابل ہیں۔ ۱۶

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جو لہجہ کے گوہر تھے، شکایتیں گزریں کہ انھوں نے اسیرانِ جنگ میں سے ساتھ رئیسِ نلہ سے منتخب کر کے اپنے لیے رکھ چھوڑے ہیں، اور کاروبارِ حکومت زیادہ سنیان کے سپرد کر رکھا ہے، اور کہ ان کے پاس ایک نوٹدی ہے جس کو نہایت اعلیٰ درجہ کی غذا ہم پہنچائی جاتی ہے جو عام مسلمانوں کو میسر نہیں آسکتی۔ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے مواخذہ کیا، تو انھوں نے دو اعتراضوں کا جواب تشفی بخش دیا لیکن تیسری شکایت کا کچھ جواب نہ دے سکے۔ چنانچہ نوٹدی ان کے پاس سے لے لی گئی۔ ۱۷

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کوئٹہ میں ایک محل تعمیر کرایا جس میں ڈیڑھ میٹر بھی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگا، محمد بن مسلمہؓ کو حکم دیا کہ جاکر ڈیڑھ میٹر آگ لگا دیں چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی، اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ خاموشی سے دیکھتے رہے۔ ۱۸

عیاض بن غنم عاقل مصر کی نسبت شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں، اور ان کے دروازہ پر دربان مقرر ہے۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو تحقیقات پر مامور کیا، محمد بن مسلمہ نے مصر پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازہ پر دربان تھا۔ اور عیاض باریک کپڑے پہنتے تھے۔ اسی ہنیت اور لباس میں ساتھ لے کر مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کا باریک کپڑا اتروا دیا، اور بالوں کا کرتہ پہنا کر جنگل میں بکری چرانے کا حکم دیا۔ عیاض کو انکار کی مجال نہ تھی، مگر بار بار کہتے تھے، اس سے سر جانا بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو تمہارا آبائی پیشے اس میں عار کیوں ہے؟ عیاض نے دل سے تو یہی کہا اور جب تک زندہ رہے اپنے دراض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ ۱۹

حکام کے علاوہ عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی نگرانی کا خاص اہتمام تھا۔ حضرت عمرؓ جس طرح خود اسلامی اخلاق کا ٹھم نمونہ تھے چاہتے تھے کہ اسی طرح تمام قوم مکرم اخلاق سے آراستہ ہو جائے۔ انھوں نے

۱۶ کتاب الخراج ص ۶۶ ۱۷ ابن اثیر ص ۲ ۱۸ طبری ص ۱۲۱۰ ۱۹ کنز العمال ج ۶ ص ۲۵۵ ۲۰ کتاب الخراج ص ۶۱

عرب جیسی نخر قوم سے فخر و غرور کی تمام علامتیں مٹادیں۔ یہاں تک کہ آقا اور لوگوں کی تمیز باقی نہ رہنے لگی۔ ایک دن صفوان بن امیہ نے ان کے سامنے ایک خوان پیش کیا حضرت عمرؓ نے فقیروں اور غلاموں کو ساتھ بیٹھا رکھا دکھلایا اور فرمایا کھلا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے میں عارا آپ سے لے۔

ایک دفعہ حضرت ابی بن کعبؓ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، مجلس سے اٹھے تو لوگ ادب اور تعظیم کے خیال سے ساتھ ساتھ چلے، اتفاق سے حضرت عمرؓ آگے، یہ حالت دیکھ کر ابی بن کعبؓ کو ایک کوڑا لگایا۔ ان کو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر تو ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا اوصا تری فنتۃ للمتبوع ومذلة للتابع لہ یعنی تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ امر متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت ہے۔

شعروشہری کے ذیلیہ جو دیدگونی عرب کا عام مذاق تھا۔ حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے اس کو بند کر دیا۔ جطیہ اس زمانہ کا مشہور بیجو کوئی شاعر تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو قید کر دیا، اور آخر اسی شرط پر رہا کیا کہ پھر کسی کی بچی نہیں کہے گا۔ سب ہو پستی، زندی اور آوارگی کی نہایت شدت سے روک تھام کی شکر کو شقیہ اشاہین جو لوگوں کا نام لینے سے قطع طور پر منع کر دیا۔ شہزاد خولری کی سزا سخت کر دی چائیں گے سے انہی دے کر دیئے۔

حضرت عمرؓ کو اس کا بڑا خیال تھا کہ لوگ عیش پرستی اور تنعم کی زندگی میں مبتلا ہو کر سادگی کے جوہر سے سزا نہ ہو جائیں۔ افسروں کو خاص طور پر پارسوں اور عیسائیوں کے لباس اور طرز معاشرت کے اختیار کرنے پر چشم نمائی فرمایا کرتے تھے۔ سفر شام میں مسلمان افسروں کے بدن پر زریہ یا دیبل کے حلا اور بزرگت قبائش دیکھا اس قدر خفا ہوئے کہ ان کو سنگریزے مارے اور فرمایا تم اس وضع میں میلہ استقبال کرتے ہو لہ۔

مسلمانوں کو اخلاقِ ذمہ سے باز رکھنے کیساتھ ساتھ مکالمہ اعتدال کی بھی خاص طور پر تعلیم دی مساوات اور عزت نفس کا خاص خیال رکھتے تھے، اور تمام اعمال کو برابری تکھی کہ مسلمانوں کو مارا نہ کریں، اس سے وہ دلیل ہو جائیں گے لہ۔

ملکی نظم و نسق شام و ایران فتح ہوا لوگوں کی رائے ہوئی کہ مفتوحہ علاقے اہل فوج کی جاگیر میں دے دیئے جائیں حضرت عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں، کہ جن تواریخ نے ملک فتح کیا ہے، ان ہی کا قبضہ بھی حق ہے حضرت بلالؓ کو اس قدر اصرار تھا کہ حضرت عمرؓ نے دق ہو کر فرمایا "اللھم کفنی بلاداً" "لیکن علی شہرت عثمان اور حضرت طلحہؓ کی حضرت عمرؓ کے ہم آہنگ تھے عرض مجلس میں مشاہدہ ہوا اور بیعت و مباہلہ کے بعد فراقِ عظیم کی رائے پر فیصلہ ہوا لہ۔

سلاطین کی پالیسی کو اتالیقی زراعت آراہن کا بندوبست کیا۔ مشرور خراج کا طریقہ قائم کیا عشرہ کا طریقہ

لہ ادب المعروف بل بکس تمام مسازاء کل لہ مند دارمیں، سبہ اسد الغابہ تذکرہ زبیر قان.

لہ طبری ص ۲۳۰۳ ۲۳۰۴ ۲۳۰۵ ۲۳۰۶ ۲۳۰۷ ۲۳۰۸ ۲۳۰۹ ۲۳۱۰ ۲۳۱۱ ۲۳۱۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق کے زمانہ میں جاری ہو چکا تھا، لیکن علاج کا طریقہ اس قدر منضبط نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح شام و مصر میں بھی لگان تشخیص کیا۔ لیکن وہاں کاتاؤن ملکی حالات کے لحاظ سے عراق سے مختلف تھا تجارت پر مشتمل یعنی جنگی لگائی گئی۔ اسلام میں یہ خاص حضرت عمر کی ایجاد ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر مالک میں تجارت کے لیے جاتے تھے، ان کو دس فیصدی ٹیکس دینا پڑتا تھا، حضرت عمر کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی غیر ملکی مال پر ٹیکس لگادیا۔ اسی طرح تجارتی گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ خاص حضرت عمر کے حکم سے قائم کی گئی اور گھوڑے مستثنیٰ تھے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ نوحہ باللہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو افلا فرمائے تھے اس سے بظاہر سولاری کے گھوڑے مضموم ہوتے ہیں، اس لیے تجارت کے گھوڑے مستثنیٰ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

حضرت عمر نے تمام ملک میں مردم شماری کرائی، اصلاخ میں باقاعدہ عدالتیں قائم کیں، محکمہ قضا کے لیے اصول دو این بنائے، قاضیوں کی پیش قرار نخواستیں مقرر کیں، تاکہ یہ لوگ رشوت ستانی سے محفوظ رہیں، چنانچہ سلمان، ربیعہ اور قاضی شریح کی نخواستیں پانچ پانچ سو درہم ماہانہ تھی، اور امیر معاویہ کی نخواستہ ایک ہزار دینار تھی۔ حل طلب مسائل کے لیے شعبہ افتاء قائم کیا۔ حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوذر، اس شعبے کے متاثر کن تھے۔

ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے حضرت عمر نے "احداث" یعنی پولیس کا حکمہ قائم کیا، اس کے انسروکانام صاحب الاحداث" تھا حضرت ابوہریرہ کو کیرین کا صاحب الاحداث بنا دیا تو ان کو خاص طور پر ہدایت کی کہ امن و امان قائم رکھنے کے علاوہ احتساب کی خدمت بھی انجام دیں۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں، مثلاً دوکاندار ناپ تول میں کمی نہ کریں، کوئی شخص شہرہ پر مکان نہ بنائے۔ جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لاوا جائے، شراب علانیہ نہ کئے جائے۔ اس قبیل کے اور بہت سے امور کی نگرانی کا جن کا تعلق پبلک متھاد اور احترام شریعت سے تھا۔ پورا انتظام تھا، اور صاحبان احداث (افسران پولیس) اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔

عہد فاروقی سے پہلے عرب میں جیل خانوں کا نام و نشان نہ تھا، حضرت عمر نے اول کہ مظہم میں صفوان بن امیہ کا مکان چار بنارورہم خرید کر اس کو جیل خانہ بنایا۔ پھر اور اصلاخ میں بھی جیل خانے بنوائے، جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمر کی ایجاد ہے چنانچہ ابوحنیفہ کو بار بار شرب پینے کے جرم میں ایک جزیہ میں جلاوطنی کر دیا تھا۔

۱۸۷۰ فقہ التقدیر حاشیہ ہدایہ ج ۲ ص ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ استیعاب تذکرۃ امیر معاویہ ص ۲۵۲ مقررہ ص ۱۸۷

۱۸۷۰ اسد الغابہ ترجمہ ابوحنیفہ ثقفی

بیت المال اختلاف فاروقی سے پہلے مستقل خزانہ کا وجود نہ تھا۔ بلکہ جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے لیے خاص کر لیا تھا، لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا، اور اس میں کچھ داخل کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی چنانچہ انکی وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

حضرت عمرؓ نے تقریباً ۱۰ سالہ میں ایک مستقل خزانہ کی ضرورت محسوس کی، اور محسوس شوریٰ کی منطوقی کے بعد مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا۔ دارالخلافہ کے علاوہ تمام اضلاع اور صوبہ جات میں بھی اس کی شاخیں قائم کی گئیں، اور ہر جگہ اس حکم کے جدا گانہ افسر مقرر ہوئے۔ مثلاً اصفہان میں خالد بن حارث اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود خزانہ کے افسر تھے۔

صوبہ جات اور اضلاع کے بیت المال میں مختلف آمدنیوں کی جو رقم آتی تھی وہ وہاں کے سالانہ حساب کے بعد اختتام سال پر صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں منتقل کر دی جاتی تھی۔ صدر بیت المال کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دارالخلافہ کے باشندوں کی توختوں میں اور وظائف مقرر تھے جو صرف اس کی تعداد تین کروڑ درہم تھی۔

بیت المال کے حساب کتاب کے لیے مختلف رجسٹروں نے، اس وقت تک کسی مستقل منہ کا ضرب سے رواج نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے ۱۰ سالہ میں منہ بھری ایجاد کر کے یہ کمی بھی پوری کر دی۔

تعمیرات اسلام کا دائرہ حکومت جس قدر وسیع ہونا گیا، اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں اس کے لیے کوئی مستقل ہیئت نہ تھا۔ تاہم صوبہ جات کے عمال اور حکام کی نگرانی میں تعمیرات کا کام نہایت منظم اور وسیع طور پر جاری تھا۔ ہر جگہ حکام کے بود و باش کے لیے سرکاری عمارتیں تیار ہوئیں۔ رفاہ عام کے لیے مشرک، پن اور مسجد میں تعمیر کی گئیں۔ فوجی ضروریات کے لحاظ سے قلعے، چھاوینیاں اور بادکیں تعمیر ہوئیں۔ مسافروں کے لیے مہمان خانے بنائے گئے۔ خزانہ کی حفاظت کے لیے بیت المال کی عمارتیں تیار ہوئیں۔ حضرت عمرؓ تعمیرات کے باب میں نہایت کفایت شعار تھے، لیکن بیت المال کی عمارتیں عموماً شاندار اور مستحکم ہوتے۔ چنانچہ کوفہ کے بیت المال کو روز بہ نامی ایک مشہور محبوسی عمارت نے بنایا تھا، اور اس میں خسروان فارس کی عمارت کا مسالہ استعمال کیا گیا تھا۔

۱۰ طبری ذکر آبادی کوفہ

کہ منظرہ اور مدینہ منورہ میں جو خاص تعلق ہے، اس کے لحاظ سے ضروری تھا کہ ان دونوں شہروں کے درمیان راستہ کو سہل اور آرام دہ بنایا جائے۔ حضرت عمرؓ نے حکم میں اس کی طرف توجیہ کی، اور مدینہ سے لے کر مکہ منظرہ تک سہرہ منزل پر چوکیاں، سرائیں اور چھتے تیار کرائے گئے۔

ترقی زراعت کے لیے تمام ملک میں نہریں کھدوائی گئیں۔ بعض نہریں ایسی تھیں جن کا تعلق محکمہ زراعت سے نہ تھا، مثلاً نہریں موکی جو محض بصرہ والوں کیلئے شیریں پانی بہانے کے خیال سے حبلہ کو کاٹ کر لائی گئی تھی، یہ نہر میں لمبی تھی۔ اس طرح نہر مقل جبکی نسبت عربی ضرب المثل ہے اذاجاء تھرا اللہ یصل نہرا المفضل لہ۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بھی ایک نہر تیار کرائی، جو سعد بن عمرو بن ابرام کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی اور فائدہ رساں وہ نہر تھی جو نہر امیر المؤمنین کے نام سے مشہور ہوئی، جس کے ذریعہ سے دریائے نیل کو بحر قزح سے ملا دیا گیا تھا۔

مستعمرات مسلمان جب عرب کی گھاٹیوں سے نکل کر شام، ایران کے چین ندریں پہنچے تو ان کو نہ ممالک ایسے خوش آئند نظر آئے کہ انھوں نے وطن کو خیر یاد کیا کہ یہیں طرح آقامت ڈال دی اور نہایت کثرت سے نوآبادیاں قائم کیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جو جو شہر آباد ہوئے، ان کی ایک اجمالی فہرست درج ذیل ہے۔

بصرہ ۱۱ھ میں طلحہ بن خزاعہ نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اس شہر کو بسایا تھا۔ ابتدا میں صرف آٹھ سو آدمیوں نے یہاں کی سکونت اختیار کی، لیکن اس کی آبادی بہت جلد ترقی کر گئی۔ یہاں تک کہ زبیر بن ابی سفیان کے عہدِ امارت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجز میں درج تھے، اتنی ہزار اور ان کی آل و اولاد کی ایک لاکھ بیس ہزار تھی، بصرہ اپنی علمی خصوصیات کے لحاظ سے مدینوں مسلمانوں کا مایہ ناز شہر رہا ہے۔

کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے امیر المؤمنین کے حکم سے عراق کے قدیم عرب فرمانروا نعمان بن منذر کے پائے تخت کو آباد کیا، اور اس میں چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کے لائق مکانات بنوائے گئے۔ حضرت عمرؓ کو اس شہر کے بسا نے میں غیر معمولی دلچسپی تھی۔ شہر کے نقشہ کے متعلق خود ایک یادداشت لکھی تھی۔ اس میں حکم تھا کہ شارع ہائے عام چالیس چالیس ہاتھ چوڑی رکھی جائیں، اس سے کم کی مقدار ۳۰، ۳۰ ہاتھ اور ۳۰، ۳۰ ہاتھ سے کم نہ ہو۔ جامع مسجد کی عمارت اس قدر وسیع بنائی گئی تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آسانی سے نماز ادا کر سکتے تھے۔ مسجد کے سامنے دو سو ہاتھ لمبا ایک وسیع سائبان تھا جو سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ یہ شہر حضرت عمرؓ

لہ ایضاً ۲۵۲۹ھ فتح البلدان ۴۶۵ھ ایضاً ۳۶۶ھ ایضاً ۳۸۳ھ حسن المحاضرہ سیوطی ص ۶۸

فتح بحر البلدان ج ۷ کوثر

ہی کے عہد میں اس عظمت و شان کو پہنچ چکا تھا کہ وہ اس کو اس اسلام فرمایا کرتے تھے۔ علمی حیثیت سے بھی ہمیشہ ممتاز رہا ہے۔ امام نضی، حماد، امام الوضیفہ اور امام فضی اسی معدن کے نسل و گھر تھے

فسطاط | دریائے نیل اور جبل مقطم کے درمیان ایک کھد دست میدان تھا حضرت مؤمنین العاص تاج مصر نے اثنائے جنگ میں یہاں پڑاؤ کیا۔ اتفاق سے ایک کبوتر نے ان کے خمیر میں گھونسلنا لیا۔ عمر بن العاص نے کوچ کے وقت قصداً اس خمیر کو چھوڑ دیا، کہ اس مہمان کو تکلیف نہ ہو مصر کی تسخیر کے بعد انہوں نے حضرت عمر کے حکم سے اسی میدان میں ایک شہر آباد کیا چونکہ خمیر کو عربی میں فسطاط کہتے ہیں، اس لیے اس شہر کا نام فسطاط قرار پایا

فسطاط نے بہت جلد ترقی کر لی، اور پورے مصر کا صدر مقام ہو گیا۔ چوتھی صدی کا ایک سیاح ان الفاظ میں اس شہر کے عروج و کمال کا نقشہ کھینچتا ہے۔

”یہ شہر بنیاد کا سانچ، مغرب کا خزانہ اور اسلام کا خربہ۔ دنیا اسلام میں یہاں سیکڑہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتی ہیں۔ نہ یہاں سے زیادہ کسی ساحل پر جہاز ٹکرا انداز ہوتے ہیں۔“

موصل | یہ پہلے ایک گاؤں کی حیثیت رکھتا تھا ہجرت کرنے سے اس کو ایک عظیم الشان شہر بنا دیا ہر خد بن عربی نے بنیاد رکھی اور ایک جامع مسجد تیار کرائی، اور چونکہ یہ مشرق و مغرب کو آپس میں ملاتا ہے اس لیے اس کا نام موصل رکھا گیا۔

حیمرہ | فتح اسکندریہ کے بعد عربوں نے اس خیال سے کہ رومی دریا کی سمت سے حملہ نہ کرنے پائیں تو اس کو فوج لپ ساحل پر مقرر کر دی تھی۔ ان لوگوں کو دریا کا منظر ایسا پسند آیا کہ وہاں سے ہٹنا پسند نہ کیا مگر

ان لوگوں کی حفاظت کیلئے اس میں ایک قلعہ تعمیر کرا دیا اور اس سے یہاں ایک مستقل توابعی کی صورت پیدا ہو گئی۔ **فوجی انتظامات** | اسلام جب رومن امپائر سے بھی زیادہ وسیع سلطنت کا مالک ہو گیا اور قیصر و کسریٰ کے

عظیم الشان ممالک اس کا ورثہ بن گئے، تو اس کو ایک منظم اور فوجی سسٹم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بلاشبہ میں حضرت عمر نے اس کا طرہ توجی اور تمام ملک کو فوجی بنانا چاہا، لیکن ابتداء میں ایسی تعلیم ممکن نہ تھی، اس لیے پہلے قریش و

انصار سے آغاز کیا، حرم بن نوفل، جبر بن مطعم، عقیل بن ابی طالب کے متعلق یہ خدمت سپرد کی کہ وہ قریش و انصار کا ایک تربی تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب تفصیل سے درج ہو۔ اس ہدایت کے مطابق تربی تیار

ہوا، اور حسب حیثیت تنخواہیں اور ان کی بیوی بچوں کے گزارے کے لیے وظائف مقرر ہوئے۔ مہاجرین اور

انصار کا نام و نسب تفصیل سے درج ہو۔ اس ہدایت کے مطابق تربی تیار ہوا، اور حسب حیثیت تنخواہیں اور ان کی بیوی بچوں کے گزارے کے لیے وظائف مقرر ہوئے۔ مہاجرین اور

انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۳۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہل یدر کی اولاد ذکور کی تنخواہ دو دو تیرا درہم سالانہ مقرر ہوئی۔ اس موقع پر یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ بن لوگوں کو جتنی تنخواہیں مقرر ہوئیں اتنی ہی ان کے غلاموں کی بھی مقرر ہوئیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فاروق اعظم نے مساوات کا کیسا سبق سکھایا تھا۔

کچھ دنوں کے بعد اس نظام کو قریش و انصار سے دست دے کر تمام قبائل عرب میں عام کر دیا۔ پورے ملک کی مردم شماری کی گئی، اور ہر ایک عربی نسل کی اعلیٰ قدر و مراتب تنخواہ مقرر ہوئی، یا ننگ کہ تیر خوار پکڑے گئے بھی وظائف کا تعادہ جاری کیے گئے۔ یہ سب کام ہر ایک بچپانے یوم ولادت ہی سے اسلامی فوج کا ایک سپاہی تصور کر لیا جاتا تھا۔

ہر سپاہی کو تنخواہ کے علاوہ کھانا اور کپڑا بھی ملتا تھا۔ تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ ہر قبیلہ میں ایک عریف ہوتا تھا۔ اسی طرح ہر دس سپاہی پر ایک افسر ہوتا تھا جن کو امراء الامتاء کہتے ہیں۔ تنخواہیں عریف کو دی جاتی تھی، وہ اہلٹے امراء کی معرفت فوج میں تقسیم کرتا تھا۔ ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی۔ کوثر اور بصرہ میں سو عریف تھے، جن کے ذریعے سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی جن خدمت

اہل کلدانی کے لحاظ سے سپاہیوں اور افسروں کی تنخواہوں میں فتنائوں اور آٹھانہ بھی ہوتی رہتا تھا۔ چنانچہ زبیرؓ نے عہدہ عریفی وغیرہ تقادیر میں غیر معمولی جہناری کا اظہار کیا تھا اس صلہ میں انہی تنخواہیں دو دو درہم سے ڈھائی ڈھائی تیرا کر دی گئیں۔ حضرت عمرؓ کو فوج کی تربیت کا بہت خیال تھا۔ انھوں نے نہایت تاکیدی احکام جاری کیے تھے، کہ ممالک مغربہ

میں کوئی شخص زراعت یا تجارت کا شغل اختیار نہ کرنے پائے، کیونکہ اس سے ان کے سپاہیانہ جوہر کو نقصان پہنچے گا۔ نیز یہ تھا کہ سرداروں کو مالک پر جکر کرتے وقت کوٹھم کا بھی خاص لحاظ رکھنا تھا کہ فوج کی صحت اور تندرستی کو نقصان نہ پہنچے۔

قواعد کے متعلق چار چیزوں کے کیے جانے کی سخت تاکید تھی۔ تیرا، گھوڑے، ڈونڈا، تیرا گانا، اور ننگے پاؤں چلنا

ہر چار چیزوں کے بعد سپاہیوں کو وطن جا کر اپنے اہل و عیال سے ملنے کیلئے رخصت دی جاتی تھی۔ یہ جنگاں کی خیال سے

محکم تھا کہ اہل فوج رکاب کے بہرے سے نہ سوار ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ سے بچیں، جموں میں نہ بنائیں۔

موسم بہار میں فوجیں عموماً سرسبز و شاداب مقامات پہنچ دی جاتی تھیں، بارگاہوں اور چھاؤنیوں کے بنانے میں

آب و ہوائی خوبی کا خیال رکھا جاتا تھا۔ کوچ کی حالت میں محکم تھا کہ فوج جبکہ کے دن مقام کرے اور ایک شب

و روز قیام رکھے کہ لوگ دم لیں۔ غرض حضرت عمرؓ نے تیرہ سو برس پیشتر فوجی تربیت کے لیے اعلیٰ اصول وضع کر دیئے تھے، کہ آج بھی اصولی حیثیت سے اس پر کچھ اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔

۱۔ تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں۔ دیکھو کتاب الخراج ص ۲۴۸ و مقرر نے یہ ج ۱ ص ۹۲ و بلاذری ص ۱۵۳

۲۔ فوج البلدان ص ۶۲۴ ۳۔ فوج البلدان ص ۶۲۸

حسب ذیل مقامات کو فوجی سرگز قرار دیا۔ مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، قسطنطین، دمشق، حمص، اردن، فلسطین، ان مقامات کے علاوہ تمام اضلاع میں فوجی باریک اور چھانڈیاں تھیں، جہاں تھوڑی تھوڑی فوج ہر تینہ ستینہ رتی تھی فوج میں حسب ذیل ہمدے دار لازمی طور پر ملتے تھے۔ خراجی، فی سب، مترجم، بلید، جراح اور مسوکر جو غنیم کے نقل و حرکت کی خبریں ہم پہنچایا کرتے تھے۔ یہ خدمت زیادہ تر ذمیوں سے لی جاتی تھی، چنانچہ قتیہ دیر کے محاصرہ میں یوسف نامی یہودی نے جاسوسی کی خدمت انجام دی تھی۔ اسی طرح عراق میں بعض ونا دار جو کسی اپنی خوشی سے اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ تاریخ طبری میں ہے،

کمانت تکون بعد العیون فی کل حبش
ہر فوج میں حضرت بلکہ جاسوس رہتے تھے

آلات جنگ میں تیغ و سناں کے علاوہ قلعہ شکنی کے لیے منجینق اور دباہ بھی ساتھ رہتا تھا، چنانچہ دمشق کے محاصرہ میں منجینقوں کا استعمال ہوا تھا۔

فوج حسب ذیل شعبوں میں منقسم تھی۔ مقدمہ، قلب، میمنہ، میسرہ، ساقہ، بلید، سفرینا اور یعنی عقبی گارڈ۔ شتر سوار، سوار، پیادہ، تیرانداز۔

گھوڑوں کی پرورش پر دقت کا بھی نہایت اہتمام تھا، ہر مرکز میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت سازو سامان سے لیس رہتے تھے۔ موسم بہار میں تمام گھوڑے سرسبز و شاداب مہلات پر بھیج دیئے جاتے تھے۔ خود مدینہ کے قریب ایک چراگاہ تیار کرائی، اور اپنے ایک غلام کو اس کی حفاظت اور نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا۔ گھوڑوں کی بالوں پر طاش سے "حبش فی سبیل اللہ" نقش کیا جاتا تھا۔

عرب کی تلوار اپنے فتوحات میں کبھی غیروں کی نمونہ احسان نہیں ہوئی، لیکن حریف اقوام کو خود ان ہی کے ہم قوموں سے لڑنا فن جنگ کا ایک بڑا اصول ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کو نہایت خوبی سے بتا۔ صدر العجمی، یونانی اور رومی بہادروں نے اسلامی فوج میں داخل ہو کر مسلمانوں کے دوش بدوش نہایت ونا داری کے ساتھ خود اپنی قوموں سے جنگ کی۔ قادیسیہ کے معرکہ میں دو مان جنگ ہی میں ایرانیوں کی چار ہزار فوج حلقہ اسلام میں آگئی، اور سعد بن وقاص نے ان کو اسلامی فوج میں شامل کر لیا، اور اسی تنخواہیں مقرر کر دیں۔ یرموک کے معرکہ میں رومیوں کے لشکر کا مشہور سپاہی عین حالت جنگ میں مسلمان ہو گیا، اور مسلمانوں کے دوش بدوش لڑ کر شہید ہوا۔ مذہبی خدمات اور یہی خدمات کے سلسلہ میں سب سے بڑا کام اشاعت اسلام ہے حضرت عمرؓ کو اس میں بہت

۱۷ طبری ص ۲۱۵۲ کہ کثر العمال ج ۵ ص ۶۹

انہماک تھا، لیکن توارکے زور سے نہیں بلکہ اخلاق کی قوت سے، انہوں نے اپنے غلام کو اسلام کی دعوت دی، اس نے باوجود ترغیب و ہدایت کے انکار کیا تو فرمایا لا اکراہ فی الدین یعنی مذہب میں جبر نہیں ہے حکام کو ہدایت تھی کہ جنگ سے پہلے لوگوں کے سامنے محاسن اسلام پیش کر کے ان کو شریعتِ نغرا کی دعوت دی جائے۔ اس کے علاوہ انہوں نے تمام مسلمانوں کو اپنی تربیت اور ارشاد سے اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ بنا دیا تھا، وہ جس طرف گور جاتے تھے، لوگ ان کے اخلاقِ تفوق کو دیکھ کر خود بخود اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ وہی سفیرِ اسلامی کیمپ میں آیا، تو سالارِ فوج کی سادگی اور یہ تکلفی دیکھ کر خود بخود اس کا دل اسلام کی طرف کھینچ گیا، اور وہ مسلمان ہو گیا۔ مصر کا ایک رئیس مسلمانوں کے حالات سن کر اسلام کا گرویدہ ہو گیا، اور وہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

وہ عربی قبائل جو عراق و شام میں آباد ہو گئے تھے۔ نسبتاً آسانی کے ساتھ اسلام کی جانب مائل کیے جا سکتے تھے، حضرت عمرؓ کو ان لوگوں میں تبلیغ کا خاص خیال تھا، چنانچہ اکثر قبائل معمولی گوشتش سے حلقہ گوشتِ اسلام ہو گئے۔ مسلمانوں کے فتوحات کی بوجہ نبی نے بھی بہت سے لوگوں کو اسلام کی صداقت کا یقین دلادیا، چنانچہ معرکہ قادسیہ کے بعد ولیم کی چار ہزار بھی فوج نے خوشی سے اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح فتحِ خیولان کے بعد بہت سے رومیوں اور ہزاروں غنیمت مسلمان ہو گئے، جن میں بعض کے نام یہ ہیں: جلیل بن بصری، بطام بن نرسی، زینل، فیرفزانؓ، عراقی کی طرح شام و مصر میں بھی کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے، چنانچہ شہرِ قسطنطین میں ایک بڑا حملہ نو مسلموں کا تھا۔ غرض حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپ دینِ حنیف کی آئندہ کے لیے راستہ صاف کر گئے۔

اشاعتِ اسلام کے بعد سب سے بڑا کام خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین اور ارشادِ اسلامی کی ترویج تھی، اس کے متعلق حضرت عمرؓ کے مہم کی سلسلہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد سے شروع ہوئی ہے۔ قرآن مجید جو اساسِ اسلام ہے، حضرت عمرؓ ہی کے اصرار سے کتابی صورت میں مہم و یقینی میں مرتب کیا گیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے عہد میں اس کے درس و تدریس کا رواج دیا، معلمین اور حفاظ اور موزنون کی تنخواہیں مقرر کیں، حضرت سلمان بن العقیل، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوالدرداءؓ کو جو حفاظِ قرآن اور صحابہ کبار میں سے تھے، قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لیے مکہ شام میں روانہ کیا۔ قرآن مجید کو صحت کیساتھ بڑھنے اور پڑھانے کے لیے

لہ مغزیہ ص ۲۲۶، فتح البلدان ص ۲۰۹، ایضاً فتح جولا، سیرۃ النبیؐ میں مذکور ہے۔

ان عمر بن الخطاب عثمان کان یرزقان الموزنین والائمة والمعلمین ۵۰ نزل العمال ج ۱ ص ۲۸۱

تاکیدی احکام روانہ کیے۔ ابن الانبیری کی روایت کے مطابق ایک حکم نامہ کے الفاظ یہ ہیں۔ قلموا عوایب القرآن کما تعلمون حفظہ غرض حضرت عمرؓ کے مسامی جیلہ سے قرآن کی تعلیم ایسی عام ہو گئی تھی کہ ناظرہ خوانوں کا تو شمار ہی نہیں۔ حافظوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا کہ "صرف میری فوج میں تین سو حفاظ ہیں۔"

اصول اسلام میں قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق جو خدمات انجام

دیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

احادیث نبویؐ کو نقل کر کے احکام کے پاس روانہ کیا کہ عام طور پر اس کی اشاعت ہو۔ مشاہیر صحابہ کو مختلف

ممالک میں حدیث کی تعلیم کیلئے بھیجا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا۔ عبد اللہ بن

عمران بن حصین اور مقل بن ایثار کو بعبرہ بھیجا۔ حضرت عباد بن الصامتؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کو شام روانہ کیا۔

اگرچہ محدثین کے نزدیک تمام صحابہؓ عدول ہیں لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں خاص

بشری ہیں ان سے کوئی زمانہ مستثنیٰ نہیں ہو سکتا، چنانچہ انھوں نے روایات قبول کرنے میں نہایت چھان بین اور

احتیاط سے کام لیا۔ ایک دفعہ آپؐ کسی کام میں مشغول تھے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ آئے اور تین دفعہ سلام کر کے

واپس چلے گئے۔ حضرت عمرؓ کام سے فارغ ہوئے تو ابو موسیٰ کو بلا کر دریافت کیا کہ تم واپس کیوں چلے گئے تھے؟ انہوں

نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین دفعہ اجازت مانگو، اگر اس پر بھی نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا، اس روایت کا ثبوت دو درجہ نہیں تم کو نہ اردوں گا۔ حضرت ابو موسیٰ نے حضرت سعیدؓ کو

شہادت میں پیش کیا۔ اسی طرح تحفظ یعنی کسی عورت کا حمل ضائع کر دینے کے مسئلہ میں مغیرہؓ نے حدیث روایت

کی تو حضرت عمرؓ نے شہادت طلب کی جب محمد بن مسلمہؓ نے تصدیق کی تو انھوں نے تسلیم کیا۔ حضرت عباسؓ

کے مقدمہ میں ایک حدیث پیش کی گئی، تو حضرت عمرؓ نے تائیدی ثبوت طلب کیا، جب لوگوں نے تصدیق کی تو

فرمایا مجھ کو تم سے بدگمانی نہ تھی، بلکہ اپنا اطمینان مقصود تھا۔

حضرت عمرؓ لوگوں کو کثرت روایت سے بھی نہایت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے۔ چنانچہ جب قرظ بن کعب کو عراق

کی طرف روانہ کیا تو خود دوڑ تک ساتھ گئے اور سمجھایا کہ دیکھو تم ایسے ملک میں جاتے ہو جہاں قرآن کی آواز گونج رہی

ہے، ایسا نہ ہو کہ ان کی توجہ کو قرآن سے ہٹا کر احادیث کی طرف مبذول کر دو۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے

۱۷ ایضاً ص ۳۱۱ از المآثر خارج ص ۲۴۲ مسلم باب الاستیذان لک الحمد و کتاب العیارات باب دتہ الجبین
۱۸ تذکرۃ الحفاظ جلد اول تذکرہ عمرؓ ص ۱۱۱ ایضاً ص ۱۱۱

حافظ حدیث تھے ایسے وہ روایتیں بھی کثرت سے بیان کرتے تھے۔ ایک دفعہ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے مکتب میں اس طرح روایت کرتے تھے؟ انھوں نے کہا کہ اگر اس زمانہ میں ایسا کرتا تو دوسرے کھاتا۔

حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے، حضرت عمرؓ خود بالمشاورت اپنے خطیوں اور تقریروں میں مسائل فقہیہ بیان کرتے تھے، اور درود دراز مالک کے حکام کو فقہی مسائل لکھ کر بھیجتے تھے۔ مختلف فیہ مسائل کو صحابہؓ کے مجمع میں پیش کر کے طے کرتے تھے۔ اصلاخ میں عمال اور افسروں کی تقریر میں عالم اور فقہیہ ہونے کا خاص خیال رکھا جاتا تھا تمام مالک محروم میں فقہاء مقرر کیے تھے، جو احکام مذہبی کی تعلیم دیتے تھے، اور حسب بین ابن ہزری حضرت عمرؓ نے فقہاء کی پیش تر از خواہیں مقرر کی تھی۔ اس سے پہلے فقہاء اور معلمین کو تنخواہ دینے کا رواج نہ تھا فرض یہ کہ فاروق اعظم کے عہد میں مذہبی تعلیم کا ایک مرتب اور منظم سلسلہ قائم ہو گیا تھا، جس کی تفصیل کیلئے اس اجمال میں گنجائش نہیں۔

عملی انتظامات کی طرف بھی حضرت عمرؓ نے بڑی توجہ کی تمام مالک محروم میں کثرت سے مسجدیں تعمیر کرائیں، امام اور مؤذن مقرر کیے، حرم ختم کی عمارت ناکافی تھی، اس کو وسیع کیا، غلاف کید کے لیے نطع کے بجائے قیامی کھاراج دیا، جو نہایت عمدہ کپڑا ہوتا ہے اور مصر میں بنایا جاتا تھا۔ مسجد نبویؐ کو بھی نہایت وسعت دی، پہلے اس کا طول سو گز تھا، انھوں نے پھر صکار ۱۰۰ گز کر دیا عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا۔ مسجد کے ساتھ ایک گوشہ میں چوبترا بنو ادیا، جس کو بات سہیت کرنا یا شعر پڑھنا ہوتا وہاں چلائے۔ مسجد میں روشنی اور نرش کا انتظام بھی حضرت عمرؓ کے عہد سے ہوا، حجاج کی خدمت و اساتذہ کا بھی پرورش انتظام تھا۔ ہر سال خراج کیلئے جاتے، اور شہر گیری کی خدمت انجام دیتے تھے۔

متفرق انتظامات | ملکی، فوجی اور مذہبی انتظامات کا ایک اجمالی خاکہ درج کرنے کے بعد اب ہم ان متفرق انتظامات کا تذکرہ کرتے ہیں جو کسی خاص عنوان کے تحت نہیں آتے۔

۱۔ شام میں عرب میں قحط پڑا، حضرت عمرؓ نے اس مصیبت کو کم کرنے میں جو سرگرمی ظاہر کی، وہ ہمیشہ یادگار بنا رہے گی۔ بیت المال کا تمام نقد و جنس صرف کر دیا تمام صولوں سے غلام نکویا۔ ادانتھا کیا تھا قحط زدوں میں تقسیم کیا۔ لاکھوں کچوں کو دودھ پلانے اور پالنے پر ہدایت کا انتظام کیا، غرابوں کو بچھڑنے سے محفوظ کیا اور شہر کو اس کا احاطہ فرمایا۔

۲۔ فی فرصت سکا انفس سلمۃ فی شہر مدی حطۃ میں نے ہر مسلمان کے لیے فی ماہ دودھ گیہوں اور دو و تسطی حن۔

۳۔ قسط سر کر مقرر کیا۔

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا تمام کے لیے بھی؟ فرمایا، ہاں غلام کے لیے بھی، لیکن اس سے زیادہ میں سمجھتا ہوں ہے۔

۴۔ ایضا، ۵۔ شام اسراغابہ تذکرہ عمرؓ سلمہ یعقوبی جلد ۲ ص ۷۷، ایسا اس کی پوری تفصیل ہے ۶۔ ایضا، ۷۔ ۱۔

۸۔ فتوح البلدان ذکر العطاء فی خلافت عمرؓ بن الخطاب۔

کہ حضرت عمرؓ اس نکتہ پہ خبر تھے کہ اس طرح مفت خوری سے لوگ کاہن ہو جائیں گے۔ درحقیقت انہوں نے ان ہی لوگوں کے ذریعے مقرر کیے تھے جو یا تو فوجی خدمت کے لائق تھے، یا ضعف کے باعث کسب معاش سے معذور تھے۔

ملکی حالات سے واقفیت کے لیے ملک کے ہر حصہ میں پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کیے تھے جن کے ذریعے سے ہر جزئی واقعہ کی اطلاع ہو جاتی تھی۔ مورخ ظہری لکھتے ہیں۔

وکان عمرا لا یخفی علیہ شئی
فی علمہ کتب الید من العراق
یخرج من خرج و من
النہام بجانزۃ من اجیز بھا

عمرؓ کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی، عراق
میں جن لوگوں نے خروج کیا، اور شام میں
جن لوگوں کو انعام دیئے گئے، بس ہی ان
کو لکھا جاتا تھا۔

حکمہ خیر سامانی کی سرگرمی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ نعمان بن عدی حاکم میساں نے عیش و عشرت میں مبتلا ہو کر اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا۔

لعل امیر المؤمنین یسوءہ
تناد صابا لجو سق المتکدم

غالباً امیر المؤمنین برائیاں لگے کہ ہم لوگ
مخلموں میں رنڈنہ صحبت رکھتے ہیں۔

اس حکمہ کو میساں ہوی کے رانڈینڈ کی بھی خبر ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے نعمان کو معزول کرنے لکھا کہ وہاں

مجھ کو تمہاری یہ حرکت ناگوار ہوئی۔

عدل والصفات اخلافت نازدتی کا سب سے نمایاں صفت عدل و انصاف ہے۔ ان کے عہد میں کبھی سرسور

بھی انصاف سے تجاوز نہیں ہوا، شاہ دگر، اشرفیہ و رذیل، مزین، بیگانہ سب کے لیے ایک ہی قانون تھا ایک

دفعہ ہر ذمہ دار کا۔ جہاں عدل سے ایک شخص کو بے وجہ مارا، حضرت عمرؓ نے اسی مضموب سے اٹکے کوڑے لگوائے

مذہب العاص بھی ہو جتھے، دونوں باپ بیٹے خاموشی سے عبرت کا تاثر دیکھا، اور دم نہ مار سکے۔ تکہ عبد بن لہم

سائیں شام نے کعبہ کے طواف میں ایک شخص کو طمانچہ مارا۔ اس نے بھی برابر کعبہ پر جا بجلد نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو

انہوں نے جواب دیا کہ جیسا کیا ویسا پایا۔ جیل کو اس جواب سے حیرت ہرئی اور مرتد ہو کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔

حضرت عمرؓ نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں، تو اسامہؓ بن زید کی تنخواہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

محبوب غلام حضرت زید کے فرزند تھے، اپنے بیٹے عبد اللہ سے زیادہ مقرر کی۔ عبد اللہ نے عذر کیا کہ اللہ

سنة استیجاب حج اذکرہ نعمان بن عدی لکھنؤ ۶ ج ۷ ص ۳۵۵ تک مترجم حکم جلد ۳ مناقب عبد اللہ بن عمرؓ

اسد میں کسی بات میں ہم سے فائق نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں! لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسد میں
کو کچھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

خاندانی عدل و انصاف کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہ تھا، بلکہ ان کا دیوان عدل مسلمانانِ یہودی
عیسائی سب کے لیے یکساں تھا۔ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمرؓ
نے لکھا کہ قاتل مقتول کے درناؤ کے حوالہ کر دیا جائے چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا سیڑ
کیا گیا اور اس نے اس کو مقتول عزیزیہ کے بدلہ میں قتل کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے ایک پیر کین سال کو گدگری کرتے دیکھا
اچھا تو بھیک مانگتا ہے، اس نے کہا فخر پر جزیہ لگایا گیا ہے حالانکہ میں منسل سوں۔ حضرت عمرؓ اپنے گھر لے آئے
اور کچھ نقد دے کر ہتھم بیت المال کو لکھا کہ اس قسم کے ذمی مساکین کے لیے بھی وظیفہ مقرر کر دیا جائے، واللہ
انصاف نہیں ہے کہ ان کی جوانی سے ہم متمتع ہوں، اور بڑھاپے میں ان کی خبر گیری نہ کریں لے
عربوں کے عیسائیوں کو ان کی متواتر بغاوتوں کے باعث جلا وطن کیا گیا، مگر اس طرح کہ ان کی املاک کی
درجہ قیمت دی گئی تھے۔ نجران کے عیسائیوں کو جلا وطن کیا گیا تو ان کیساتھ بھی اچھا سلوک کیا گیا۔ ۳۵

۳۵ کتاب الخراج ص ۷۲، ۳۶ فتوح البلدان ص ۱۶۳، ۳۷ طبری ص ۲۱۶۲۔

علم و فضل

اسلام قبل عرب میں لکھنے پڑھنے کا چندال رواج نہ تھا۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعوث ہوئے تو قبیلہ قریش میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا جانتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی زمانہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔

حضرت عمر کے فرامین منطوق، تو قیامت اور خطیہ اب تک کتابوں میں محفوظ ہیں، ان سنان کی قوت تحریر و دستخطی کلام اللہ نہ تحریر کیا انلازہ ہو سکتا ہے۔ بیعتِ خلافت کے بعد جو خطبہ دیلے، اس کے چند فقرے یہ ہیں:-

اللهم انی عنینظ فلیئنی اللهم انی
 اے خدا میں سخت ہوں تو مجھ کو نرم کر میں کہ وہ ہوں
 ضعیف فقوتی الاوان العرب
 مجھ کو قوت دے۔ ہاں! عرب دے سرکش
 جل الف وقد اعطیت خطا مہ
 اڈٹ ہیں جھکی بہار میرے ہاتھ دیدی گئی ہے،
 الاوانی حاملہ علی الحجۃ
 لیکن میں ان کو راستہ پر چلا کر چھوڑوں گا
 قوتِ تحریر کا انلازہ اس خط سے ہو سکتا ہے جو ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام لکھا گیا تھا اس کے چند فقرے یہ ہیں:-

اما بعد! مضبوطی عمل کی یہ ہے کہ آج کا کام
 ان لا تو خروا عمل الیوم لغد
 کل پیر نہ اٹھا کر رکھو، ایسا کرو گے تو تمہارے
 فانکم اذا فعلتم ذالک
 پس بہت سے کام جمع ہو جائیں گے پھر پریشان
 تدارکت علیکم اعمالکم فلم
 ہو جاؤ گے کہ کس کو کس اور کس کو چھوڑیں، اس
 تداروا ایھا تاخذون فاضعتم۔
 طرح کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔

شاعری کا خاص ذوق تھا، اور شعرائے عرب کے کلام پر تنقیدی نگاہ رکھتے تھے، مشاہیر میں زبیر کے کلام کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے، کبھی کبھی خود بھی شعر کہتے تھے، لیکن اس کی طرف زیادہ توجہ نہ تھا۔ فصاحت و بلاغت کا یہ حال تھا کہ ان کے بہت سے مقولے ضرب المثل بن گئے۔ جو آج بھی ادب لے باذی ص ۷۷ سہ ابوالحسن ابن رشیق نے کتاب اللہ میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

عربی کی جان ہیں۔ علم الانساب میں بھی یہ طوئی حاصل تھا۔ یہ علم کئی پشتوں سے ان کے خاندان میں چلا آتا تھا۔ ان کے والد رضی اللہ عنہم مشہور نساب تھے۔ جانچنے لکھا ہے کہ جب وہ انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو اپنے باپ کا حوالہ دیتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر عبرانی زبان بھی انھوں نے سیکھی تھی۔ مسند دارمی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ تدریس کا نسخہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔ اور پڑھا شروع کیا۔ وہ پڑھتے جاتے اور آنحضرت کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا ہے۔ اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ عبرانی زبان سے اس قدر واقف ہو گئے تھے کہ تدریس کو خود پڑھ سکتے تھے۔

حضرت عمرؓ نظر ذہین، طباع اور صاحب الرائے تھے۔ اصابت رائے کی اس سے زیادہ اور کیا دین ہو سکتی ہے کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں۔ ادا ان کا طریقہ ان کی رائے کے موافق ہوا۔ امیران بدر کے متعلق جو رائے انھوں نے دی، وحی الہی نے اسی کی تائید کی۔ شہزاد کی حرمت، انواع مطہرات کے اور مقام ابراہیمؑ کو مصطلع بنانے کے متعلق حضرت عمرؓ نے نزول وحی سے پہلے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو رائے دی تھی۔

آپ کو بارگاہ نبوت میں جو خاص تقرب حاصل تھا، اس کے لحاظ سے قدرۃ ان کو شرعی احکام اور عقائد سے واقف ہونے کا زیادہ موقع ملا۔ طبیعت نکتہ رس واقع ہوئی تھی، اس لیے آئندہ نسلوں کے لیے اجتہاد اور استنباط مسائل کی وسیع شاہراہ قائم کر دی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی شرعی مسائل پر نورد فکر کیا کرتے تھے، اور جب کوئی مسئلہ خلاف عقل معلوم ہوتا تو اس کو آپ سے دریافت کیا کرتے تھے۔ سفر میں سفر کا حکم دیا گیا تھا، لیکن جب راستے ناموں ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ اب سفر میں یہ حکم کیوں قاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ در یہ خدا کا انعام ہے۔

مسائل دریافت کرنے میں مطلقاً پس و پیش نہیں کرتے تھے، اور جب تک تشفی نہ ہو جاتی ایک ہی مسئلہ کو بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے۔ کمالہ کے مسئلہ کو جو نہایت دقیق اور مختلف فیہ مسئلہ ہے، بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ آخر میں آپ نے فرمایا، سوئے نسا کی آخری آیت تمہارے لیے کافی ہے۔

نہایت غور و توجیہ کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ ہر ایک آیت پر مجتہدانہ حیثیت سے

۱۱۷۱ھ مسند دارمی ۶۲ ص ۱۲۷ تاریخ الخلفاء ص ۱۲ بخاری کے مختلف ابواب میں یہ واقعات مذکور ہیں۔ ۱۱۷۱ھ تفسیر ابن جریر جلد ۶ ص ۲۵

کا گواہ ڈالتے تھے، ایک دن صحابہؓ کے مجمع میں اس آیت کے معنی پوچھے اَيُّوَدُ أَحَدِكُمْ اَنْ تَكُونَ لَكُمْ
جَنَّةً، لوگوں نے کہا واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ اس میں ایک کام کرنے والے کی تمثیل
دی گئی ہے، چونکہ جواب تمام تھا حضرت عمرؓ نے اس پر قناعت نہ کی، لیکن عبداللہ بن عباسؓ اس سے زیادہ
نہ بتا سکے حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ اس آدمی کی تمثیل ہے جسکو خلانے دولت و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بھلائے، لیکن
اس نے نافرمانی کی، تو اس کے اچھے اعمال بھی برباد کر دیئے جائیں گے۔

قرآن مجید سے استدلال میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ عراق کی فتح کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ
مالک مفسر صحیح مجاہدین کی ملکیت اور سبیلوں کے باشندے ان کے غلام ہیں حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ مقام
مفسر صحیح کسی ایک شخص یا بہت سے مخصوص اشخاص کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ وقف عام ہیں اور استدلال میں
میں یہ آیت پیش کی مَعَا فَاَعْلَمَ اللَّهُ صَٰلِحِ الْمُؤْمِنِ اَهْلِ الْقُرَىٰ

بالآخر سب نے اس کی تائید کی اور اسی پر فیصلہ ہوا حضرت عمرؓ کی صرف روایات کی تعداد ستر سے
زیادہ نہیں ہے، لیکن اس سے یہ نہ سمجھا چاہیے کہ وہ صرف اسی قدر احادیث سے واقف تھے۔ درحقیقت
انہوں نے اپنے عہد خلافت میں جس قدر احکام صادر فرمائے ہیں وہ سب احادیث ہی سے ماخوذ ہیں
یہ دوسری بات ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں لیا گیا اور نام نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قول کو منسوب کرنے میں نہایت محتاط تھے۔ جب تک اس کے
ہر لفظ پر یقین نہ ہو تا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح بیان فرمایا ہے، اس وقت تک
ہرگز ہرگز زبان سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ نہیں نکالتے تھے، یہی وجہ تھی کہ وہ ہمیشہ
کم احادیث روایت کرتے تھے، اور دوسروں کو بھی کثرت روایت سے روکتے تھے۔ علامہ ذہبیؒ
حضرت عمرؓ کے حالات میں کہتے ہیں۔

وقد كان عمر من عجله يخلى الصاب
على رسول الله صلى الله عليه وسلم
يا هوهم ان يلقوا الرواية عن تنبيههم

اور حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں ان کو حکم دیتے
تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ روایت کریں

محدث کا سب سے بڑا فرض روایات کی تحقیق و تنقید اور جرح و تعویل ہے۔ اگر جب ابو بکر صدیقؓ

بھی اپنے عہد میں روایت کے قبول کرنے میں ثبوت اور شہادت کا لحاظ رکھا، لیکن حضرت عمرؓ کو اس میں بہت زیادہ غلط تھا، اور جب تک روایت و درایت دونوں حیثیت سے اس کا ثبوت نہ پہنچتا قبول نہ کرتے۔ اس کی مثالیں تفصیل کے ساتھ مذہبی خدمات کے سلسلہ میں مذکور ہو چکی ہیں، اس لیے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

فقہ کا سلسلہ بھی درحقیقت حضرت عمرؓ ہی کا ساختہ پر فاختہ ہے۔ ان سے اس قدر فقہی مسائل منقول ہیں کہ اگر جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتا ہے۔ استنباط احکام اور تفریح مسائل کے لیے بھی انہوں نے ایک شاہراہ قائم کر دی تھی۔ مختلف فیہ مسائل کے طے کرنے کے لیے اجماع صحابہ جس کثرت سے حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوا پھر نہیں ہوا

۱۔ تفسیر ابن جریج ج ۶ ص ۲۵۲ جلد ۲ ص ۶۵۱ سے تذکرۃ الخلفاء جلد ۱ تذکرہ ۶

اخلاق و عادات

حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بشت کا حقیقی مقصد دنیا کو برگزیدہ اور پسندیدہ اخلاق کا تعلیم دینا تھی جیسا کہ خود ارشاد فرمایا بشت لائتم مکارم الاخلاق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو براہ راست اس سرچشمہ اخلاق سے سیراب ہونے کا موقع ملا تھا اس لیے اس مقدس جماعت کا ہر فرد اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھا۔ لیکن حضرت عمر کو بدگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو تقرب حاصل تھا اس کے لحاظ سے ان کو زیادہ حصہ ملا۔ وہ محاسن و محامد کی مجسم تصویر تھے۔ ان کے آئینہ اخلاق میں خلوص، انقطاع الی اللہ، لائذ دنیا سے اجتناب، حفظ لسان، حق پرستی، راست گوئی، تواضع اور سادگی کا عکس سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے یہ ادھات آپ میں ایسے راسخ تھے کہ جو شخص آپ کی صحبت میں رہتا تھا، وہ بھی کم و بیش متاثر ہو کر اسی قالب میں ڈھل جاتا۔ مسورین خرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمر کے ساتھ رہتے تھے کہ ان سے پر سیر گاری تقویٰ سیکھیں۔ مہنفاروقی کے افسرول اور مہمدیداروں کے حالات کا انور مطالعہ کرو تم کو معلوم ہو گا کہ وہ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

خوف خدا اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصل سرچشمہ خشیت الہی اور خداوند تعالیٰ کی حیوت و عظمت کا غیر متزلزل یقین ہے، جو دل خشوع و خضوع اور خوف خداوندی سے خالی ہے، اس کی حقیقت ایک مضمضہ گوشت سے زیادہ نہیں۔ حضرت عمر خشوع و خضوع کے ساتھ رات رات بھر نماز میں پڑھتے، صبح ہونے کے قریب گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے و امرا هلك بالصلاة نمازیں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے جن میں قیمت کا ذکر یا خدا کی عظمت کا، جلال کا بیان ہوتا، اور اس قدر متاثر ہوتے کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی ہے۔ حضرت عیماشد بن شداد کا بیان ہے کہ میں باوجودیکہ کچھلی صوف میں رہتا تھا، لیکن حضرت عمر یہ آیت انما اشکو شیء و احسبني الى الله پڑھ کر اس زور سے روتے تھے کہ میں رونے کا آواز سنتا تھا۔ حضرت امام حسن کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمان پڑھ رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے۔

اِنَّ عَلٰی اَبْرِهٰمَ كَوَاعِبَ مَا كُنَّا
مِثْرًا فَافْحِ -

تیرے رب کا نذاب یقیناً ہو کر پنے والا ہے
اس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں

لہ موطا مالک باب ماجاء فی صلوٰۃ اللیل۔ لہ بخاری کتاب الصلوٰۃ باب افان فی صلوٰۃ

تو بیت متاثر ہوئے، اور روتے روتے آکھیں سوچ گئیں، اسی طرح ایک دفعہ اس آیت پر واذا القوا
منہما ما كانا ضيقا مقربين دعوا هنالك شيوخاً اس قدر حضور و شروع طاری ہوا کہ اگر کوئی
ان کے حال سے ناواقف شخص دیکھ لیتا تو یہ سمجھتا کہ اسی حالت میں روح پرواز کر جائے گی۔

وقت قلب اور عیрт پذیری کا یہ عالم تھا کہ ایک روز صبح کی نماز میں سورہ یوسف شروع کی
اور جب اس آیت پر پہنچے **كَأَبْيَضُ كَتِيمٍ كَأَبْيَضُ كَتِيمٍ كَأَبْيَضُ كَتِيمٍ**، تو زار و قطار روتے گئے،
یہاں تک کہ قرآن مجید ختم کر کے رکوع پر مجبور ہو گئے۔

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے، اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔ صبح بخاری میں ہے
کہ ایک دفعہ ایک صحابی سے کہا کہ تم یہ پسند ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام لائے
مہجرت کی جہاد اور نیک اعمال کیے۔ اس کے بدلہ میں دوزخ سے بچ جائیں، اور عذاب و ثواب برابر ہو سکا
لوے خدا کی قسم نہیں۔ ہم نے آپ کے بعد بھی روزے رکھے، نمازیں پڑھیں، بہت سے نیک کام کیے اور
ہمارے ہاتھ پر بہت سے لوگ اسلام لائے، ہم کو ان اعمال سے بڑی بڑی توقعات ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا
اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مجھے تو یہی غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ آپ عذاب سے بچ
جائیں اور نیکی اور بڑی برابر ہو جائیں۔ لے ایک بار راہ میں ایک تنکا اٹھایا، اور کہا کاش میں جس خوشی و خاشاک
ہوتا۔ کاش! کاش میں پیدا ہی نہ کیا جاتا۔ کاش میری ماں مجھے نہ جتنی تلخ فرض حضرت عمرؓ کا دل بہرحرح خوف
خداوندی سے لرزان و ترسان رہتا تھا، آپ فرماتے کہ اگر آسمان سے نڈائے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا کے
لوگ جتنی ہیں، تب بھی مواخذہ کا خوف زائل نہ ہوگا کہ شاید وہ بد قسمت انسان میں ہی ہوں لے۔

حب رسول اور اتباع سنت | تہذیب نفس اور اخلاق حمیدہ سے مزین ہونے کے لیے ہر مسلمان کا
فرض ہے کہ اپنے دل میں مبدا خلقِ منظم یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خالص محبت اور اتباع سنت کا
صبح جذبہ پیدا کرے، جو دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے خالی اور جو قدم اسوۂ حسنہ کے مستقیم
سے منحرف ہے وہ کبھی سعادت کو نہیں کی نعمت سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بارگاہ
نبوت میں عرض کیا کہ اپنی جان کے سوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں ارشاد ہوا **میرا محبت**
اپنی جان سے بھی زیادہ ہونی چاہیے، حضرت عمرؓ نے کہا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

لے لکڑی ج ۷ ص ۳۴۷ بخاری باب الاموال لے لکڑی ج ۷ ص ۳۴۷ لے لکڑی ج ۷ ص ۳۴۷ لے لکڑی ج ۷ ص ۳۴۷

آپ جمال نبوت کے سچے شیدائی تھے۔ ان کو اس راہ میں جان و مال، اولاد اور عزیز و اقارب کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا۔ عاص بن ہاشم جو حضرت عمر کا مامول تھا، مگر کہ بدر میں خود ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات سے نماز میں ہونے پر علیحدگی اختیار کر لی تو حضرت عمر نے یہ خبر سن کر حاضر خدمت ہونا چاہا، جب بار بار دفن طلب کرنے پر یہی اجابت نہ ملی تو پکارا کہ اے نبی کی قسم میں حضرت کی سفارش کیلئے نہیں آیا ہوں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں تو اسکی گردن مار دوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عمر کی محبت کا اعجاز اس سے ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو ان کو کس طرح اس کا یقین نہیں آتا تھا۔ مسجد نبوی میں حالتِ وارفتگی میں قسمیں کھا کر اعلان کرتے تھے کہ جس کی زبان سے نکلے گا کہ میرا محبوب آقا دنیا سے اٹھ گیا، اس کا سر توڑ دوں گا۔ آپ کے وصال بعد جب کبھی عہد مبارک یاد آجاتا تو رقت طاری ہو جاتی، اور روتے روتے بیتاب ہو جاتے، ایک دفعہ سفر شام کے موقع پر حضرت بلالؓ نے مسجد اقصیٰ میں اذان دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہو گئی اور اس قدر لرزے لگے کہ بجھکی بندھ گئی۔ لے

یہ نظری امر ہے کہ محبوب کا عزیز بھی عزیز ہے ہوتا ہے، اس بنا پر جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں عزیز رکھتے تھے حضرت عمر نے اپنے ایامِ خلافت میں ان کا خاص خیال رکھا۔ چنانچہ جب آپ نے صحابہ کے وفائف مقرر کیے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب غلام زید بن حدرہ کے فرزند اسمٰئیل بن زید کی تنخواہ اپنے شیخ عبد اللہ سے زیادہ مقرر کی۔ بعد ازاں نے عذر کیا، تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسمٰئیل کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ لہٰذا اسی طرح جب نوحِ مدائن کے بعد مالِ قیمت آیا تو حضرت عمر نے حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو ہزار ہزار درہم مرحمت فرمائے، اور اپنے صاحبزادے عبد اللہ کو صرف پانچ سو دیئے۔ حضرت عبد اللہ نے عذر کیا، اور کہا کہ جب یہ دونوں بچے تھے، اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معرکوں میں پیش پیش رہا ہوں۔ حضرت عمر نے کہا ہاں! لیکن ان کے درگاہوں جو مرتبہ ہے وہ تیرے باپ دادا کا نہیں ہے۔

ازواجِ مطہرات کے مرتبہ، ان کے احکام اور آلام و آسائش کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کی

تحفائیں سب سے زیادہ بارہ ہزار مقرر کیں۔ ۳۰ سالہ میں جب امیر الحاج بن کر گئے تو اندازِ مطہرات کو
سنة فوج ابراهیم ۹ ص ۲۵۱ طے فوج اشام از دی فتح بیت المقدس ۳۵ مسدک ج ۳ مناقب عبد اللہ بن عمر
کتاب الخراج ص ۲۴۔

نبایت ادب واحترام کے ساتھ ہمراہ لگے۔ حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کو سواروں کے ساتھ
 کر دیا تھا۔ یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے، اور کسی کو سواروں کے قریب نہیں آتے دیتے تھے۔ ازواج مطہرات منزل پر
 حضرت عمرؓ کو لیا تھا کیا کرتی تھیں، اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کسی کو قیام گاہ کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے بلکہ
 حضرت عمرؓ کے دستور عمل کا سب سے زین صفحہ اتباع سنت تھا، وہ خورد و نوش، لباس و وضع نشست
 و برخاست غرض ہر چیز میں اسوہ حسنہ کو پیش نظر رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ فقروفاقہ سے بسکائی تھی
 اس لیے حضرت عمرؓ نے دم دایران کی شاہنشاہی ملنے کے بعد بھی فقروفاقہ کی زندگی کا ساتھ نہ چھوڑا، ایک دفعہ
 حضرت حفصہؓ نے کہا کہ اب خدانے مرقہ الحالی طائر نائی ہے، اس لیے آپ کو نرم لباس اور نفیس غذا سے پرہیز کرنا
 چاہیے حضرت عمرؓ نے کہا، جان پورا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عسرت اور تنگ حالی کو بھول گئیں۔ خدا کی قسم
 میں اپنے آقا کے نقش قدم پر چلوں گا، کہ آسخت کی فراغت اور خوش حالی نصیب ہو، اس کے بعد میرے کس
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عسرت کا تذکرہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت حفصہؓ نے تاب ہو کر رونے لگیں
 ایک دفعہ زید بن ابی سفیان کے ساتھ شریک طعام ہوئے، مہولی کھانے کے بعد دسترخوان پر جب عمدہ
 کھانے لائے گئے تو حضرت عمرؓ نے ہاتھ کھینچ لیا، اور کہا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمرؓ کی جان ہے، اگر
 تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو خدا تم کو جاہ و مستقیم سے منحرف کر دے گا
 اسلام میں شخائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو پیرہ دیدہ حضرت
 عمرؓ کو اپنے نائبانہ خلافت میں جب اس کا سونے پیش آیا تو اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ پتھر کو پیرہ دینے سے کبھی سزا
 کو یہ دھوکہ ہو کہ اس میں بھی الہی شان ہے، حجر اسود کو پیرہ تو دیا لیکن اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔
 انی اعلم انک حجج و انک لا
 تضر ولا تنفع و لولا انی رايت
 رسول اللہ ليقبلک ما قبلتک
 میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان
 پہنچا سکتا ہے نہ نفع، اگر میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 و آلہ وسلم کو پیرہ دیتے نہ دیکھتا تو تجھے بزرگوار نہ دیتا۔

اسی طرح طواف میں رمل کا حکم مشرکین عرب کے دلوں پر رعب ڈالنے کی مصلحت پر مبنی تھا، اس
 لیے جب خدانے ان کو ہلاک کر دیا تو حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ اب رمل سے کیا فائدہ ہے، مگر پھر آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار کو ترک کرنے پر جرات نہ ہوتی تھی

۱۔ ابن سعد، مکرہ عبدالرحمن بن عوف، سنۃ کثر العالج، ص ۳۹ و ۴۰، سنۃ کثر العالج، ص ۴۵، سنۃ بخاری، کتاب الحج

ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کام جس طرح کرتے دیکھا اسی طرح وہ بھی عمل پیرا ہوں۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھی تھی حضرت عمرؓ جب اس طرف سے گزرتے تو اس جگہ دو رکعت نماز ادا کر لیتے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا یہ نماز کیسی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

یہ کوشش صرف اپنی ذات تک محدود نہ تھی، بلکہ وہ چاہتے تھے کہ ہر شخص کا دل اتنا بے انتہا کے جذبہ سے معمور ہو جائے۔ ایک دفعہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص مسجد داخل ہوا حضرت عمرؓ نے عین خطبہ کی حالت میں اسکی طرف دیکھا اور کہا، آنے کا یہ کیا وقت ہے؟ انہوں نے کہا کہ بازار سے آ رہا تھا کہ خان سنی بد مذکور کے قورمہ حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، وضو پڑھو کیوں اتنا کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔

زہد و قناعت | دنیا طلبی اور جس تمام بد اخلاقیوں کی بنیاد ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس سے طبعی نفرت تھی۔ یہاں تک کہ خود ان کے ہر توبہ معاصرین کو اعتراف تھا کہ وہ زہد و قناعت کے میدان میں سب سے آگے ہیں حضرت طلحہؓ کا بیان ہے کہ قناعت اسلام اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو عمرؓ بن الخطاب پر فوقیت حاصل ہے لیکن زہد و قناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت عمرؓ کو کچھ دینا چاہتے تو وہ عرض کرتے کہ مجھ سے زیادہ حاجت مند لوگ موجود ہیں، جو اس عطیہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے کہ اس کو لے لو پھر تمہیں اختیار ہے، اور اپنے ہاں رکھو یا صدقہ کر دو، انسان کو اگر بے طلب مل جائے تو لے لینا چاہیے۔

حضرت عمرؓ کا جسم کبھی نرم اور ٹائم کپڑے سے مس نہیں ہوا۔ بدن پر بارہ بارہ بیوند کا کرتہ سر پہ پٹنا ہوا عمامہ اور پاؤں میں پھٹی ہوئی جوتیاں ہوتی تھیں۔ اسی حالت میں وہ قیصر و کسریٰ کے بیفروں سے ملتے تھے، اور خود کو باریاب کرتے تھے۔ مسلمانوں کو شرم آتی تھی، مگر اقلیم زہد کے شہنشاہ کے آگے کون زبان کھولتا، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے کہا، امیر المؤمنین، اب خدا نے صرف الحال کیا ہے، بادشاہوں کے سفراء اور عرب کے قورمہ آتے رہتے ہیں، اس لیے آپ کو اپنے طرز معاشرت میں تعمیر کرنا چاہیے حضرت عمرؓ نے کہا، افسوس تم دونوں اہبات المؤمنین ہو کر دنیا طلبی کی ترغیب دیتی ہو، عائشہ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کو کھینچو گئیں کہ تمہارے گھر میں صرف ایک کپڑا تھا، جس کو دن

۱۔ بخاری کتاب الحج باب فضل الغسل یوم الجمعہ لہ ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی الاستغفار۔

کو بچھاتے تھے اور رات کو اوڑھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ تم کو یاد نہیں ہے کہ ایک دفعہ تم نے فرش کو دہرا کر کے بچھا دیا تھا اس کی نرمی کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر سوتے رہے، بالائی شانے اذان دی تو آنکھ، اس وقت آپ نے فرمایا -

يا حفصة ماذا صنعت ثنيت
المهاد حتى ذهب في النوم الى
الصباح مالي و للديتيا مالي
شفعلتموني بين الفرائض
حفصة! تم نے یہ کیا کیا کہ فرش کو دہرا کر دیا
کہ میں صبح تک سوتا رہا۔ مجھے دنیاوی راحت
سے کیا تعلق، اور فرش کی نرمی کی وجہ سے
تم نے مجھے غافل کر دیا۔

ایک دفعہ گرمی کا کرتہ ایک شخص کو دھونے اور پوند لگانے کے لیے دیا، اس نے اس کیساتھ ایک نرم کپڑے کا کرتہ پیش کیا، حضرت عمرؓ نے اس کو داپس کر دیا اور اپنا کرتہ لے کر کہا، اسی میں پوند خوب جذب ہوتا ہے۔ کپڑا گرمی میں ہواتے تھے، اور کپڑا جانا تو پوند لگاتے چلے جاتے حضرت حفصہؓ نے اس کے متعلق گفتگو کی، تو فرمایا، مسلمانوں کے مال میں اس سے زیادہ تصرف نہیں کر سکتا۔ ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے، باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ پوند لے کر گئے تھے اس لیے ان ہی کپڑوں کو دھو کر سوکھنے کو ڈال دیا تھا، خشک ہو گئے تو وہی پہن کر باہر نکلے۔

غذا بھی عموماً سادہ ہوتی تھی، معمولاً روٹی اور تین دسترخوان پر ہوتا تھا، روٹی اگر گرمیوں کی ہوتی تھی، لیکن آٹا چھانا نہیں جاتا تھا، بہان یا سفراء آتے تھے تو کھانے کا ان کو تکلیف ہوتی تھی، کیونکہ وہ الہی سادی اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔ حفص بن ابی العاص اکثر کھانے کے وقت موجود ہوتے تھے لیکن شریک نہیں ہوتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے وجہ پوچھی تو کہا کہ آپ کے دسترخوان پر الہی سادہ اور معمولی غذا ہوتی ہے کہ ہم لوگ اپنے لذیذ اور نفیس کھانوں پر اس کو ترجیح نہیں دے سکتے حضرت عمرؓ نے کہا، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں قیمتی اور لذیذ کھانا کھانے کی قدرت نہیں رکھتا؟ قسم ہے اس ذات کا جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر قیامت کا وقت نہ ہوتا تو میں بھی تم لوگوں کی طرح دنیاوی عیش و عشرت کا دلدادہ ہوتا۔ حضرت عمرؓ بہر شخص کو اپنی طرح زبرد اور سادگی کی حالت میں دیکھنا چاہتے تھے۔ وقتاً فوقتاً اپنے اعمال اور احکام کو ہدایت کرتے رہتے تھے کہ روٹیوں اور گرمیوں کی طرز معاشرت نہ اختیار کریں۔ سفر شام میں جب انہوں

لے کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰ لے ایضاً ص ۳۲۶ لے ایضاً ص ۳۳۲ لے کنز العمال ج ۶ ص ۳۲۶

نے انہوں کو اس وضع میں دیکھا کہ بدن پر حریر و دیبا کے حلقے اور نر تکلف قبائش ہیں اور وہ اپنی زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجبی معلوم ہوتے ہیں تو آپ کو اس قدر غصہ آیا کہ گھوڑے سے ترپڑے اور سگریزے اٹھا کر ان پر پھینکے، اور فرمایا کہ اس قدر جلد تم نے عجبی عادتیں اختیار کر لیں۔ اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص جس کو انہوں نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا، اس صورت سے ملنے آیا کہ لباسِ فاخرہ زیب تن کیے ہوتے تھا، اور بالوں میں خوب تیل پڑا ہوا تھا، اس وضع کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نہایت ناراض ہوئے اور وہ پٹھے اتر داکر موٹا جھوٹا کپڑا پہنایا۔

احف بن قیس ایک جماعت کے ساتھ عراق کی ایک مہم پر روانہ کیے گئے۔ وہ وہاں سے کامیاب ہو کر ترک و احتشام کے ساتھ واپس آئے، تو حضرت عمرؓ نے ان کی زرق برق پوشاک کو دیکھ کر نہ پھر لیا، وہ لوگ امیر المومنین کو برا بھلا کہہ کر دربار سے اٹھ آئے اور عرب کی سادہ پوشاک زیب تن کر کے پھر حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت عمرؓ اس لباس میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے، اور فر داند ابراہیم سے بغل گیر ہوئے۔

قناعت کا یہ حال تھا کہ اپنے زمانہ خلافت میں چند برس تک مسلمانوں کے مال سے ایک خرچہ نہیں لیا حالانکہ فقر و فاقہ سے حالت تباہ تھی۔ صحابہ نے ان کی سرت اور نگہبندی کو دیکھ کر اس قدر خواہ مقرر کر دی جو معمولی خوراک اور لباس کے لیے کافی ہو لیکن شہنشاہ قناعت نے اس شرط پر قبول کیا کہ جب تک ضرورت ہے۔ لوں گا، اور جب میری مالی حالت درست ہو جائے گی، کچھ نہ لوں گا، فرمایا کرتے تھے کہ میرا حق مسلمانوں کے مال میں اسی قدر ہے جس قدر یتیم کے مال میں ولی کا ہوتا ہے، میں اپنی ذات پر اس سے زیادہ نہیں صرف کر سکتا، جس قدر خلافت سے پہلے اپنے مال میں سے صرف کرتا تھا ایک دفعہ ربیع بن یاد حارثی نے کہا۔ لے امیر المومنین! آپ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا ہے، اس کے لحاظ سے آپ دنیا میں سب سے زیادہ عیش و نشاط کی زندگی کے مستحق ہیں۔ حضرت عمرؓ حقا ہوئے اور فرمایا۔ میں قوم کا امین ہوں، امانت میں خیانت کب جائز ہے کہ ایک دفعہ عقبہ بن فرقہ شریک طعام تھے، اور ابابو گوشت اور کھجور کی مٹھی کے ٹکڑے زبردستی حق سے فر داکر رہے تھے، حضرت عمرؓ نے کہا اگر تم سے نہیں کہا جاتا تو نہ کھاؤ، عقبہ سے نہ رہا گیا، کہنے لگے امیر المومنین! اگر آپ اپنے کھانے پینے میں کچھ زیادہ صرفت کریں گے تو اس سے مسلمانوں کا مال کم نہ ہو جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا انہوں نے تم مجھے زیادہ عیش و تنعم کی ترغیب دیتے ہو۔

اپنے وسیع کنبہ کے لیے بیت المال سے صرف دو صد ہزار روپے لیتے تھے اور تکلیف و مسرت کے ساتھ بسر کرتے تھے، ایک دفعہ حج میں اٹھی درہم صرف ہو گئے تو اس کا افسوس ہوا، اور اسے اسراف تصور کیا جانے لگا پھر بچھٹ جاتے تھے، لیکن اس خیال سے کہ بیت المال پر بار نہ پڑے، اسی میں پیوند پر پیوند لگاتے جاتے تھے حضرت امام حسن کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے، میں نے شمار کیا تو ان کے تہ بند پر بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ اس بن مالک کا بیان ہے کہ میں نے زمانہ خلافت میں دیکھا کہ ان کے کرتے کے مونڈ پر تہ نہ تہ پیوند لگے ہوئے ہیں لہٰذا عرض فادق اعظمؓ کے زہد و قناعت کا جو نمونہ پیش کیا، دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی عظمت و شان کے تاج پر زہد و قناعت ہی کا طرہ زیب دیا ہے۔

خلافت کے بارگراں نے حضرت عمرؓ کو بیت زیادہ تحملہ بنا دیا تھا، کیونکہ اس وقت ان کی معمولی بے احتیاطی اور فرد گزاشت قوم کے لیے صد ہزاروں کا باعث ہو سکتی تھی، اور مشکوک طباطبائی ان کی ذرا سی غرض سے طرح طرح کے افسانے اختراع کر سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو کبھی ملکی عہدے نہیں دیئے کہ اس میں جانبداری پائی جاتی تھی، عمال و حکام کے تحائف واپس کر دیتے اور اس سختی سے چشم نمائی کرتے کہ پھر کسی کو جرأت نہ ہوتی۔ ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے آپ کی زوجہ عائشہؓ بنت زید کے پاس ہدیتہ ایک نفیس چادر بھیجی، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلا کر کہا، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو وہاں صرف ایک درہم موجود تھا، انھوں نے اس خیال سے کہ یہ یہاں کیوں پڑا ہے اٹھا کر حضرت عمرؓ کے صاحبزادے کو دے دیا، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے درہم واپس لے کر بیت المال میں داخل کر دیا، اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلا کر فرمایا کہ افسوس تم کو مدینہ میں آ کر عمرؓ کے سوا اور کوئی کمزور نظر نہ آیا، تم جانتے ہو کہ قیامت کے دن تمام امت محمدیہ کا مطالبہ میری گردن پر ہو گا۔ فتح شام کے بعد قیصر روم سے دو ستانہ مراسم ہو گئے تھے، اور خطہ کثرت ربی تھی، ایک دفعہ ام کلثومؓ حضرت عمرؓ کی زوجہ نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر بطرکی چند شیشیاں بھیجیں۔ اس نے اس کے جواب میں شیشیوں کو جواب دہت سے بھر کر بھیجا، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو غلط تمہارا تھا، لیکن قاصد جو لے کر گیا وہ سہواری تھا، اور اس کے مصارف عام آمدنی سے ادا کیے گئے تھے۔ چنانچہ جواب دہت لے کر بیت المال میں داخل

۱۔ اسرافیہ جلد ۱ ص ۲۱۷ کنز العمال جلد ۶ ص ۳۴۷۔ ۲۔ کنز العمال جلد ۶ ص ۳۵۰۔ ۳۔ ایضاً

گردیئے، اور ان کو کچھ معاوضہ دے دیا۔ اس طرح ایک بازار میں ایک فریب ادنٹ فروخت ہوتے دیکھا، دریافت سے معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادے عبداللہ کا ہے۔ ان سے پوچھا کہ یہ ادنٹ کیسے باہر انھوں نے لیا کہ میں نے اس کو خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا تھا، اور اب کچھ فریب ہو گیا ہے تو بیچنا چاہتا ہوں حضرت عمرؓ نے فرمایا چونکہ یہ سرکاری چراگاہ میں فریب ہوا ہے، اس لیے تم صرف اس المال کے مستحق ہو، اور قیمت قیمت لے کر بیت المال میں داخل کر دی لے

خلافت سے پہلے آپ تجارت کرتے تھے۔ بیت المال سے وظیفہ مقرر ہونے تک پیشتر تک کچھ دنوں

زمانہ خلافت میں بھی یہ مشغلہ جاری تھا۔ ایک دفعہ شام کی طرف مال بھیجا جا رہا، روپیہ کی ضرورت ہوتی تو حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف سے قرض طلب کیا۔ انھوں نے کہا، آپ امیر المؤمنین ہیں، بیت المال سے اس قدر رقم قرض لے سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بیت المال سے نہیں لوں گا، کیونکہ اگر ادا کرنے سے پہلے جاؤں گا تو تم لوگ میرے درخشاں سے مطالبہ نہ کر دو گے، اور یہ بار میرے سر رہ جائے گا اس لیے چاہتا ہوں کہ کسی ایسے شخص سے لوں جو میرے متروکہ سے وصول کرنے پر مجبور ہو سکے

ایک دفعہ بیارہوئے، طلبیوں نے شہد تجویز کیا، بیت المال میں شہد موجود تھا، لیکن قلبِ متقی بغیر

مسلمانوں کی اجازت کے لینے پر راضی نہ تھا، چنانچہ اسی حالت میں مسجد میں تشریف لائے، اور مسلمانوں کو جمع کر کے اجازت طلب کی۔ جب لوگوں نے اجازت دی تو استعمال فرمایا تے۔

بحرین سے مالِ غنیمت سے رشک وغیرہ آیا۔ اس کو مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے لیے کسی ایسے شخص کی

فائش ہوئی جس کو عطیات کے وزن میں دستگاہ ہو، حضرت عمرؓ کی بوی مانگہ بنت زید نے کہا کہ میں اس کام کو کر سکتی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا تم سے یہ کام نہیں لوں گا، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ تمہاری انگلیوں میں جو کچھ لگ جائے گا، اس میں اپنے جسم پر لگا دوں گی اور اس طرح عام مسلمانوں سے زیادہ میرے حصہ میں آجائے گا۔

ابوموسیٰ اشعریؓ نے عراق سے زیورات بھیجے، اس وقت آپ کی گود میں آپ کی سب سے محبوب تمیم

اسما بنت زید کھیل رہی تھی۔ اس نے ایک انگوٹھی ہاتھ میں لے لی۔ حضرت عمرؓ نے بلطائف العیال اس سے لے

کر زیورات میں ملا دی، اور لوگوں سے کہا کہ اس لڑکی کو میرے پاس سے لے جاؤ۔ اسی طرح عبداللہ بن ارقم نے

مصر کے حوالہ کے بعد زیورات بھیجے، تو آپ کے ایک صاحبزادے نے ایک انگوٹھی کی درخواست کی، حضرت عمرؓ

نے کہا: العیال جلد ۱ ص ۵۷، العیال جلد ۲ ص ۱۹۹، العیال جلد ۳ ص ۱۹۸، العیال جلد ۴ ص ۳۵۰

اس سوال پر خفا ہوئے اور کچھ نہ دیا۔

ایک دفعہ حضرت حفصہؓ نے سن کر کہ مالِ غنیمت آیا ہوا ہے، حضرت عمرؓ کے پاس گئیں، اور کہا، امیر المومنین! اس میں میرا حق فخر کو مناسبت کیجئے، میں ذوالقرنیٰ میں سے ہوں حضرت عمرؓ نے کہا، نورِ نظر تیرا حق تیرے خاص مال میں ہے، یہ تو غنیمت کا مال ہے۔ افسوس ہے، کہ تو نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا، وہ بے چاری حنیف ہو کر چلی گئیں۔

حضرت عمرؓ کی تمنا تھی کہ اپنے محبوب آقا حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے اجازت دے دی تھی، مگر خیال یہ تھا کہ شاید خلافت کے رعب نے انھیں مجبور کیا ہو، اس لیے اپنے صاحبزادے کو وصیت فرمائی کہ مرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر اجازت لی جائے، اگر اذن ہو تو خیر ورنہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ اس طرح وفات کے بعد فاروقِ اعظمؓ نے وضع و تقویٰ کا بدیع المثال نمونہ پیش کیا۔ رضی اللہ عنہ۔

تواضع حضرت عمرؓ کی عظمت و شان اور رعب و دلب کا ایک طرف تو یہ حال تھا کہ شخص نام سے قید و کسر کی کے ایوانِ حکومت میں لرزہ پیدا ہو جاتا تھا۔ دوسری طرف تواضع اور خاکساری کا عالم یہ تھا کہ گاندھے پر رشک دیکھ کر بوجھلہ مورتوں کے لیے پانی بھرتے تھے۔ مجاہدین کی بیویوں کا بازار سے سودا سلف خرید کر لاتے تھے، پھر اس حالت میں تھک کر مسجد کے گوشے میں فرشِ خاک پر لیٹ جاتے تھے۔

ایک دفعہ اپنے ایامِ خلافت میں سر پر چادر ڈال کر باہر نکلے، ایک غلام کو گدھے پر سوار جاتے دیکھا، چونکہ تھک گئے تھے، اس لیے اپنے ساتھ بٹھالینے کی درخواست کی، اس کے لیے اس سے زیادہ کیا شرف ہو سکتا تھا۔ فوراً اتر پڑا اور سواری کے لیے اپنا گدھا پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں اپنی وجہ سے تمہیں تکلیف نہیں دے سکتا، تم جس طرح سوار تھے سوار رہو، میں تمہارے پیچھے پیچھے لوں گا۔ غرض اسی حالت میں مدینہ کی گلیوں میں داخل ہوئے، لوگ امیر المومنین کو ایک غلام کے پیچھے دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے کہ۔

آپ کو بار بار سفر کا اتفاق ہوا، لیکن خیمہ و خرگاہ کبھی ساتھ نہیں رہا۔ درخت کا سایہ شامیانہ اور فرشِ خاک لبتہ تھا، سفر شام کے موقع پر مسلمانوں نے اس خیال سے کہ عیسائی امیر المومنین کے معمولی لباس اور بے سرو سامانی کو دیکھ کر اپنے دل میں کیا کہیں گے۔ سواری کیلئے ترکہ گھوٹا اور پھینے کیلئے تہمتی لباس پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے

فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے، وہ اسلام کی حرمت ہے اور ہمارے لیے یہی بس ہے۔

ایک دن حدیث کے اذہنوں کے بدن پر تیل مل رہے تھے ایک شخص نے کہا، امیر المؤمنین یہ کام کسی غلام

سے لیا ہوتا۔ بولے مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے، جو شخص مسلمانوں کا والی ہے وہ ان کا غلام بھی ہے۔

تشدد و توہم حضرت عمر کی تند مزاجی کے افسانے نہایت کثرت سے مشہور ہیں، اور ایک حدیث کہ

سیمر بھی میں، لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے کہ قدرت نے ان کو لطف اور حمدی سے نوازا لگا تھا، اصل یہ ہے کہ

ان کا فیظ و غضب بھی خدا کیلئے تھا، اور لطف و رحم بھی اس کیلئے جیسا کہ ایک موقع پر خود ارشاد فرمایا۔

واللہ لا ینالی فی اللہ حتی لھو

الین من الزید ولقد اشد قلبی

فی اللہ لھو اشد من الحجری

بے توہم سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر چند واقعات درج ذیل ہیں، جس سے اندازہ ہو گا کہ حضرت عمر کا غصہ اور لطف

و رحم محض خدا کے لیے تھا۔ ذاتیات کو مطلقاً دخل نہ تھا۔

غزوہ بدر میں کافروں نے نبی و اہل بیت کو مسلمانوں سے لڑنے پر مجبور کیا تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عباسؓ کہیں نہ آجائیں تو ان کو قتل نہ کرنا۔ ابو جحیفہؓ کی زبان سے نکل گیا کہ نبی و اہل بیت میں

کیا خنصر صیت ہے، اگر عباسؓ سے مقابلہ ہو گیا تو ضرور مزد چھپاؤں گا۔ حضرت عمرؓ نے گستاخی دیکھ کر آپ سے

سے بلیر ہو گئے، اور کہا، اجازت دیجیے کہ میں اس کا سر اڑا دوں۔

حضرت سائب بن ابی بنیہؓ نے فرمایا کہ عباسؓ کے صحابی تھے، یہ خود ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے لیکن ان

کے اہل و عیال مکہ میں تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کا قصد فرمایا تو حفاظت نے اپنے اہل و عیال

کی حفاظت کے خیال سے اپنے بعض مشرک دوستوں کو اس کی اطلاع دے دی حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ

انفروختے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اجازت دیجیے کہ اس کو قتل کر دوں تب اسی طرح خود بھی

نے ایک دفعہ گستاخانہ کہا، یہ فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم، عدل کر، حضرت عمرؓ غصے سے بے تاب ہو گئے، اور اس کو

قتل کر دینا چاہا، لیکن رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا، عرض اسی قسم کے متعدد واقعات ہیں جن سے اگر تم

منازع کی سختی کا اندازہ کر سکتے ہو تو دوسری طرح للہیت کا بھی اعتراف کرنا پڑے گا۔

نظہ کراہی ۲ ص ۲۲۵۔ مکہ ابن سعد تم اہل بیت کا تذکرہ عباسؓ میں کہ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ فتح رابعیت و رابعیت

بن ابی بنیہ

ایام جاہلیت میں جو سختیاں ظاہر ہوئیں وہ اصول سیاست کے لحاظ سے نہایت ضروری تھیں حضرت خالد بن ولید کی مغزولی حکام سے سختی کے ساتھ باز پرس، مذہبی پابندی کے لیے تشبیہ و تقریب، اور اسی قسم کے تمام امور حضرت عمرؓ کے فرائض منصبی میں داخل تھے اس لیے انھوں نے جو کچھ کیا وہ منصبِ خلافت کی حیثیت سے ان پر واجب تھا، ورنہ ان کا دل لطف و محبت کے شرفیافہ جذبات سے خالی نہ تھا، بلکہ وہ جس قدر مذہبی اور انتظامی معاملات میں سختی اور تشدد کرتے تھے، ہمدردی کے موقعوں پر اس سے زیادہ لطف و رحم کا بڑا ڈگری کرتے تھے خدا کی ذی عقل مخلوق میں غلاموں سے زیادہ قابلِ رحم حالت کسی کی نہیں ہوگی حضرت عمرؓ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ تمام عربی غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اور یہ قانون بنادیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے، کثر العمال میں یہ تصریح ان کا قول مذکور ہے کہ لا تسوق عبدی یعنی عربی غلام نہیں ہو سکتا۔ غلام غلاموں کا آزاد کرنا بہت مشکل تھا، تاہم ان کے حق میں بہت سی مراعات قائم کیں مجاہدین کی خواہشیں مقرر ہوئیں تو آقل کے ساتھ اسی قدر ان کے غلام کی تنخواہ مقرر ہوئی تھی۔ اکثر غلاموں کو لاکر ساتھ کھانا کھاتے، ایک شخص نے دعوت کی تو محض اس وجہ سے براہِ رخصت ہو کر اٹھ گئے کہ اس نے دسترخوان پر اپنے غلام کو نہیں بیٹھایا تھا۔ آپ اکثر حاضرین کو ناکر کہتے تھے کہ جو لوگ غلاموں کو اپنے ساتھ کھانا کھانا غلام سمجھتے ہیں خدا ان پر لعنت بھیجتا ہے۔ غلاموں کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہو جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ کوئی غلام اپنے اعزہ سے جدا نہ کیا جائے۔

۱۵۸ میں جب عرب میں ٹھٹھرا اس وقت حضرت عمرؓ کی بے قراری قابلِ دید تھی، دور دراز ممالک سے غلہ منگوا کر تقسیم کیا۔ گوشت، گھی اور دوسری مرغوب غذائیں ترک کر دیں۔ اپنے لڑکے کے ہاتھ میں خربزہ دیکھ کر خفا ہوئے کہ قوم فاقہ مست ہے، اور تو فقہیات سے لطف اٹھاتا ہے۔ غرض جیب تک قحط رہا۔ حضرت عمرؓ نے بیرق کے پیش و لطف سے اجتناب رکھا۔

عراق عجم کے معرکہ میں نعمان بن مقرن اور دوسرے بہت سے مسلمان شہید ہوئے حضرت عمرؓ پر ان کی شہادت کا اتنا اثر تھا کہ زانو قطار روٹے تھے، مالِ غنیمت آتا تو عقد سے واپس کر دیا کہ مجاہدین اور شہداء کے ورثہ میں تقسیم کر دیا جائے۔ تم نے انتظامات کے سلسلہ میں پڑھا ہو گا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں ہر جگہ نگر خانے، مسافر خانے اور تیم خانے بنوائے تھے، غریب، مساکین اور مجبور و لاچار آدمیوں کے روزیئے مقرر کر دیئے

۱۵۸ قحط الحلال ذکر العطار فی خلافت عمرؓ بن الخطاب ۳۱۸ کنز العمال جلد ۲ ص ۲۲۶

۱۵۸ ایضاً جلد ۶ دقائق الاموالہ ص ۳۲۳

تھے۔ کیا یہ تمام امور لطف و ترحم کے دائرہ سے باہر ہیں؟

حضرت عمرؓ نے ذمیوں اور کافروں کے ساتھ حسن رحمہلی اور لطف کا سلوک کیا۔ آج مسلمان مسلمان سے نہیں کرتے، زندگی کے آخری لمحے تک ذمیوں کا خیال رہا، وفات کے وقت وصیت میں ذمیوں کے حقوق پر خاص زور دیا۔ **عقوبہ** اس لطف و ترحم کی بنا پر حضرت عمرؓ مدفوع اور درگزر سے بھی کام لیتے تھے۔ ایک دفعہ حرب بن قیس اور عیینہ بن حصن حاضر خدمت ہوئے عیینہ نے کہا آپ انصاف سے حکومت نہیں کرتے۔ حضرت عمرؓ اس کلمہ پر بہت مضطرب ہوئے۔ حرب بن قیس نے کہا امیر المؤمنین قرآن مجید میں آیا ہے۔ **خذ العفو و امر بالعرف و نہ اعرض عن الجاہلیت**۔ یہ شخص جاہل ہے اس کی بات کا خیال دیکھئے۔ اس گفتگو سے حضرت عمرؓ کا غصہ بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔

رقاہ عام حضرت عمرؓ نے فریضہ خلافت کی حیثیت سے رزاق عام اور نئی نوع انسان کی سببوری کے جو کام کیے۔ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ ذاتی حیثیت سے بھی ان کا ہر لمحہ خلق اللہ کی نفع رسانی کے لیے وقف تھا۔ ان کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے، اور سورتوں سے پوچھ کر بازار سے سودا سلف لا دیتے، مقام جنگ سے قاصد آتا تو اہل فوج کے خطوط ان کے گھروں میں پہنچا آتے،

اور جس گھر میں کوئی لکھا پڑھا نہ ہوتا خود ہی چوکھٹ پر بیٹھ جاتے، اور گھر والے جو کچھ لکھاتے کھہ دیتے، راتوں کو ہوا گشت کرتے کہ عام آبادی کا حال معلوم ہو، ایک دفعہ گشت کرتے ہوئے عرب سے تین میل کے فاصلہ پر مقام جمران پہنچے، دیکھا کہ ایک عورت پکاری ہے اور دتین بچے رو رہے ہیں، پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی، عورت نے کہا، بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں۔ میں نے ان کے بلانے کو خالی ہانڈی چڑھا دی ہے۔ حضرت عمرؓ اسی وقت مدینہ آئے، اور آٹا، گھی، گوشت اور کھجوریں لے چلے۔ حضرت عمرؓ کے غلام اسلم نے کہا میں یہ چلتا ہوں۔ فرمایا اہل اقیامت میں تم میرا باپ نہیں اٹھاؤ گے اور خود ہی سب سامان لیکر عورت کے پاس گئے، اس نے کھانا پکانے کا انتظام کیا۔ حضرت عمرؓ نے خود چوہا پھونکا، کھانا تیار ہوا تو بچے کھا کر خوشی اچھلنے کودنے لگے حضرت عمرؓ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے،

ایک دفعہ کچھ لوگ شہر کے باہر اتارے حضرت عمرؓ نے عبدالرحمن بن عوف کو ساتھ لیا اور کہا تم لوگوں کے متعلق مدینہ کے چرووں کا ذکر لگا سولہت چلو ہم دونوں چل کر پھرہ دیں چنانچہ دونوں کوئی رات بھر پھرہ دیتے رہے۔

۱۔ بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیہود والاتفاق علی عثمانؓ کہ کراہمال ج ۶ ص ۵۲

۲۔ کنز العمال جلد ۶ ص ۳۵۲

۳۔ ۲۷۲۳

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک بدو کے خیمے سے رونے کی آواز آئی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ بدو کی عدوت دروازہ میں مبتلا ہے حضرت عمرؓ گھر آئے اور اپنی بی بی ام کلثومؓ کو ساتھ لے کر بدو کے خیمے میں گئے۔ حضورؐ دیوے کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ ام کلثومؓ نے پکار کر کہا اے امیر المؤمنین اپنے دوست کو مسد کبلا دیکھئے۔ بدو امیر المؤمنین کا لفظ سن کر چونک پڑا۔ حضرت عمرؓ نے کہا بچہ خیال نہ کرو، کل میرے پاس آنا بچہ کی تنخواہ مقرر کروں گا۔ حضرت عمرؓ اپنی غیر معمولی مصروفیات میں بھی مجبوراً بیکس اور اپنا بیج آدمیوں کی خدمت گزاروں کی لیے وقت نکال لیتے تھے۔ مدینہ سے اکثر نابینا اور ضعیف اشخاص فاروق اعظمؓ کی خدمت گزاروں کے مہنوں تھے۔ خصوصاً کاہنہ عالم تھا کہ خود ان لوگوں کو خبر بھی نہ تھی کہ یہ فرشتہ رحمت کون ہے؟ حضرت طلحہؓ کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت امیر المومنین کو ایک چھوٹے سے جلتے دیکھا، خیال ہوا کہ یہاں فاروق اعظمؓ کا کام؟ درخت سے معلوم ہوا کہ اس میں ایک نابینا ضعیف فرشتہ رہتا ہے، اور وہ روز اس کی خبر گیری کے لیے جیلا کرتے ہیں۔

خدا کی راہ میں دنیا حضرت عمرؓ بہت زیادہ دولت مند تھے، تاہم انھوں نے جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کیا وہ ان کی حیثیت سے بہت زیادہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کی تیاری کی تو اکثر صحابہؓ نے مزدور مالتِ جنگ کے لیے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں، حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اپنے مال و اسباب میں سے آدھا لے کر پیش کیا۔

یہود بنی حارثہ سے آپ کو ایک زمین ملی تھی، اس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا، اسی طریقے سے خیمہ میں ایک بہترین سیر حاصل قطعاً اراضی ملا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے ایک قطعہ زمین ملا ہے، جس سے بہتر میرے پاس کوئی جائیداد نہیں ہے، آپؐ کا کیا ارشاد ہے؟ آپؐ نے فرمایا وقف کر دو، چنانچہ حسب ارشاد نبویؐ قرار، اعتراف، مسافر غلام اور حجاب کے لیے وقف کر دیا۔

ایک دفعہ ایک اعرابی نے نہایت رقت انگیز اشعار سنائے اور دستِ سوال دراز کیا حضرت عمرؓ تشریح فرمادے دیا۔

مساوات کا خیال عبد قاسمیؓ میں شاہ و گلا، امیر و غریب، مفلس و مالدار سب ایک حال میں نظر آتے تھے۔ ممالک کو تیکڑی حکم تھا کہ کسی طرح کا امتیاز و نمود اختیار نہ کریں۔ حضرت عمرؓ نے خود ذاتی حیثیت سے بھی مساوات اپنا خاص شعار بنایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنی معاشرت نہایت سادہ رکھی تھی۔ تعظیم و تکریم کو

من کنز العمال ج ۶ ص ۴۴۳ لہ ترقی فضائل الابرار لہ ابو داؤد کتابہ الاحیاء باب ما جانی الرجل یوقف الوقف۔

دل سے ناپسند کرتے تھے، ایک دفعہ کسی نے کہا، میں آپ پر تربان فرمایا اس زکبا کرو، اس سے تمہارا نفس ذلیل ہو جائے گا، اسی طرح زید بن ثابت قاضی مدینہ کی عدالت میں مدعا علیہ کی حیثیت سے گئے تو انھوں نے انہیں کے لیے جگہ خالی کر دی، حضرت عمرؓ نے کہا: تم نے اس مقدمہ میں یہ پہلی نا انصافی کی؟ یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔

www.KitaboSunnat.com

آپ کا مقولہ تھا کہ میں اگر عیسٰی و سحری کی زندگی بسر کروں اور لوگ مصیبت و افلاس میں رہیں تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ سفر شام میں نفیس و لذت کھانے پیش کیے گئے تو پوچھا کہ عام مسلمانوں کو بھی یہ الوان نعمت میسر ہیں؟ لوگوں نے کہا ہر شخص کے لیے کس طرح ممکن ہے؟ فرمایا تو پھر مجھے بھی اس کی حاجت نہیں؟

خلافت کی حیثیت سے فاروق اعظمؓ کے جاویدال کا سکہ تمام دنیا پر بیٹھا ہوا تھا، لیکن مساوات کا یہ حال تھا کہ قیصر و کسری کے سفر آتے تھے تو انھیں یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ شاہ کون ہے درحقیقت حضرت عمرؓ نے فرمودہ بن کر مسلمانوں کو مساوات کا ایسا درس دیا تھا کہ حکم و حکوم اور آقا و غلام کے سلسلے امتیازات اٹھ گئے تھے۔

غیرت حضرت عمرؓ باطن غیور واقع ہوئے تھے، یہاں تک کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی غیرت کا پاس لگاؤ کرتے تھے۔ صحیح مسلم، ترمذی اور صحاح کی تقریباً سب کن بوں میں یا اختلاف الفاظ مروی ہے کہ معراج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں ایک عالی شان قصر ملاحظہ فرمایا جو فاروق اعظمؓ کے لیے مخصوص تھا۔ اس کے اندر صرف اس وجہ سے تشریف نہیں لے گئے کہ آپ کو ان کی غیرت کا حال معلوم تھا۔ آپ نے حضرت عمرؓ سے اس کا ذکر فرمایا تو وہ زور کو کہنے لگے، یا ابی انت امی اعلیک انما یعنی میرے باپ ماں فلاہوں کیا میں حضور کے مقابلہ میں غیرت کروں گا سکہ

آیت حجاب نازل ہونے سے پہلے عرب میں پردہ کا رواج نہ تھا، یہاں تک کہ خود رواج مطہرات پر وہ نہیں کرتی تھیں، حضرت عمرؓ کی غیرت اس لیے حجابی کو نہایت ناپسند کرتی تھی۔ بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہوئے کہ آپ ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم دیں، اس خواہش کے بعد ہی آیت حجاب نازل ہوئی آپ کی غیرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب آپ کو خبر ملی کہ مسلمان عورتیں جہانوں میں عورتوں کے سامنے بے پردہ ہناتی ہیں تو تحریری حکم جاری کیا کہ مسلمان عورت کا بغیر نہ برب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں۔

۱۰ کنز العمال جلد ۳ ص ۱۴۶ ۱۴۷ بحاری مناقب عمرؓ

خانگی زندگی

حضرت عمر کو اولاد و ازواج سے محبت تھی، مگلاس قدر نہیں کہ خالق تو مخلوق کے تعلقات میں فتنہ نابت ہو۔ اہل خاندان سے بھی زیادہ شغف نہ تھا، البتہ زید سے جو حقیقی بھائی تھے، نہایت الفت رکھتے تھے۔ جب سودہ میامہ کی جنگ میں شہید ہو گئے تو نہایت قلق ہوا، فرمایا کرتے تھے کہ جب میامہ کی طرف سے

برو جاتی ہے، تو جھیکو زید کی ہنوشیوا آتی ہے بلکہ زید نے اسماعیلی ایک لڑکی چھوڑی تھی، اسکو بہت پیار کرتے تھے۔ کہ سے ہجرت کر کے آئے تو مدینہ سے دو میل پر عوالی میں رہتے تھے، لیکن خلافت کے بعد خاص طور

میں سجد نبوی کے متقل سکونت اختیار کی، چونکہ وفات کے وقت وصیت کر دی تھی کہ مکان بیخ کر قرض ادا کیا جائے اس لیے یہ مکان فروخت کر دیا گیا اور عرصہ و راز تک دار القضا کے نام سے مشہور رہا۔

حصول معاش کا اعلیٰ ذریعہ تجارت تھا۔ مدینہ پہنچ کر زراعت بھی شروع کی تھی، لیکن خلافت کے بارگراں نے انھیں ذاتی مشاغل سے روک دیا، تو ان کی مسرت کو دیکھ کر صحابہؓ نے اس قدر تنخواہ مقرر کر دی جو معمولی خوراک اور لباس کے لیے کافی ہو، شاہد میں لوگوں کے وظیفے مقرر ہوئے، تو حضرت عمر کے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر ہوا۔

غذا نہایت سادہ تھی، یعنی صرف روٹی اور دہن زیتون پر گزارہ تھا۔ کبھی کبھی گوشت دودھ، ترکاری اور سرکہ بھی دسترخوان پر ہوتا تھا۔ لباس بھی نہایت معمولی ہوتا تھا۔ بیشتر صرف قمیض پہنتے تھے۔ اکثر عامہ باندھتے تھے، جو ترقیم عربی وضع کی ہوتی تھی۔

حلیہ یہ تھا۔ رنگ گندم گوں، سرچندلا، رخسارے کم گوشت، داڑھی گھنی، مونچھیں بڑی بڑی قدر نہایت طویل، یہاں تک کہ سینکڑوں کے مجمع میں کھڑے ہوں تو سب سے سر بلند نظر آئیں۔

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۲ تذکرہ فدین بن خطاب۔ ۲۔ یہ وظیفہ بھی خلافت کی خصوصیت کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ تمام بدی صحابیوں کا وظیفہ پانچ ہزار تھا۔ دیکھو فتوح البلدان ذکر العطاء فی خلافت عمر بن الخطاب۔

امیر المؤمنین عثمان بن عفانؓ و النورین

نام و نسب: خاندان عثمان نام، ابو عبد اللہ اور ابو عمر و کنیت، ذو النورین لقب، والد کا نام عثمان بن العاص کا نام اردی تھا۔ والد کی طرف سے پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ عثمان بن عفان بن ابی العاص ابن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرظی۔ والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے۔ اردی بنت کریم بن بیعد بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کا سلسلہ پانچویں پشت میں عبد مناف پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کی نانی بیضا ام الحکیم حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کی سگی بہن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوپھی تھیں ماس لیے وہ ماں کی طرف سے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے قریشی رشتہ دار ہیں لہ آپ کو ذو النورین (دونوں دلا) اس لیے کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں کیے بعد دیگرے ان کے نکاح میں آئیں۔

حضرت عثمانؓ کا خاندان ایام جاہلیت میں غیر معمولی دولت و ثناء رکھتا تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ امیر بن عبد شمس قریش کے رئیسوں میں تھے۔ خلفائے نبو امیہ اسی امیر بن عبد شمس کی طرف سے منسوب ہو کر امویین کے نام سے مشہور ہیں۔ عقاب یعنی قریش کا قومی علم اسی خاندان کے قبضہ میں تھا جنگ خیبر میں امیر خاندان کا نامور سردار حرب بن امیہ سپہ سالار اعظم کی حیثیت رکھتا تھا عقبہ بن معیط نے جو اپنے زور اثر اور قوت کے لحاظ سے اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا، اموی تھا۔ اسی طرح ابوسفیان بن حرب جنہوں نے قبول اسلام سے پہلے غزوہ بدر کے بعد تمام غزوات میں رئیس قریش کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا تھا۔ اسی اموی خاندان کے ایک رکن تھے۔ غرض حضرت عثمانؓ کا خاندان شرافت، ریاست اور غزوات کے لحاظ سے عرب میں نہایت ممتاز تھا اور نبوہاظم کے سوا دوسرا خاندان اس کا ہمسر نہ تھا۔

حضرت عثمانؓ واقعہ قبل کے چھٹے سال یعنی ہجرت نبوی سے ۷۷ برس قبل پیدا ہوئے، بچپن اور سرن رشد کے حالات پردہ خفا میں ہیں، لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عام اہل عرب کے خلاف اسکا زمانہ میں کھٹا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ عہد شباب کا آغاز ہوا تو تجارتی کاروبار میں مشغول ہوئے۔ اور اپنی مدد

لے فتح اباری کتاب المصاب -

دیانت اور استیلائی کے باعث غیر معمولی فروغ حاصل کیا۔

قبولِ اسلام حضرت عثمانؓ کا چونتیسواں سال تھا کہ مکہ میں توحید کی صدائے غلغلہ انداز بلند ہوئی، گو ملی

رسم و رواج اور عرب کے مذہبی تخیل کے لحاظ سے حضرت عثمانؓ کے لیے یہ آواز نامانوس تھی، تاہم وہ اپنی نظری

مغضت پارسائی، دیانتداری اور استیلائی کے باعث اس داعیِ حق کو لیبیک کہنے کے لیے بالکل تیار تھے

حضرت ابوبکر صدیقؓ ایمان لائے تو انھوں نے دینِ مہین کی تبلیغ و اشاعت کو اپنا نصب العین قرار

دیا اور اپنے حلقہٴ احباب میں یقین و ہدایت کا کام شروع کیا۔ آیامِ جاہلیت میں ان سے اور حضرت عثمانؓ سے

ارتباط تھا، اور اکثر بہت نخلصانہ صحبت رہتی تھی، ایک روز وہ حسبِ معمول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے

اور اسلام کے متعلق گفتگو شروع کی۔ حضرت ابوبکرؓ کی گفتگو سے آپ اتنے متاثر ہوئے کہ بارگاہِ نبوتؐ میں حاضر

ہو کر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ابھی دونوں بزرگ جانے کا خیال ہی کر رہے تھے کہ خود سر کائناتؐ کی

علیہ وسلم تشریف لے آئے، اور حضرت عثمانؓ کو دیکھ کر فرمایا: عثمان! خدا کی جنت قبول کر میں تیری اور تمام خلق

کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوا ہوں، حضرت عثمانؓ کا بیان ہے کہ زبانِ نبوتؐ کے ان سادہ و صاف جملوں

میں خدا جانے کیا تاثیر تھی کہ میں نے اختیارِ کلمہ شہادت پڑھنے لگا، اور دستِ مبارک میں ہاتھ میں دے کر حلقہ

جو شمسِ اسلام ہو گیا۔

اس موقع پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ حضرت عثمانؓ کا تعلق اموی خاندان سے تھا جو نبویشم

کا حریف تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کو اس لیے خوف و حسد کی نگاہ سے دیکھتا تھا کہ اس طریقہ

سے عرب کی سیادت کی باگ بنوائیے گئے ہاتھ سے نکل کر نبویشم کے دستِ اقتدار میں چلی جائے گی یہی وجہ

تھی کہ عقبہ بن معیط اور ابوسفیان وغیرہ اس تحریک کے دبنے میں نہایت سرگرمی سے پیش پیش تھے

لیکن حضرت عثمانؓ کا آئینہ دل خاندانی تعصب کے گرد و غبار سے پاک تھا۔ اس لیے اس قسم کی کوئی موشگوش

یعنی ان کی صفائے باطن کو مکدر نہ کر سکی۔ انھوں نے نہایت آزادی کے ساتھ اپنے خاندان کے خلاف اس

راہ میں حق کی آواز پر لیبیک کہا، جبکہ صرف پینتیس یا چھتیس دن و مرد اس خوف سے مشرف ہوئے تھے۔

شادی قبولِ اسلام کے بعد حضرت عثمانؓ کو وہ شرف حاصل ہوا جو ان کی کتابِ منقبت کا سب سے درخشاں

باب ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فرزندگی میں قبول فرمایا۔ آپ کی منجلی صاحبزادی زینبہ کا نکاح

۱۵ اہل جلد ۸ تذکرہ سعدی بنت کریم۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پہلے ابولہب کے بیٹے عقبہ سے ہوا تھا، مگر اسلام کے بعد عقبہ کے باپ ابولہب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی عداوت ہو گئی تھی کہ اس نے اپنے بیٹے پر دباؤ ڈال کر لیاق دلدادی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادی محمدہ کا دوسرا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔ حضرت عثمان کی اس شادی کے متعلق بعض اقوال یہ ہر وہ روایتیں کتابوں میں ہیں، مگر وہ تمام تر جھوٹی اور جعلی ہیں، اور محدثین نے موضوعات میں ان کا شمار کیا ہے۔

حبشہ کی ہجرت | مکہ میں اسلام کی روز افزوں ترقی سے مشرکین قریش کے غیظ و غضب کی آگ روز بروز زیادہ مشتعل ہوتی جاتی تھی۔ حضرت عثمانؓ بھی اپنی وجاہت اور خاندانی عزت کے باوجود عام بلا نشان اسلام کی طرح جفا کاروں کے ظلم و ستم کے نشانہ تھے۔ ان کو خوردان کے چچانے باندھ کر مارا، اعزہ و اقداب نے سر و مہر ہی شروع کی، اور رفتہ رفتہ ان کی سخت گیری اور جفا کاری یہاں تک بڑھی کہ وہ ان کی برداشت سے باہر ہو گئی، اور بالآخر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہؓ کو ساتھ لے کر مکہ حبش کی طرف روانہ ہو گئے۔ چنانچہ یہ پہلا قافلہ تھا جو حق و صداقت کی محبت میں وطن اور اہل وطن کو چھوڑ کر جلا وطن ہوا۔

ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا، اس لیے پریشان خاطر تھے۔ ایک روز ایک عورت نے خیر ذی کما سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔ اتنا معلوم ہونے کے بعد آپ نے فرمایا:-

ان عثمان اول صحت ہا جس
یعنی اس میری امت میں عثمان پہلا شخص ہے

باہلہ من ہذا الامت لہ
جو اپنے اہل دیار کو لے جلا وطن ہوا۔

حضرت عثمانؓ اس ملک میں چند سال رہے، اس کے بعد جب بعض اور صحابہ قریش کے اسلام کی غلط خبر پا کر اپنے وطن واپس آئے تو حضرت عثمانؓ بھی آگئے، یہاں آکر معلوم ہوا کہ یہ خیر جوڑی ہے۔ اس بنا پر بعض صحابہ پھر مکہ حبش کی طرف گئے، مگر حضرت عثمانؓ پھر نہ گئے۔

مدینہ کی طرف | اسی اثنا میں مدینہ کی ہجرت کا سامان پیدا ہو گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام اصحاب کو مدینہ کی ہجرت کا ایسا فرمایا، تو حضرت عثمانؓ بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے، اور حضرت اوس بن ثابتؓ کے ہمراہ ہوئے، اور آپ نے ان میں اور حضرت اوس بن ثابتؓ میں برادری قائم کر دی۔ اس ملاخات سے دونوں خاندانوں میں جس قدر محبت اور یگانگت پیدا ہو گئی تھی، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت پر حضرت حسان بن ثابتؓ تمام عمر سو گوارا رہے، اور ان کا

لے احابہ جلد ۸ تذکرہ سعدی بنت کریمہ طبقات ابن سعد قسم اول جز ثلث ص ۳۸۔ ۵ احابہ جلد ۸ تذکرہ رقیہؓ

نہایت پرورد مشیر لکھا۔

سیر و دمہ کی خریداری مدینہ آنے کے بعد ہاجرین کو پانی کی سخت تکلیف تھی۔ تمام شہر میں صرف

سیر و دمہ ایک کنواں تھا جس کا پانی پینے کے لائق تھا۔ لیکن اس کا مالک ایک یہودی تھا اور اس نے اس کو

ذراچھٹا کر لاش بنا رکھا تھا۔ حضرت عثمان نے اس عام مصیبت کو دفع کرنے کے لیے اس کنویں کو خرید کر وقف

کر دینا چاہا۔ سہمی بیخ کے بعد یہودی صرف نصف حق فرخت کرنے پر راضی ہوا۔ حضرت عثمان نے بارہ ہزار

درہم میں نصف کنواں خرید لیا۔ اور شرط یہ قرار پائی کہ ایک دن حضرت عثمان کی باری ہوگی، اور دوسرے

دن اس یہودی کے لیے یہ کنواں مخصوص رہے گا۔

جس روز حضرت عثمان کی باری ہوتی تھی، اس روز مسلمان اس قدر پانی بھر کر رکھتے تھے کہ دو دن

تک کے لیے کافی ہوتا تھا۔ یہودی نے دیکھا کہ اب اس سے کچھ نفع نہیں ہو سکتا تو وہ بقیہ نصف بھی فرخت

کرنے پر راضی ہو گیا۔ حضرت عثمان نے آٹھ ہزار درہم میں اس کو خرید کر عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔

اس طرح اسلام میں حضرت عثمان کے فیضِ کرم کا یہ پہلا ترشح تھا جس نے توحید کے تشنہ لبوں کو

سیراب کیا۔ فجزاۃ اللہ خلیفہ الجزائر۔

غزوات اور دیگر حالات

ہجرت مدینہ کے بعد بھی مشرکین نے مسلمانوں کو سکون و اطمینان سے بیٹھنے نہیں دیا، اور اب تحقیر و تذلیل کے بجائے اسلام کی روند افزوں ترقی سے مخالف و ہراساں ہو کر تیر و تفننگ اور تیغ و سنان کی قوت سے اس کی تیغ کنی پر آمادہ ہوئے چنانچہ مکہ سے فرج مکہ تک خوزیر جنگوں کا سلسلہ قائم رہا حضرت عثمانؓ اگرچہ نظر سہا ہیما نہ کاموں کے لیے جہاں نشدی و فدا کاری میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

غزوہ بدر اور حضرت رقیہؓ کی عیالیت کفر و اسلام کی سب سے پہلی جنگی آئینہ جہاں جو بدر کی صورت میں ہوئی حضرت عثمانؓ اس میں ایک اتفاقی حادثہ کے باعث شریک ہونے پر مجبور رہے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نور نظر حضرت رقیہؓ بمبار ہو گئی تھیں، اس لیے حضور لایزال صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ میں تیار داری کے لیے چھوڑ دیا، اور فرمایا تم کو شرکت کا اجر اور مالی غنیمت کا حصہ دونوں ملے گا۔ اگلے دو خود تین سو سترہ قندوسیوں کے ساتھ بدر کی طرف تشریف لے گئے۔

حضرت رقیہؓ کا یہ مرض درحقیقت پیام موت تھا، لیکن گساہ شویہر کی جانفشانی و تندہی سب کچھ کمر کسی تھی، لیکن قصائے الہی کو کیونکر روکتی، مرض روز بروز بڑھتا گیا، یہاں تک کہ آپ کی غیر حاضری ہی میں چند روز بعد وفات پا گئیں۔ **وَاِنَّ اللّٰهَ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ**۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ اس ملکہ محبت کی تجویز و تکلیف میں مشغول تھے کہ نعرہ تکبیر کی صدا آئی، دیکھا تو حضرت زید بن حارثہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقہ پر سوار فوج بدر کا شردہ لے کر آ رہے ہیں۔ محبوب بیوی اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نور نظر کی وفات کا سانحہ کوئی معمولی سانحہ نہ تھا۔ اس حادثہ کے بعد حضرت عثمانؓ ہمیشہ افسردہ خاطر رہتے تھے کچھ اسلام کی پہلی استعماں گاہ (بدر) سے غمزدی کا بھی افسوس تھا۔ حضرت عمرؓ نے ہمدردی کے طور پر کہا کہ جو ہونا تھا ہو گیا، اب اس قدر رنج و غم سے کیا فائدہ؟ حضرت عثمانؓ نے کہا افسوس! میں میں قدر اپنی محرومی قیمت پر ماتم کروں کم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یتیمت کے دن میری قرابت کے سوا تمام داریاں منقطع ہو جائیں گی، افسوس کہ میرا رشتہ خاندان رسالت سے ٹوٹ گیا۔ آٹھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلدہی فرمائی اور چونکہ ان کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لے بخدی کتاب المناقب باب مناقب عثمانؓ ص ۶ جلد ۶ ص ۳۷۹۔

نہ اپنی صاحبزادی کی تیمارداری کے لیے چھوڑ دیا تھا، جس کے باعث وہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اس لیے آپ نے ان کو بھی مجاہد قرار دیا اور بدر کے مالِ غنیمت میں سے ایک مجاہد کے برابر حصہ ان کو عنایت فرمایا اور بشارت دی کہ وہ اجرو ثواب میں بھی کسی سے کم نہیں رہیں گے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے انکا نکاح کر دیا اور خلدانِ رسالت سے ہجرت کا تعلق قائم ہو گیا۔ غزوہ بدر کے بعد اور جس قدر معرکے پیش آئے، سب میں عثمانؓ پامردی، استقلال اور مردانہ شجاعت کے ساتھ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے اور ہر موقع پر اپنی اصلیت رائے اور جوش و ثبات کے باعث آپ کے دست و بازو ثابت ہوئے۔

غزوہ احد | سوال سہ میں جب غزوہ احد پیش آیا تو پہلے غازیانِ دین نے غنیم کو شکست دے کر میدان سے بھاگا دیا، لیکن وہ مسلمان تیرانداز جو عقب کی حفاظت کر رہے تھے اپنی جگہ چھوڑ کر مالِ غنیمت جمع کرنے لگے۔ کفار نے اس جنگی غلطی سے فائدہ اٹھایا۔ پیچھے سے اچانک حملہ کر دیا مسلمان اس سے غافل تھے، اسی لیے اس ناگہانی حملے کو روک نہ سکے اور بے ترتیبی سے منتشر ہو گئے۔ اسی اثناء میں مشہور ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی۔ اس افواہ نے جان نثاروں کے حواس اور بھی گم کر دیئے، سوائے چند آدمیوں کے جو جہاں تھا وہیں متحیر ہو کر رہ گیا۔ حضرت عثمانؓ بھی ان ہی لوگوں میں تھے۔

جنگِ احد میں صحابہؓ کا منتشر ہو جانا اگرچہ ایک اتفاقِ سانحہ تھا جو مسلمان تیراندازوں کی غلطی کے باعث پیش آیا، تاہم لوگوں کو اس کا سخت مال تھا، خصوصاً حضرت عثمانؓ نہایت پریشان تھے، لیکن یہ اتفاقِ غلطی تھی، اس لیے خدائے پاک نے وحی کے ذریعہ سے مفروعات کی بشارت دے دی۔

اور تم سے وہ لوگ جنہوں نے جنگ کے موقع پر پشت
کھائی حقیقت میں شیطان نے انکے بعض اعمال
کے بدلے میں پھلادیا، اللہ نے ان کو معاف کر دیا اور
بیشک خدا بڑا عظیم والا اور آمر ناکار ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ كُوَلُّواْ مَنكُمُ يَوْمَ الْمَعِي
الْجُمُعَاتِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ
بِنَجْوٰى مَكْسُوْبٍ اَوْ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ
عَنكُمُ اِنَّ اللّٰهَ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ

دیگر غزوات | غزوہ احد کے بعد سب سے غزوہ ذات الرقاع پیش آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس مہم میں تشریف لے گئے تو حضرت عثمانؓ کو مدینہ میں قائم مقامی کا شرف حاصل ہوا۔

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ج ۱، ص ۳۹۔

پھر بنیضیر کی بجلا وطنی عمل میں آئی۔ اس کے بعد شہدہ میں غزوہ خندق کا معرکہ پیش آیا حضرت عثمان ان تمام کہات میں شریک تھے۔ ۱۰ سالہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت کعبہ کا قصد فرمایا حدیبیہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ مشرکین آدابہ پر خاشاں ہیں۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اڑنا مقصود نہیں تھا۔ اس لیے مصالحت کے خیال سے حضرت عثمان کو سفیر بنا کر بھیجا۔

سفارت کی خدمات ایسے کئے گئے کہ ان کو ہمارے قریش نے ان کو روک لیا، اور سخت ننگرانی قائم کر دی کہ وہ اہل سر نہ جانے پاس، جب کئی دن گزر گئے اور حضرت عثمان کا کچھ حال نہیں ہوا تو مسلمانوں کو سخت تردد ہوا اس حالت میں افاہ پھیل گئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سن کر حضرت عثمان کے خون کے انتقام کے لیے صحابہ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے، ایک درخت کے نیچے بیعت لی، اور حضرت عثمان کی طرف سے خود اپنے دست مبارک پر دوسرا ہاتھ رکھ کر بیعت کی۔ یہ حضرت عثمان کے تاج فخر کا وہ شرف ہے جو ان کے علاوہ اور کسی کے حصہ میں نہ آیا۔

ایک دن ایک خارجی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے دریافت کیا، کیا یہ سچ ہے کہ حضرت عثمان نے بیعت رضوان نہیں کی، آپ نے جواب دیا کہ ہاں عثمان اس وقت موجود نہ تھے، مگر اس ہاتھ نے ان کی طرف سے قائم مقامی کی جس سے بہتر کوئی دوسرا ہاتھ نہیں بلکہ یہ درحقیقت یہ بیعت حضرت عثمان ہی کے خون کے انتقام کے لیے منعقد ہوئی تھی، اس سے بڑھ کر شرف اور کیا ہو سکتا ہے۔

آخر میں مشرکین قریش نے مسلمانوں کے جوش سے خائف ہو کر مصالحت کر لی، اور حضرت عثمان کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال بغیر عمرہ کیے اپنے فداؤں کے ساتھ مدینہ واپس چلے آئے۔ ۱۱ سالہ میں معرکہ خیبر پیش آیا پھر ۱۲ سالہ میں مکہ فتح ہوا، اسی سال ہوازن کی جنگ جو غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے ہوئی حضرت عثمان ان تمام معرکوں میں شریک رہے۔

غزوہ تبوک اور تحبیرہ جلسہ عشرہ ۱۳ سالہ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ تیسرے روز مہرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ اس کا تذکرہ فرمودی تھا، لیکن یہ زمانہ نہایت کسرت اور تنگی کا تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تشویش ہوئی اور صحابہ کو جنگی سامان کے لیے زرواں سے اعانت کی تزییب دلائی، اکثر لوگوں

نے سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۱۶۶ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعزاز کا ذکر فرماتے ہیں کہ بخاری کتاب المناقب باب مناقب عثمان میں بھی ہے، اور واقعات کی تفصیلات بخاری کتاب الشریطہ والمصالحات مع اہل الحرب میں ہے

نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں، حضرت عثمانؓ ایک متمول تاجر تھے۔ اس زمانہ میں ان کا تجارتی قافلہ ملک شام سے نفع کثیر کے ساتھ واپس آیا تھا، اس لیے انھوں نے ایک تہائی فوج کے مجملہ اخراجات تہنایہ ذمہ لے لیے۔ ابن سحلکی روایت کے مطابق غزوة تبوک کی فہم میں تیس ہزار سپاہی اور دس ہزار سوار شامل تھے۔ اس بنا پر گو با حضرت عثمانؓ نے دس ہزار سے زیادہ فوج کے لیے سامان نہیا کیا، اداس اہتمام کے ساتھ کہ اس کے لیے ایک ایک تسمہ تک ان کے روپے سے خرید لیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ ستر گھوڑے اور سامان رسد کے لیے ایک ہزار دینار پیش کیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس فیاضی سے اس قدر خوش تھے کہ شرفیوں کو دست مبارک سے اچھالتے تھے اور فرماتے تھے۔

ماضر عثمان ما عمل بعد هذا ایوم
یعنی آج کے بعد عثمان کا کوئی کام کو نقصان نہیں پہنچے گا۔

سنہ ۱۱ میں سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا، جو حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے، حضرت عثمانؓ بھی بمرکاب تھے، حج سے واپس آنے کے بعد ماہ ربیع الاول ۱۱ سنہ کی ابتدا میں سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بیمار ہوئے اور بارہویں ربیع الاول دو شنبہ کے دن رگزمین علم جادواں ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عقینہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دست مبارک پر خلافت کی بیعت ہوئی، خلافت صدیقی میں حضرت عثمانؓ مجلس شوریٰ کے ایک معتبر رکن تھے۔ سواد برس کی خلافت کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی رحلت فرمائی اور حضرت ابو بکرؓ کی وصیت اور عام مسلمانوں کی پسندیدگی سے حضرت فاروق اعظمؓ متذکرہ آئے خلافت ہوئے، حضرت عمرؓ کے استعلاء کا وصیت نامہ حضرت عثمانؓ ہی کے ہاتھ سے لکھا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ بات لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ وصیت نامہ کے دوران کتابت میں کھسی خلیفہ کا نام لکھانے سے قبل حضرت ابو بکرؓ پر غشی طاری ہوگئی، حضرت عثمانؓ نے اپنی عقل و فراست سے سمجھ کر اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا۔ حضرت ابو بکرؓ کو ہمیشہ آیا تو پوچھا کہ پڑھو کیا لکھا؟ انھوں نے مانا شروع کیا، اور جب حضرت عمرؓ کا نام آیا تو حضرت ابو بکرؓ نے اختیار اللہ اکبر کیا، ارٹھے، اور حضرت عثمانؓ کی اس فہم و فراست کی بہت تعریف و توصیف کی گئی۔

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۰۲ و ترمذی ابواب المناقب باب مناقب عثمانؓ
۲۔ ابن سعد جلد ۳ قسم اقل تذکرہ ابو بکرؓ

تقریباً دس برس خلافت کے بعد ۳۳ھ میں حضرت عمرؓ نے بھی سفر آخرت اختیار کیا، مرض الموت میں لوگوں کے اصرار سے ہمدہ خلافت کے لیے چھ آدمیوں کا نام پیش کیا کہ ان میں سے کسی کو منتخب کر لیا جائے، علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبد الرحمن بن عوفؓ، اور تائید کیا کہ تین دن کے اندر انتخاب کا فیصلہ ہونا چاہیے۔

فادق اعظمؓ کی تجویز و تکفین کے بعد انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا، اور دو دن تک اس پر بحث ہوتی رہی، لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا، آخر تیسرے دن حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے کہا کہ دھیت کے مطابق خلافت چھ آدمیوں میں دائر ہے، لیکن اس کو تین شخصوں تک محدود کر دینا چاہیے اور جو اپنے خیال میں جس کو مستحق سمجھتا ہو، اس کا نام لے۔ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی نسبت رائے دی حضرت سعدؓ نے حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کا نام لیا حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کو پیش کیا۔ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے کہا میں اپنے حق سے باز آتا ہوں، اس لیے اب یہ معاملہ صرف دو آدمیوں میں منحصر ہے، اور ان دونوں میں سے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور سنت شیخینؓ کی پابندی کا عہد کرے گا، اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔ اس کے بعد علیؓ علیہ السلام نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ دونوں اس کا فیصلہ میرے ہاتھ میں دے دیں، اس پر ان دونوں کی رضامندی لینے کے بعد حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ اور تمام صحابہ کرامؓ مسجد میں جمع ہوئے۔ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے ایک مختصر لیکن موثر تقریر کے بعد حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا حضرت علیؓ کا بیعت کرنا تھا کہ تمام حاضرین بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ علیؓ نے عرض تو تھی محرم سال ۳۳ھ دو شنبہ کے دن حضرت عثمانؓ اتفاق عام کے ساتھ مندرشتین خلافت ہوئے، اور دنیا کے اسلام کی ساری حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

خلافت اور فتوحات

فاروق اعظم نے اپنے عہد میں شام، مصر اور ایران کو فتح کر کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا تھا۔ نیز علی بن ابی طالب اور طلحہ و زینب کا ایک مستقل دستور العمل بنا دیا تھا اس لیے حضرت عثمان کے لیے میدان صاف تھا۔ انھوں نے صدیق اکبرؓ کی نرمی و ملاحظت اور فاروق اعظم کی سیاست کو اپنا شعار بنایا، اور ایک سال تک قدیم نظم و نسق میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا البتہ خلیفہ سابق کی وصیت کے مطابق سعد بن ابی وقاص کو مغیرہ بن شعبہ کی جگہ کو ذہ کا والی بنا کر بھیجا۔ سہ اور یہ پہلی تقرری تھی جو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔

۱۲ھ میں بعض چھوٹے چھوٹے واقعات پیش آئے۔ یعنی آذربائیجان اور آرمینیا پر فوج کشی ہوئی، کیونکہ وہاں کے باشندوں نے حضرت عمرؓ کی وفات سے فائدہ اٹھا کر خراج دینا بند کر دیا تھا، اسی طرح رومیوں کی چھیر چھپڑا کی خبر سن کر حضرت عثمانؓ نے کوثر سے سلمان بن ربیعہ کو چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ امیر معاویہؓ کی مدد کے لیے شام روانہ کیا۔

عہد فاروقی میں مصر کے والی عمرو بن العاص تھے، اور تھوڑا سا علاقہ جو صیڈ کے نام سے مشہور ہے عبد اللہ بن ابی سرح کے متعلق تھا۔ مصر کے خراج کی جو رقم دوبار خلافت کو بھیجی جاتی تھی حضرت عمرؓ کے زمانہ سے اس کی کمی کے متعلق شکایت چلی آتی تھی، اس لیے حضرت عثمانؓ نے مصری خراج کے اضافہ کا مطالبہ کیا۔ عمرو بن العاص کے کہنا بھیجا کہ اوشنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کر کے عبد اللہ بن ابی سرح کو پورے مصر کا گورنر بنا دیا۔ مصریوں پر عمرو بن العاص کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، اس لیے ان کی برطرفی سے ان کے دلوں میں مصر پر دیدہ قبضہ کا خیال پیدا ہوا۔ ۱۵ھ میں ان کی شہ پار اسکندریہ کے لوگوں نے بغاوت کر دی۔ حضرت عثمانؓ نے معز والوں کے مشورہ سے اس فتنہ کو فرو کرنے کے لیے عمرو بن العاص ہی کو مستین کیا، انھوں نے حسن تدبیر سے اس بغاوت کو فرو کیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے چاہا کہ فوج کا صیغہ عمرو بن العاص کا ہے، اور مال و خراج کے صیغہ عبد اللہ بن ابی سرح کے سپرد رہیں، مگر عمرو بن العاص نے اسے منظور نہ کیا۔ یعقوب نے لکھا ہے کہ عمرو بن العاص نے باغیوں

کے اہل و عیال کو نوٹڈی غلام بنا ڈالا تھا حضرت عثمانؓ نے اس پر ناراضی ظاہر فرمائی اور جو لوگ نوٹڈی غلام بنائے گئے تھے، ان کو آزاد کرادیا۔ اس کے بعد میں دو برس تک عمرو بن العاصؓ مصر کے مال و خراج کے افسر رہے۔

اسی سال عبداللہ بن ابی سرح نے دربارِ خلافت کے حکم سے طرابلس (ٹریپولی) کی مہم کا انتظام کیا، امیر معاویہؓ نے ایشیائے کوچک میں شامی مسرحوں کے قریب کے دررومی قلعے فتح کر لیے۔ ۲۶ھ میں سب سے اہم واقعہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی معزولی ہے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ انھوں نے بیت المال سے ایک بڑی رقم قرض لی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مہتمم بیت المال نے تقاضا کیا تو سعدؓ نے ناداری کا عذر کیا، اور یہ قفسیہ دربارِ خلافت تک پہنچا۔ بیت المال میں اس قسم کا تصرف دینت کے خلاف تھا، اس لیے حضرت عثمانؓ حضرت سعدؓ بن وقاصؓ پر نہایت برہم ہوئے اور ان کو معزول کر کے ولید بن عقبہؓ کو وائی کو ذمہ فرمایا۔ عبداللہ بن مسعودؓ پر بھی غصہ کیا، لیکن چونکہ ان کی غلطی صرف بے احتیاطی تھی، اس لیے ان کو ان کے عہدہ سے نہیں ہٹایا۔

۲۷ھ میں مصر کی دہلی میں اختلاف شروع ہوا، اور عبداللہ بن ابی سرح اور عمرو بن العاصؓ نے جو فوجی اور مالی صیغوں کے افسر تھے، دربارِ خلافت میں ایک دوسرے کی شکایت کی۔ حضرت عثمانؓ نے تحقیقات کر کے عمرو بن العاصؓ کو معزول کر دیا، اور عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کے تمام صیغوں کا مہتمم حاکم بنا دیا۔ عمرو بن العاصؓ اس فیصلے سے نہایت کبیدہ ہوئے اور مدینہ چلے گئے۔ عمرو بن العاصؓ کے زمانہ میں مصر کا خراج ۲۰ لاکھ تھا۔ عبداللہ بن ابی سرح نے کوشش کر کے چالیس لاکھ کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے فخریہ عمرو بن العاصؓ سے کہا، دیکھو! آخر اونٹنی نے دودھ دیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں دودھ تو دیا لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔

فتح طرابلس | مہم طرابلس کا اہتمام تو ۲۵ھ ہی میں ہوا تھا، لیکن باقاعدہ فوج کشی ۲۶ھ میں ہوئی۔ عبداللہ بن ابی سرح کو رزمہ مصر افرام تھے حضرت عثمانؓ نے دار الخلافت سے بھی ایک لشکر جارا لک کے لیے روانہ کیا، جن میں عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ وصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اسلامی فوجیں دت تک طرابلس کے میدان میں معرکہ آرا رہیں، یہاں تک کہ مسلمانوں کی شجاعت

جان بازی اور شہادت و استقامت کے آگے اہل طرابلس کے پاؤں اکٹھے گئے۔ عبداللہ بن ابی سرح نے فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر تمام ملک میں پھیلا دیئے۔ طرابلس کے امرا نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ ممکن نہیں ہے تو عبداللہ بن ابی سرح کے پاس آ کر پچیس لاکھ دینار پر مصالحت کر لی۔

فتح افریقیہ | افریقیہ سے مراد وہ علاقے ہیں جن کو اب الجزائر اور مراکش کہا جاتا ہے۔ یہ ممالک ۱۱۱ھ میں

حضرت عبداللہ بن زبیر کی ہمت و شجاعت اور حسن تدبیر سے فتح ہوئے۔ اس سلسلہ میں بڑے بڑے لشکر کے پیش آئے، اور بالآخر کامیابی اسلامی فوج کو حاصل ہوئی اور یہ علاقے بھی ممالک محوسہ میں شامل ہوئے۔

اسپین پر حملہ | افریقیہ کی فتح کے بعد اسپین کا دروازہ کھلا چنانچہ ۱۱۱ھ میں حضرت عثمان نے اسلامی فوج

کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، اور عبداللہ بن نافع بن عبد قیس اور عبداللہ بن نافع بن حصین و صاحبوں کو

اس جہم کے لیے نامزد کیا جنہوں نے کچھ فتوحات حاصل کیں، لیکن پھر مستقل جہم روک دی گئی، اور عبداللہ

بن ابی سرح مصر واپس بھیجے گئے، اور عبداللہ بن نافع بن عبد قیس افریقیہ کے حاکم مقرر کیے گئے۔

عبداللہ بن ابی سرح کو انعام | حضرت عثمان نے عبداللہ بن ابی سرح سے وعدہ کیا تھا کہ افریقیہ

کی فتح کے صلہ میں مال غنیمت کا پانچواں حصہ ان کو انعام دیا جائے گا، اس لیے عبداللہ نے اس وعدہ

کے مطابق اپنا حصہ لے لیا، لیکن عام مسلمانوں نے حضرت عثمان کی اس فیاضی پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا

حضرت عثمان کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن ابی سرح سے اس رقم کو واپس کرادیا، اور فرمایا

کہ میں نے بیشک وعدہ کیا تھا، لیکن مسلمان اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ لہذا اس لیے مجبور ہے۔

ایک اور روایت ہے کہ افریقیہ کا خسر مدینہ بھی گیا تھا، جو مروان کے ہاتھ پانچ لاکھ دینار میں بیچا

گیا تھا۔ ابن اشیر نے ان دونوں روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح کو افریقیہ کے

پہلے غزوہ (شاید طرابلس) کے مال غنیمت کا خسر دیا گیا تھا، اور مروان کے ہاتھ وہ افریقیہ کی غنیمت کا خسر بیچ گیا تھا۔

فتح قبرص | قبرص جس کو اب سائپرس کہتے ہیں۔ بحر مد میں شام کے قریب ایک نہایت ذخیرہ جزیرہ

ہے، اور یورپ اور روم کی طرف سے مصر و شام کی فتح کا دروازہ ہے، اور مصر و شام کی حفاظت اس وقت تک

نہیں ہو سکتی تھی، اور نہ رومیوں کا خطرہ اس وقت تک دور ہو سکتا تھا جب تک یہ بحری ناکہ مسلمانوں

کے قبضہ میں نہ ہو، اس لیے امیر معاویہ نے عبداللہ بن ابی سرح پر فوج کشی کی اجازت طلب کی تھی، مگر

۱ ابن اشیر جلد ۲ ص ۶۸ ۲ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۸۹ ۳ فتح البلدان ص ۲۳۵ ۴ طبری ص ۲۸۱۵

حضرت عمرؓ بحری جنگ کے خلاف تھے، اس لیے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ۲۸ھ میں امیر معاویہؓ نے پھر حضرت عثمانؓ سے اصرار کے ساتھ قبرص پر لشکر کشی کی اجازت طلب کی اور اطمینان دلایا کہ بحری جنگ کو جس قدر خوفناک سمجھا جاتا ہے، اس قدر خوفناک نہیں ہے حضرت عثمانؓ نے لکھا کہ اگر تمہارا بیان صحیح ہے تو حملہ میں مضائقہ نہیں، لیکن اس مہم میں اسی کو شریک کیا جائے جو اپنی خوشی سے شرکت کرے۔ اس امر کے بعد عبداللہ بن قیس حارثی کی زیر قیادت اسلامی بحری بیڑا قبرص پر حملہ کے لیے روانہ ہوا، اور صحیح و سلامت قبرص پہنچ کر لشکر انداز ہوا۔ عبداللہ بن قیس امیر البحر ناگہانی طور پر شہید ہوئے، لیکن سیفان بن عوف ازی نے علم سنبھال کر اہل قبرص کو مغلوب کر لیا، اور شرائط ذیل پر مصلحت ہوئی۔

(۱) اہل قبرص ۷۰۰۰ دینار سالانہ خراج ادا کریں گے۔

(۲) مسلمان قبرص کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

(۳) بحری جنگوں میں اہل قبرص مسلمانوں کے دشمنوں کی نقل و حرکت کی لاکھ اطلاع دیا کریں گے۔

اہل قبرص کچھ دنوں تک اس معاہدہ پر قائم رہے، لیکن ۳۳ھ میں انھوں نے اس کے خلاف رسمی جہازوں کی مدد کی، اس لیے امیر معاویہؓ نے دوبارہ قبرص پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر کے ممالک خرد میں شامل کر لیا۔ ۳۵ھ اور ۳۶ھ میں اس کے باشندے رومیوں کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں۔

والی بصرہ کی مغرولی | حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، عہد فاروقی سے بصرہ کی ولایت پر مامور تھے حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے زمانہ میں عہد برس تک ان کو اس منصب پر بتدار رکھا، لیکن یہاں ایک بڑی جماعت ہمیشہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی مخالفت پر آمادہ رہتی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بارہا ان کی شکایتیں پہنچیں، مگر فاروقی رعب و داب نے مخالفین کو ہمیشہ دبائے رکھا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ان کو آزادی کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے خلاف سازش پھیلانے کا موقع مل گیا، اسی اشارہ میں روموں نے بغاوت کر دی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے مسجد میں جہاد کا دعوہ کیا، اور اس راہ میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کیے، اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے مجاہدین جن کے پاس گھوڑے موجود تھے وہ بھی پیادہ پا چلنے پر تیار ہو گئے، لیکن چند آدمیوں نے کہا کہ ہم کو جلدی نہ کرنا چاہیے، دیکھیں ہمارا والی کس شان سے چلتا ہے

۱۔ ابن اثیر ج ۳ ص ۷۴ - ۷۵ ۲۔ ابن اثیر ج ۶ ص ۱۰۷

چنانچہ صبح کے وقت دارالامارۃ کے تریب مجاہدین کا مجمع ہوا حضرت ابو موسیٰ اس شان سے نکلے کہ ایک ترکی نسل کے گھوڑے پر سوار تھے، اور چالیس خچروں پر اسباب و سامان بار تھا، لوگوں نے بڑھ کر باگ پکڑ لی، اور کہا "قول و فعل میں یہ احتمالات کیسا؟ دوسروں کو جس چیز کی ترغیب دیتے ہو، اس پر خود کیوں عمل نہیں کرتے؟" حضرت ابو موسیٰ اس کا کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے، اور اسی وقت ایک جماعت شکایت لے کر مدینہ پہنچی اور ان کی معذولی کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمان نے ۲۵ھ میں ان کو معذول کر دیا، اور عبد اللہ بن عامر کو اس منصب پر مامور کیا۔

فتح طبرستان ۲۵ھ میں عبد اللہ بن عامر ثبیرہ کے نسطوالی اور سعید بن عاص نے دو مختلف دستوں سے خراسان اور طبرستان کا رخ کیا، سعید بن عاص کے ساتھ امام حسنؑ امام حسینؑ عبد اللہ بن عباسؑ، عبد اللہ بن عمرؑ، عبد اللہ بن عمرو بن العاصؑ، عبد اللہ بن زبیر جیسے اکابر شریک تھے۔ ان لوگوں نے پیش قدمی کو کے عبد اللہ بن عامر کے پہنچنے سے پہلے ہرجان، خراسان اور طبرستان کو فتح کر لیا۔ اسی اثنا میں ولید بن عقبہ والی کوفہ کے خلفاء ایک سازش ہوئی، اور ان پر شراب خوری کا الزام لگایا گیا۔ یہ الزام ایسا تھا کہ حضرت عثمانؓ کو انھیں معذول کرنا پڑا، اور ان کی جگہ سعید بن عاصؑ کوفہ کے والی مقرر ہوئے۔

عبد اللہ بن عامر نے اپنی مہم کو جاری رکھا، اور ہرات، کابل اور سجستان کو فتح کر کے نیشاپور کا رخ کیا۔ بست، اشبدروج، خواف، اسیراشن، ارغیان وغیرہ فتح کرتے ہوئے خاص شہر نیشاپور کا رخ کیا۔ اہل نیشاپور نے چند مہینوں تک مدافعت کی لیکن پھر مجبور ہو کر سات لاکھ درہم سالانہ پر مصالحت کر لی۔

عبد اللہ بن عامر نے نیشاپور کے بعد عبد اللہ بن حازم کو سرخس کی طرف روانہ کیا اور خود وادراۃ النہر کی طرف بڑھے۔ سرخس کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی، اہل مادراء النہر نے بھی مصالحت پر آمادگی ظاہر کی، اور بہت سے گھوڑے، ریشمی کپڑے اور مختلف قسم کے تحائف لے کر حاضر ہوئے۔ عبد اللہ بن عامر نے صلح کر لی، اور قیس بن البتیم کو اپنا قائم مقام بلخو و اسباب سامان کیساتھ دارالخلافہ کا رخ کیا۔

ایک عظیم الشان بحری جنگ ۳۱ھ میں فیصلہ روم نے ایک عظیم الشان جنگی بیڑا جس میں تقریباً پانچ سو جہاز تھے، سو اہل شام پر حملہ کے لیے بھیجا۔ مورخین کا بیان ہے کہ رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایسی عظیم الشان قوت کا مظاہرہ اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ امیر البحر عبد اللہ بن ابی سرح نے مدافعت کے لیے اسلامی بیڑے کو آگے بڑھایا اور سطح سمندر پر دونوں آپس میں مل گئے۔ دوسری

مسیح کو مسلمانوں نے اپنے کل جہاز ایک دوسرے سے باندھ دیا اور فریقین میں نہایت ٹوڑنی جنگ ہوئی۔ یہ شمار دومی مارے گئے مسلمان بھی بہت سے شہید ہوئے، لیکن ان کے استقلال و شجاعت نے رومیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے، اور ان کی بہت تھوڑی تعداد زندہ رہی، خود قسطنطین اس معرکہ میں زخمی ہوا۔ اور اسلامی بیڑہ مظفر و منصور اپنی بندرگاہ میں واپس آیا۔

متمرق فتوحات | قبرص، طرابلس اور بربستان کے علاوہ حضرت عثمان کے عہد میں اور بھی فتوحات ہوئیں۔ ۳۱ھ میں حبیب بن مسلمہ قہری نے آرمینیا کو فتح کر کے اسلامی ممالک محروسہ میں شامل کر لیا۔ ۳۲ھ میں امیر معاویہ نے کنائے قسطنطنیہ تک بڑھتے چلے گئے۔ ۳۳ھ میں عبداللہ ابن عامر نے مرو و ذوالقان، فاریاب اور جوزجان کو فتح کیا۔ ۳۳ھ میں امیر معاویہ نے ارضِ روم میں حصن المرأة پر حملہ کیا۔ اسی سال اہل خراسان نے بغاوت کی، عبداللہ ابن عامر والی بصرہ نے احنف بن قیس کو بھیج کر اسے فرو کر لیا۔ اسی طرح ۳۴ھ میں اہل طرابلس نے نقص امن کیا، عبداللہ ابن ابی سرح نے ایک لشکرِ جبار کے ساتھ چڑھائی کر کے انھیں قابو میں کیا۔

۱۔ ابن اثیر ج ۳ ص ۹۱ کہ ایضاً۔

انقلاب کی کوشش

اور حضرت عثمانؓ کی شہادت

حضرت عثمانؓ کے دورِ ازلہ سالہ خانہ میں ابتدائی چھ سال کی کامل امن و امان سے گزرے، فتوحات کی رست، مالِ غنیمت کی فراوانی، وظائف کی زیادتی، زراعت اور صنعت و تجارت کی ترقی اور حکومت کے عمدہ نظم و نسق نے تمام ملک میں تمول، قاریغ اباالی اور عیش و تنعم کو عام کر دیا۔ یہاں تک کہ بعض متمسک صحابہؓ ایام نبوتؐ کی سادگی اور یہی تکلفی کو یاد کر کے اس زمانہ کی ثروت اور مسلمان تعیش کو دیکھ کر حقد و حسد برپا ہو گئے تھے کہ اب مسلمانوں کے اس دنیاوی رشک و حسد کا وقت آ گیا، جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشینگوئی فرمائی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ نے جن کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح الاسلام کا خطاب دیا تھا، علانیہ اس کے خلاف وعظ کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ ضرورت سے زیادہ دولت جمع کرنا ایک مسلمان کے لیے ناجائز ہے۔ شام کا ملک جس کے حاکم امیر معاویہؓ تھے اور جو صیدیون تک رومی تعیش و تکلفات کا گوارا رہ چکا تھا، وہاں کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ یہ برائیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ حضرت ابوذرؓ نے طمان امر اور دو متمذوں کے خلاف وعظ کہتے تھے، جس سے نظام حکومت میں خلل پڑتا تھا، اس لیے امیر معاویہؓ کی استدعا پر حضرت عثمانؓ نے ان کو مدینہ بلا لیا، مگر اب مدینہ بھی وہ اگلا مدینہ نہ رہا تھا۔ بیرونی لوگوں کے بڑے بڑے محل تیار ہو چکے تھے۔ اس لیے حضرت ابوذرؓ نے یہاں سے بھی دل برداشتہ ہو کر ریزہ نام کے گاؤں میں اقامت اختیار کی۔

حضرت عثمانؓ کے آخری زمانہ میں جو فتنہ و فساد برپا ہوا، اس کی وجہ درحقیقت یہی ہے کہ دو متمذی اور تمول کی کثرت نے مسلمانوں میں بھی اس کے وہ لوازم پیدا کر دیئے جو ہر قوم میں ایسی حالت میں پیدا ہو جاتے ہیں، اور بالآخر ان کے ضعیف اور انحطاط کا سبب بن جاتے ہیں۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے کہ ”لا اخاف علیکم الفقر بل اخاف علیکم الدینا“ مجھے تمہارے فقر و فاقہ سے کوئی خوف نہیں ہے بلکہ تمہاری دنیاوی دولت ہی کے خطرات سے ڈرتا ہوں۔ تمول اور دولت کی کثرت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کل قوم کے فوائد کے مقابلہ میں ہر حالت اور ہر

فرد اپنے جماعتی اور شخصی فوائد کو ترجیح دینے لگتے ہیں جس سے بغض و عناد پیدا ہو جاتا ہے تو می وحدت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اور انحطاط کا دور شروع ہو جاتا ہے۔

لیکن اس کے علاوہ اس فتنہ و فساد کی پیدائش کے بعض اور اسباب بھی تھے۔

(۱) - سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کی وہ نسل جو فیض نبوت سے براہ راست مستفیض

ہوئی تھی ختم ہو چکی تھی، جو لوگ موجود تھے وہ اپنی کبر سنی کے سبب سے گوشہ نشین ہو رہے تھے

اور ان کی اولاد ان کی جگہ لے رہی تھی۔ یہ نوجوان زہد و اتقا، عدل و انصاف، حق پسند و راست

بازی میں اپنے بزرگوں سے کمتر تھے۔ اس بنا پر رکھنا کیلئے ویسے فرشتہ رحمت ثابت نہ ہوئے، جیسے ان کے اسلاف تھے۔

(۲) - حضرت ابوبکر کے مشورہ اور مسلمانوں کی پسندیدگی سے امامت و خلافت کیلئے قریش کا خاندان مخصوص

ہو گیا تھا اور بڑے بڑے عہدے بھی زیادہ تر ان ہی کو ملتے تھے۔ نوجوان قریشی اس کو اپنا موروثی

حق سمجھ کر دوسرے عرب قبیلوں کو اپنا محکوم سمجھنے لگے۔ عام عرب قبائل کا دعویٰ تھا کہ

میں ملک کی ترجمات میں ہماری تلواروں کی ہمیں کٹائی ہے۔ اس لیے وظائف منصب اور عہدوں

قریش اور ہم میں مساوات چاہیے۔

(۳) - اس وقت کابل سے بیکر مراکش تک اسلام کے زیر نگین تھا جس میں سینکڑوں قومیں آباد تھیں۔ ان

محکوم قوموں کے دلوں میں قدرت مسلمانوں کے خلاف انتقام کا جذبہ موجود تھا۔ لیکن ان کی قوت کے مقابل

میں بے بس تھے۔ اسیلئے انھوں نے سازشوں کا جال بچھایا، جن میں سب سے آگے ٹوٹی اور سودی تھے۔

(۴) - حضرت عثمان فطرہ نیک ذی مردت اور نرم نوتھے، ہموماً لوگوں سے سختی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے

اکثر جرائم کو بردباری اور حلم سے ٹال دیا کرتے تھے، اس سے شرمیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔

(۵) - حضرت عثمان اٹھویں تھے، اس لیے فطرہ ان کے جذبات اپنے اہل خاندان کے ساتھ خیر خواہانہ تھے

اور آپ ان کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے، اور اپنے ذاتی مال سے ان کی مدد فرمایا کرتے تھے۔ شرمیر

لوگوں نے اسکو یوں ملک میں پھیلایا کہ حضرت عثمان شرمیر کا بیت المال سے انکے ساتھ داود ہش کرتے ہیں

(۶) - ہر امام کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے کارکن اور اعمال اس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں

اسلام کی دوسری نسل میں جو اب پہلی نسل کی جگہ لے رہی تھی، امام وقت کی اطاعت کا وہ مذہبی

جذبہ نہ تھا جو اول الذکر میں موجود تھا۔ اسی حالت میں حضرت عثمان نظام خلافت کے قیام

واستحکام کے لیے بنی امیہ میں سے زیادہ افراد لینے پر مجبور ہوئے۔

(۷)۔ مختلف محکوم قوموں کے شورش پسند اشخاص اس لیے انقلاب کے خواہاں تھے کہ شاید اس سے ان کی حالت میں کوئی فرق پیدا ہو۔

(۸)۔ غیر قوموں کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے، یا مسلمانوں نے غیر قوموں کی عورتوں سے جو شادیاں کر لی تھیں یا وہ باندیاں بنی تھیں، ان کی اولادیں بہت کچھ فتنہ کا باعث بنیں۔

ان مختلف الخیال جماعتوں کے اغراض و مقاصد پر نظر ڈالنے سے یہ بالکل نمایاں ہو جاتا ہے کہ اس فتنہ و انقلاب کے حقیقی اسباب یہی تھے جو اوپر مذکور ہوئے۔ مثلاً۔

(۱)۔ نبی ہاشم بنو امیہ کے عروج و ترقی کو پسند نہیں کرتے تھے، اور خلافت کے مناصب اور عہدوں کا سب سے زیادہ اپنے کو مستحق جانتے تھے۔

(۲)۔ عام عرب قبائل مناصب اور عہدوں اور جاگیروں کے استحقاق میں اپنے کو قریشیوں سے کم نہیں سمجھتے تھے، اس لیے وہ قریشی افسروں کے غرور و تکبر کو توڑنا اور اپنا جائز استحقاق اور سادات حاصل کرنا چاہتے تھے۔

(۳)۔ مجوسی چاہتے تھے کہ ایسا انقلاب پیدا کیا جائے جس میں ان کی مدد سے حکومت ایسے عام خاندان میں منتقل ہو، جس سے وہ بہتر سے بہتر حقوق اور مراعات حاصل کر سکیں اور عام عربوں کے مقابلہ میں ان کا استحقاق کم نہ سمجھا جائے۔

(۴)۔ یہودی چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں ایسا افتراق پیدا کر دیا جائے کہ ان کی قوت پاش پاش ہو جائے۔

یہ اغراض مختلف تھیں اور ہر جماعت اپنی غرض کے لیے کوشش میں مصروف تھی۔ اس لیے خفیہ ریشہ و دانیایں شروع ہو گئیں، ممالک کے خلاف سازشیں ہونے لگیں، خود امیر المؤمنین کو بدنام کرنے کی کوشش شروع ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے ان فتنوں کو دباننا چاہا، لیکن یہ آگ ایسی لگی تھی جس کا بجھانا آسان نہ تھا۔ فتنہ پردازوں کا دائرہ عمل روز بروز وسیع ہوتا گیا، یہاں تک کہ تمام ملک میں ایک خفیہ جماعت پیدا ہو گئی، جس کا مقصد فتنہ ساز تھا۔

کو فہ کی انقلاب پسند جماعتوں میں اشتر نخعی، ابن ذی الجبکہ، جنید، صعصعہ ابن الکوار کیسل اور عمیر بن منبہ بنی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان لوگوں کا خیال

تھا کہ امارت و ریاست قریش کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ عام مسلمانوں نے ملک فتح کیے ہیں، اس لیے وہ سب اس کے مستحق ہیں۔ سعید بن عاص والی کوفہ سے اس جماعت کو خاص طور پر مددوات تھی۔ ان کو بیدار کرنے کے لئے روز ایک نئی تدبیر اعتراض کی جاتی تھی، اور قریش کے خلات ملک کو تیار کرنے کے لیے طرح طرح کے وسائل کام میں لائے جاتے ہیں۔ اشراف کوفہ نے ان مفسدہ پروانوں سے تنگ آ کر امیر المؤمنین سے التجا کی کہ خدا کے لیے جلدان فتنہ پرور اشخاص سے کوفہ کو نجات دلائیے۔ حضرت عثمان نے تقریباً دس آدمیوں کو جو اس جماعت کے سرگروہ تھے شام کی طرف جلا وطن کر دیا۔ اسی طرح بصرہ میں بھی ایک فتنہ پرور جماعت پیدا ہو گئی تھی، حضرت عثمان نے یہاں سے بھی کچھ آدمیوں کو ملک بدر کر دیا۔ لیکن فتنہ کی آگ اس حد تک بھڑک چکی تھی، کہ یہ معمولی پھینٹے اس کو بجھانہ سکے۔ بلکہ یہ انتقال مکانی اور بھی ان خیالات کی اشاعت کا سبب بن گئے، اور پہلے جو آگ ایک جگہ لگ رہی تھی وہ سارے ملک میں پھیل گئی۔

مہر سازش کا سب سے بڑا مرکز تھا، مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن یہودی تھے، چنانچہ ایک یہودی النسل نو مسلم عبداللہ بن سبنہ نے اپنی حیرت انگیز سازشاً قوت سے مختلف خیال مفسدوں کو ایک مرکز پر متحد کر دیا، اور اس کو زیادہ موثر بنانے کے لیے اس نے مذہب میں عجیب و غریب عقائد اعتراض کیے، اور غصیہ طود پر ہر ملک میں اسکی اشاعت کی، موجودہ شیعی فرقہ دراصل انہی عقائد پر قائم ہوا۔ مفسدین کی جماعت تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی، اور ان میں سے ہر ایک کا مطمح نظر مختلف تھا، اور آئندہ خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں بھی ہر ایک کی نظر الگ الگ شخصیتوں پر تھی۔ اہل مہر حضرت علیؑ کی عقیدت کش تھے۔ اہل بصرہ حضرت طلحہؓ کے طرفدار تھے، اہل کوفہ حضرت زبیرؓ کو پسند کرتے تھے۔ اہل عراق کی جماعت تمام قریش سے مددوات رکھتی تھی، اور ایک جماعت سرے سے عربوں ہی کے خلات تھی، لیکن امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کی معزولی اور نبیو امیہ کی بیخ کنی پر سب باہم متفق تھے۔ عبداللہ بن سبنہ نے حکمت عملی سے ان اختلافات سے قطع نظر کر کے سب کو ایک مقصد یعنی حضرت عثمانؓ کی مخالفت پر متحد کر دیا، اور تمام ملک میں اپنے داعی اور سفیر پھیلا دیئے، تاکہ ہر جگہ فتنہ کی آگ بھڑکا کر بدامنی پیدا کر دی جائے، اور اس مقصد کے حصول کے لیے داعیوں کو حسب ذیل طریقوں پر عمل کی ہدایت کی۔

- (۱) بظاہر متقی و پرہیزگار بننا، اور لوگوں کو دغظ و ہند سے اپنا معقد بنانا۔
- (۲) ہمال کو دق کرنا اور ہر ممکن طریقہ سے ان کو بدنام کرنے کی کوشش کرنا۔
- (۳) ہرجگہ امیر المؤمنین کی کئی پروری اور نالغصائی کی داستان مشہور کرنا۔

ان طریقوں پر نہایت مستعدی کے ساتھ عمل کیا گیا۔ ولید بن عقبہ والی کوفہ پر شراب خواری کا الزام قائم کیا گیا، اور حد بھی جدی کی گئی، جو درحقیقت ایک بڑی سازش کا نتیجہ تھا۔ اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ والی بصرہ کی سزوی بھی جس کا ذکر آئندہ آئے گا، ان ہی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی۔

اسلئے میں جب کہ قیصر روم نے پانچ سو جنگی جہازوں کے عظیم الشان بیڑے کے ساتھ اسلامی سواحل پر حملہ کیا، اور مسلمانوں بڑے خوف و ہراس میں مبتلا ہو گئے، اس وقت بھی یہ انقلاب پسند اپنی فتنہ انگیزی سے باز نہیں آئے، اور محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکرؓ نے جو مفسدین کے تزویر میں پھنس چکے تھے اسلامی بیڑے کے امیر البحر عبداللہ بن ابی شراح کو ہر طرح دق کیا۔ نمازیں پڑھنے سے بند کر کے بری پیدا کرتے اور اللہ بن سعد کی ملائیت مذمت کرتے اور عبادت گاہیں تہمت زدیں کے تقاب میں جہاد کرتے تاکہ جو حال اسلام کو خود زمین میں جہاد کی ضرورت ہے

وچھے کہ مدینہ یا کیا ضرورت کیا؟ تو وہ حضرت عثمانؓ کا اگلیتے اور کہتے کہ اس ظالم کو مفرول کرنا اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ اس نے سنت شیخین کو چھوڑ دیا ہے، کبار صحابہ کو مفرول کر کے اپنے اعزہ و اقارب کو سیاہ و پسید کا مالک بنا دیا ہے، عرض ہر طرح کی فریب کاریوں سے لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کی گئی اسلامی بیڑوں کے مقابلے کے لیے روانہ ہوا تو محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکرؓ نے ایک کشتی پر سوار ہو کر بیڑے کا تاقب کیا، اور جہاں ٹنگر انداز ہوتے وہ اپنی کشتی کو قریب لے جا کر اپنے خیالات کی اشاعت کرتے مجاہدین رومی بیڑے کو شکست دے کر مظفر و منصور واپس آئے تو چند آدمیوں نے محمد بن ابی بکرؓ اور محمد بن ابی حذیفہ کو جہاد سے پہلو تہی کرنے پر ملامت کی، انھوں نے کہا کہ ہم اس جہاد میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں جس کا انتظام عثمانؓ کے ایکلے ہوا ہے، اور جس کا امیر عبداللہ بن سعد ہے۔ اس کے بعد حسب معمول حضرت عثمانؓ کے معائب اور برائیوں کی طویل داستان شروع کر دی، عبداللہ بن سعد نے جب دیکھا کہ یہ دنوں کسی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے، اور ان کے مسموم خیالات آہستہ آہستہ اپنا اثر کر رہے ہیں تو نہایت سختی سے انکو منع کیا، اور کہا کہ خدا کی قسم اگر امیر المؤمنین کا خیال نہ ہوتا تو تمہیں اس مقصد پر روانی کا نہ کچھ دیتا۔

مدینہ بھی مفسدین سے خالی نہ تھا، کبار صحابہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ تھے، اس لیے علانیہ اس اجازت کا کوئی اثر نہ ہوا، البتہ اخیر عہد یعنی ۱۰ھ میں جس سال حضرت عثمانؓ شہید ہوئے، مفسدین مدینہ اس قدر بے باک ہو گئے کہ بیرونی مفسدوں کی مدد سے ان کو خود امیر المؤمنین پر بھی دستِ ستم دراز کر کے جرات ہو گئی۔ چنانچہ ایک دفعہ جمعہ کے روز حضرت عثمانؓ منبر پر غیبہ دے رہے تھے، ابھی حمد و ثناء ہی شروع کی تھی، کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ ”عثمان! کتاب اللہ کو اپنا طرز عمل بنا، لیکن صبر و تحمل کے اس بیکہ نے شرمی سے کہا، بیٹھ جاؤ، دوسری مرتبہ کھڑے ہو کر پھر اس نے اسی جملہ کا اعادہ کیا، حضرت عثمانؓ نے پھر بیٹھنے کو کہا، تین دفعہ اس نے اسی طرح خطبہ کے درمیان برہمی پیدا کی۔ حضرت عثمانؓ نے ہر بار شرمی سے بیٹھنے کو فرمایا، لیکن اس کی سازش پہلے سے سوچ چکی تھی، ہر طرف مفسدین نے زور کر لیا، اور اس قدر سنگرزے اور تپڑوں کی بارش کی کہ نائب رسول زخموں سے جو رچوڑ ہو کر منبر سے فرشِ خاک پر گر پڑا، مگر صبر و تحمل کا یہ علم تھا کہ اس بے ادبی پر بھی جذبہ غیظ و غضب کو ہیجان نہ ہوا۔

غرض مختلف عناصر نے مل کر اقترا پر دازیوں اور کذب بیانیوں سے اس طرح حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنے کی کوشش کی، اور آپ کی مخالفت کا صورت اس بلند آہنگی سے چھوڑا کہ اتنی طویل مدت کے بعد اس زمانہ میں بھی بہت سے تعلیم یافتہ حضرات جو واقعات کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے ان غلط بیانیوں اور فریب کاریوں سے متاثر نظر آتے ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر تمام ائمہ و اقران کو قلمبند کر کے اصل واقعات کو بے نقاب کر دیا جائے۔

اس وقت تک حضرت عثمانؓ پر جس قدر اعتراضات کیے گئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) - کبار صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عمرو بن عاصؓ، عمار بن یاسرؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ اور عبد الرحمن بن ارقمؓ کو معزول کر کے خاص اپنے کنبہ کے نااہل اور نا تجربہ کار افراد کو مامور کیا۔

(۲) - بیت المال کو بے جا تصرف کیا، اور مسرفانہ طریقہ پر اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ سخاوت کا اظہار کیا مثلاً حکم بن ابی اسفہانؓ کو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں جلا وطن کر دیا تھا۔ مدینہ آنے کی اجازت دی، اور بیت المال سے ایک لاکھ درہم عطا کیے، اور اس کے ٹکڑے حارث کو اس کی اجازت دی کہ بازار میں جو فروخت ہو اس کی قیمت سے اپنے لیے شہر وصول کرے۔ مروان کو

افریقہ کے مال غنیمت کا خمس دیا گیا، اسی طرح عبداللہ بن خالد کو تین لاکھ درہم کا اگر انقدر عطیہ مرحمت کیا، اور خود اپنی صاحبزادیوں کو بیت المال کے قیمتی حواصیل منابت فرمائے، حالانکہ فاروق اعظم نے نہایت شدت کے ساتھ اس قسم کے تصرفات سے احتراز کیا تھا، اس کے علاوہ اپنے لیے ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا، اور مصارف کا تمام بار بیت المال پر ڈالا۔ بیت المال کے ہتھم بنید اللہ ابن ارقم اور حقیب نے اس اسلاف پر اعتراض کیا، تو ان کو معزول کر کے زید بن ثابت کو یہ عہدہ تفویض کر دیا۔

(۲) ایک دفعہ بیت المال میں وظائف تقسیم ہونے کے بعد ایک لاکھ درہم پس انداز ہوئے حضرت عثمان نے بے وجہ زید بن ثابت کو یہ گراں قدر رقم لینے کی اجازت دے دی۔

(۳) عبداللہ بن مسعود اور ابی ابن کعب کے روزینے بند کر دیئے۔

(۴) مدینہ کے اطراف میں بیعت کو سرکاری چراگاہ قرار دیا، اور عوام کو اس سے مستفید ہونے سے روک دیا۔

(۵) مدینہ کے بازار میں بعض اشیاء کی خرید و فروخت اپنے لیے مخصوص کر لی، اور حکم دیا، کہ کھجور کی گھٹلیاں امیر المؤمنین کے ایجنٹ کے سوا کوئی دوسرا نہیں خرید سکتا۔

(۶) اپنے حاشیہ نشینوں اور قرابت داروں کو اطراف ملک میں نہایت وسیع قطعات زمین مرحمت فرمائے، حالانکہ اس سے پہلے کسی نے ایسا نہیں کیا تھا۔

(۷) بعض کہا صحابہ کی تذلیل کی گئی، اور ان کو جلا وطن کیا گیا، مثلاً ابو ذر غفاری، عمار بن یاسر، جندب بن جنادہ، عبداللہ بن مسعود اور عبادہ بن صامت کے ساتھ نامنصفانہ سلوک ہوا۔

(۸) زید بن ثابت کے تیز کردہ مصحف کے سوا تمام مصاحف کو جلا دیا۔

(۹) حدود کے اجراء میں تغافل سے کام لیا۔

(۱۰) فرائض وغیرہ میں تمام امت کے خلاف روایات شاذہ پر عمل کیا گیا، حالانکہ شیخین جب تک روایات کی اچھی طرح توثیق نہیں کر لیتے تھے، ان کو قبول نہیں کرتے تھے۔

(۱۱) مذہب میں بعض نئی بدعتیں پیدا کیں، جن کو اکثر صحابہ نے ناپسند کیا، مثلاً حج کے موقع پر زنی میں در رکعت نماز کے بجائے چار رکعت نماز ادا کی، حالانکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد شیخین نے کبھی در رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی۔

(۱۲) مصری وفد کے ساتھ بدر بھدلی کی لگئی، جس کا نتیجہ حضرت عثمان کی شہادت کی صورت میں ظاہر ہوا۔

مذکورہ بالا واقعات میں حضرت عثمانؓ کے فرد قرار داجرم کو ذمگ آمیزی کر کے نہایت بد نما اور مکروہ بنایا گیا ہے، لیکن ان میں سے ایک الزام بھی تحقیق کی کسوٹی پر صحیح نہیں اترتا۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ اس میں صداقت کا کتنا شائبہ ہے اور اس کو ذمگ آمیزی سے کتنا بد نما بنا دیا گیا ہے۔

سب سے پہلا الزام جو بجائے خود متعدد الزامات کا مجموعہ ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے

(۱) کبار صحابہؓ کو ذمہ داری کے عہدوں سے معزول کر دیا۔

(۲) نا اہل اور ناتجربہ کار افراد کو رعایا کی قسمت کا مالک بنا دیا۔

(۳) اپنے خاندان کو فوقیت دی۔

امراؤں کی نسبت تحقیقی فیصد سے قطع نظر کر کے پہلے دیکھنا چاہیے کہ اگر یہ الزام درست ہے

تو اسلام کے سب سے عادل اور تدبیر خلیفہ فاروقؓ کا عدل و انصاف اور تدبیر و نیلئے اسلام کے

لیئے قیامت تک مایہ ناز ہے گا۔ یہی الزام ان پر بھی عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ جنہوں نے خالد بن سید اللہ

مغیرہ بن شعبہ اور سعد بن ابی وقاص فاتح ایران کو معزول کر دیا تھا۔ یا حضرت علیؓ مرتضیٰؓ اسی اعتراض کے مورد

ہوتے ہیں یا نہیں؟ جنہوں نے عثمانؓ حکومت ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی تمام عمال عثمانی کو یک تلم کر دیا جن

کی قوتِ بازو نے نظر ابس، آرمینڈ اور قبرص کو زیر نگین کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی قسم کے واقعات کے کسی

خاص وقتی سبب کی بناء پر ایک شخص کے لیے موجب مدح اور دوسرے کے لیے موجب ذم بنا دینے

جاتے ہیں، اور اس پر ایسی ملمع سازی کی جاتی ہے کہ کسی کو تحقیق و تنقید کا خیال تک نہیں آتا۔

حضرت عثمانؓ نے کبار صحابہؓ سے جن لوگوں کو معزول کیا تھا، ان میں سے عمرو بن العاصؓ سعد بن

ابی وقاص اور ابو موسیٰ اشعریؓ کی معزولی کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ عمر بن العاصؓ والی

مصر نے اسکندریہ کی بغاوت فرد کرنے میں ذمیوں کے ساتھ نا منصفانہ سلوک کیا تھا، اور ان کو نوڈی

غلام بنایا تھا، نیز نئی نہروں کے جاری ہو جانے کے باوجود وہ مصر کے مالیات میں کچھ اضافہ نہ کر سکے، اور

آخر عبداللہ بن ابی سرح کی تقرری کے بعد اس سے کہیں زیادہ ہو گیا۔

اسی طرح سعد بن ابی وقاصؓ والی کو فہ نے بیت المال سے ایک بیش تر رقم قرض لی، اور پھر

اس کے ادا کرنے میں تساہل کرتے رہے، یہاں تک کہ عبداللہ بن مسعودؓ متہم بیت المال سے سخت

کلامی کی نوبت پہنچا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ والی بصرہ رعایا کو خوش نہ رکھتے تھے، اور تمام اہل بصرہ ان

کے مخالف ہو گئے تھے چنانچہ ان کے وفد نے دار الخلافہ جہلم کی معزولی کا مطالبہ کیا، کیا یہ تمام وجوہ ان حضرات کو معزول کر دینے کے لیے کافی نہ تھے؟ منیر بن شعبہ پر رشوت ستانی کا الزام قائم کیا گیا۔۔۔ اگرچہ یہ سراسر بہتان تھا، لیکن حضرت عثمان نے ان کو اس لیے معزول کر دیا کہ حضرت عمرؓ نے ان کی جگہ سعد بن ابی وقاص کی تقرری کی وصیت کی تھی۔

عمارتیں یا سر کو حضرت عثمان نے معزول نہیں کیا تھا، بلکہ وہ عہد فاروقی ہی میں معزول ہو چکے تھے البتہ عبداللہ بن مسعود کی معزولی بے وجہ تھی، لیکن لوگوں نے حضرت عثمان کو ان کی طرت سے اس قدر بدگمان کر دیا تھا کہ ان کو معزول کر دینا ناگزیر ہو گیا، رہا بیت المال کے ہتم عبید اللہ بن ارقم اور عقیقہ کی سبکدوشی، تو اس کے متعلق خود حضرت عثمان کا بیان موجود ہے جو انھوں نے ان دونوں پر لوگوں کی معزولی کے سلسلہ میں ایک جلسہ عام میں دیا تھا۔

الا ان عبد اللہ بن ارقم
لم یزل علی حدیثکم زمن ابی
بکر وعمر والی یوم و انہ
کبر وضعف وقد ولینہ علمہ
زید بت ثابت۔

صاحبو عبداللہ بن ارقم اور بکر اور عمر کے زمانہ
سے اس وقت تک آپ کے تقیم و ظائف کی
خدمت انجام دیتے رہے۔ لیکن اب،
بوڑھے اور ضعیف ہو گئے ہیں اس لیے اس
خدمت کو زید بن ثابت کے سپرد کر دیا ہے۔

ظاہر ہے کہ مال کی نگرانی کا کام جس قدر اہم اور مشکل ہے اس لحاظ سے اگر حضرت عثمان نے ان دونوں کو جو ضعف اور پیری کے باعث اپنے خدمات کو باہن و وجوہ انجام بہتیں دے سکتے تھے، سبکدوش کر دیا اور اس عہدہ پر زید بن ثابت کو جو پڑھنے لکھنے اور حساب و کتاب میں خاص طور سے ممتاز تھے، مامور کیا، تو کونسی خطا کی؟ امر دم کی نسبت غور کرنا چاہیے کہ اہل اور نا تجربہ کار افراد کی تقرری کا الزام کہاں تک درست ہے؟ اس میں شک نہیں ہے کہ ولید بن عقبہ، سعید بن العاص، عبداللہ بن ابی سرح اور عبداللہ بن عامر اگرچہ صحابہ کرام اور فاروقی عمال کی طرح زہد و اتقاء کے مالک نہ تھے، تاہم ان کے انتظامی کارنامے اور عظیم الشان فتوحات کسی طرح ان کو نا اہل اور نا تجربہ کار نہیں ثابت کرتے۔

ولید بن عقبہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جزیرہ کے عامل رہ چکے تھے بلکہ سعید بن العاص نے طبرستان اور آسنیہ

قیع کیا۔ عبداللہ بن ابی سرح نے طرابلس اور قبرص کو زیرِ گیس کیا۔ کیا ان کی یہ فتوحات انکی تاجر بہ کاری کا ثبوت ہیں۔
عبداللہ بن عامر والی بصرہ البتہ ایک کسن نوجوان تھے، لیکن فطری لیاقت کو عمر کی کمی زیادتی
سے کوئی تعلق نہیں، فتوحات کے سلسلہ میں اوپر گزر چکا ہے کہ اسی نوجوان نے کابل، ہرات، بختان اور نیشاپور
کو اسلام کے زیرِ گیس کیا تھا، غرض نااہل اور نا تاجر بہ کاری اعمال کے تقصیر کا الزام سراسر خلاف واقعہ ہے۔

البتہ امر سوم یعنی اپنے خاندان کے لوگوں کو ذمہ داری کے عہدوں پر مامور کرنے کا الزام ایک حد تک
قابلِ غور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تخمیناً اس بارے میں نہایت محتاط تھے، اور ہر ایک شک و شبہ کے
موقع سے بچتے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ خاندان کے معاملات میں اپنے اعزہ و اقارب کے لیے ہمیشہ کوتاہ
دست رہے، لیکن حضرت عثمانؓ ایک سلوہ طبع اور نیک نفس بزرگ تھے، مزاج میں اتنی پیش بینی نہ تھی
نیز اپنے اختیارات سے اپنے قرابت داروں کو فائدہ پہنچانا صدمہ جانتے تھے۔ ایک دفعہ جب لوگوں
نے اس طرز عمل کی علانیہ شکایتیں کیں، تو حضرت عثمانؓ نے صحابہ کو جمع کیا، اور خدا کا واسطہ دے کر پوچھا کہ
کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کو تمام عرب پر ترجیح نہیں دیتے تھے؟ اور کیا قریش میں نبوؤاشم کا
سب سے زیادہ خیال نہیں رکھتے؟ لوگ خاموش رہے تو ارشاد فرمایا کہ اگر میرے ہاتھ میں جنت کی کبھی ہوتی تو
تمام نبی امیہ کو اس میں بھر دیتا، بہر کیف یہ امامِ وقت کی ذاتی رائے تھی، ممکن ہے کہ عام لوگ اس سے متفق
نہ ہوں، لیکن اس سے حضرت عثمانؓ کے فضل و کمال کا دامن و اعتماد نہیں ہو سکتا۔

دوسرا الزام بیت المال میں مسہ فائدہ تصرف کا ہے، لیکن ثبوت میں جن واقعات کو پیش کیا گیا
ہے وہ یا تو ستر یا غلط ہیں یا رنگ آمیزی کر کے ان کی صورت بدل گئی ہے۔ ہم تفصیل کے ساتھ ہر ایک
واقعہ کو اس کی اصل صورت میں دکھاتے ہیں، جس سے اندازہ ہو گا کہ مفسدین نے کس طرح واقعات کی
صورت کو مسخ کر کے حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی۔

اس سلسلہ میں سب سے اول ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ذاتی طور پر حضرت عثمانؓ کی مالی حالت
کیسی تھی؟ تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ اپنی ذاتی دولت سے اس قسم کی فیاضی اور خود کرم پر قادر تھے یا نہیں؟
یہ مسئلہ تاریخی واقعہ ہے جس سے کسی کو انکار نہیں کہ حضرت عثمانؓ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ دولت مند
اور متمول تھے۔ ان کی دولت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہزار ہار پے ہیر و مہ کی خریداری پر صرف کئی ایک

۱۷۲ ابن اثیر ج ۳ ص ۸۷ ۱۷۳ ایضاً و فتوح السلطان ص ۳۳۵ ۱۷۴ ابن سعد ج ۲ قسط ۱۷۵ و عثمان بن حنیف ج ۱ ص ۶۲

بیش قرار رقم سے مسجد نبویؐ کی توسیع کی، اور لاکھوں روپے سے "جیشِ عسرت" کو آراستہ کیا، اب سوال یہ ہے کہ راہِ خدا میں جیسے جو در سخا کا کایہ ہر وہ اپنی دولت سے ذوالقرنیٰ کیساتھ کچھ صلہ رقم نہیں کر سکتا تھا؟ اس کے متعلق ایک موقع پر نزد حضرت عثمانؓ نے یہ تقریر فرمائی تھی، جس سے اس الزام حقیقت پورے طور سے واضح ہو جاتی ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ مدینہ میں اپنے خاندانِ دالوں سے محبت رکھتا ہوں اور ان کے ساتھ فیاضی کرتا ہوں لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طروت مانل نہیں کیا ہے، بلکہ میری عورت ان کے واجب حقوق ادا کرتا ہوں اسی طرح فیاضی بھی اپنے ہی ماں تک محدود ہے، مسلمانوں کا مال نہ میرا اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کے لیے، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکرؓ کے بعد میں بھی اپنے مال سے گرانہ قدر علیے دیا کرتا تھا۔ حالانکہ میں اس زمانہ میں مکہ میں تھا اور جبکہ میں اپنی خاندانی عمر کو پہنچ چکا ہوں، زندگی ختم ہو چکی ہے اور اپنا تمام سرمایہ اپنے اہل و عیال کے سپرد کر دیا ہے، تو محمد بن ابی اسحاق شہر بکرتے ہیں خدا کی قسم میں نے کسی شہر پر فراج کا کوئی بار ایسا نہیں ڈالا ہے کہ اس قسم کا انعام دینا جائز ہو اور جو کچھ وصول ہوا وہ ان ہی لوگوں کے رفاہ و سپرد پر صرف ہوا میرے پاس صرف خمس آتا ہے اور اس میں سے

قالوا انی احب اهل بیتی واطہم
فاما حبی فانه لم یحل معہم
علی جوہل احمق المحرق
علیہم داما اعطوا وھم فانی
ما اعطیہم من مالی ولا استحل
اموال المسلمین لنفسی ولا
لاحد من الناس لا کنت اعطی
العیطۃ البکرۃ الرغیبۃ من صلب
مالی فی انما ان رسول اللہ والی بکر
وعمر رضی اللہ عنہما وانا الوصی
شکیح حدیثی الخیر انیت علی
استان اهل بیتی وفتی عمری
ودعت الذی لی فی اہلی قال
المحکمون ما قالوا فی اللہ ما
حملت علی مصر من الامصار
فضلا فیکون رد الذک لمن قالہ
وکلن ردقہ علیہم و ما قدم
علی الا الاضما س ولا یحل
لی منها شیء۔ فوالی المسلمون

وَصْعَهَا فِي أَهْلِهَا دُونَ
وَلَا تَبْتَغِ مَالَ اللَّهِ
تَبْلَسُ مَا نَفَقَهُ وَمَا
ابْتَلَعَ مِنْهُ مَا أَكَلَ الْأَمْتِ
مَالِي لِي

میں میرے لیے کچھ لینا جائز نہیں، مسلمانوں نے
اس کو میرے سزورہ کے بغیر مستحقین میں صرف
کیا خدا کے مال میں ایک پیسہ کا تصرف نہیں
کیا جاتا ہے اس سے کچھ نہیں لیتا ہوں، یہاں تک
کہ کھاتا بھی ہوں تو اپنے ہی مال سے۔

مذکورہ بالا تصریحات کے بعد اب ہم کو ان واقعات کی طرف رجوع کرنا چاہیے جن کی بنا پر
ذوالسورین کی تابش ضیا کو غبار آلود کہا جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کو جلا وطن کر دیا تھا لیکن اخیر عہد میں
حضرت عثمان کی سفارش سے مدینہ آنے کی اجازت دی تھی، چونکہ شیخین کو ذاتی طور پر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی منظوری کا علم نہیں تھا، اس لیے انہوں نے مدینہ آنے کی اجازت نہیں دی۔ جب حضرت عثمان نے
عثمانی خدانت ہاتھ میں لی تو اپنے ذاتی علم کی بنا پر ان کو مدینہ بلا لیا۔ اور ان کے لڑکے مروان سے اپنی ایک
صاحبزادی کا نکاح کر دیا، اور صلہ رحم کے طور پر حبیب خاص سے حکم کو ایک لاکھ درہم عطا فرمائے، نیز مروان کو حبیب سے ایک
لاکھ درہم کا عطیہ رحمت کیا۔ یہ ہے اصل واقعہ جس کو مفسدین نے رنگ آمیزی کر کے کچھ کچھ کر دیا۔
طرابلس کے مال غنیمت سے مروان کو خمس دلائے گا واقعہ سراسر بہتان ہے۔ اس کی صحیح کیفیت
یہ ہے کہ مروان نے اس کو خرید لیا تھا۔

چنانچہ مورخ ابن خلدون لکھتا ہے۔

وَأرسل ابن زبير الفتح والخمس
فاشتوا مروان بن الحكم خمس
مائة الف ديناراً وبعض الناس
يقول اعطاه اياه ولا يصح وانما
اعطى ابن ابي سرح خمس
الخمس من الغزوة الاولى

یعنی ابن زبیر نے فتح کا شروہ اور پانچواں حصہ
دار لخلافہ مروان کو لیا، جس کو پانچ لاکھ دینار
پر مروان نے خرید لیا اور بعض لوگ جو
یہ کہتے ہیں کہ مروان کو دے دیا گیا۔ صحیح
نہیں ہے بلکہ پہلے معرکہ کے مال غنیمت کے
خمس کا خمس ابن ابی سرح کو دے دیا تھا۔

۱۔ طبری ص ۱۵۲۔ ۲۔ صاحبہ اصحابہ اور اسد الغابہ مدونوں نے حکم کے حالات میں اس کا ذکر کیا ہے ۳۔

۴۔ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۲۹

اب یہ اعتراض رہ جاتا ہے کہ کسی غزوه کے مال غنیمت کا کوئی حصہ ابن ابی سرح کو دینے کا کیا حق تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ طرابلس کی جنگ کے قبل حضرت عثمان نے ابن ابی سرح سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اس معرکہ میں کامیاب ہوئے تو مال غنیمت کے پانچویں حصہ کا پانچواں حصہ تم کو دیا جائیگا، چنانچہ فتح کے بعد حسب وعدہ ان کو دے دیا اس سے عام مسلمانوں کو شکایت پیدا ہوئی، اور انہوں نے حضرت عثمان سے اس کا اظہار کیا تو انہوں نے اس کو واپس لے لیا۔ (طبری کے یہ الفاظ ہیں)۔

فان غنیمت فقد جئت وان
سخطتم فلهوس وقالوا انا
نسختم قال فلهوس وكتب
الحی عبد اللہ میر الداعی لہ

حضرت عثمان نے کہا کہ اگر تم لوگ اس پر
راضی ہو تو انکا ہوجکا، اور تمہاری مرضی کے خلاف
ہے تو واپس ہے، لوگوں نے کہا ہم راضی نہیں ہیں
واپس آؤ عبداللہ کو واپس کرنے کا حکم نامہ لکھ دیا۔

عبداللہ بن خالد کو تین لاکھ کا عطیہ مرحمت فرمایا گیا، لیکن اس کی نسبت خود حضرت عثمان نے مصری مترضین سے فرمایا تھا کہ میں نے بیت المال سے یہ رقم بطور قرض لی ہے۔

حدیث بن حکم کو مدینہ کے بازار سے عشر و مہول کرنے کا اختیار دینا بالکل بے بنیاد ہے، اسی طرح اپنی صاحبزادوں کو بیہرے جو اہرات دینے کا جو حصہ صرف ابن اسحاق نے ابو موسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے اور چونکہ درمیانی راوی مجہول ہے، اس لیے قابل استناد نہیں۔

بیت المال کے صرف سے اپنے لیے محل تعمیر کرنے کا قصہ محض کذب صریح ہے، جو فیاض طبع اپنے ابرکرم سے دوسروں کو سیراب کرتا ہو، اور جو اپنا مقررہ وظیفہ بیت المال سے لینا پسند نہ کرتا ہر وہ اپنے لیے عام مسلمانوں کا شرمندہ احسان ہونا کس طرح گوارا کرتا۔

زید بن ثابت مہتمم بیت المال کو ایک لاکھ درہم دینے کی روایت بالکل بے بنیاد ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بیت المال میں اخراجات کے بعد ایک معقول رقم پس انداز ہوئی، حضرت عثمان نے زید بن ثابت کو حکم دیا کہ اس کو کسی رفاه عام کے کام پر صرف کر دیں چنانچہ انہوں نے اس کو مسجد کی توسیع اور تعمیر میں صرف کر دیا۔ انشاء اللہ اس کا تفصیلی بیان تعمیرات کے سلسلہ میں آئے گا۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابنی کے وظائف بند کرنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں، امام

دقت کو سیاسی وجوہ کی بنا پر اس قسم کے اختیارات حاصل ہیں حضرت عثمان کو ان دذلوں بزرگوں کی طرت سے کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی، اس لئے انھوں نے کچھ دلوں کے لیے وکیلیفہ رکھ دیا تھا۔ چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن مسعود نے وفات پائی۔ تو غایت انصاف سے کام لے کر حسبِ قدر وکیلیفہ بیت المال کے ذمہ آئی تھا، جس کی مقدار تخمیناً بیس پچیس ہزار تھی ان کے ورثاء کے حوالہ کر دیا۔

(۲۱) پوچھا اعتراض بالکل بے معنی ہے۔ فوجی گھوڑوں اور زکوٰۃ کے اونٹوں کے لیے چراگاہیں بنوانا خلیفہ وقت کا منصب فرض ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام یثیع کو چراگاہ قرار دیا تھا۔ حضرت عمر نے تمام ملک میں وسیع چراگاہیں تیار کرائی تھیں عبد شمانی میں قدرتاً گھوڑوں اور اونٹوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ صرف ایک چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔ اس لیے سرکاری چراگاہوں کا وسیع پیمانہ پر انتظام کرنا ضروری تھا اور چونکہ یہ تمام چراگاہیں سرکاری خرچ سے تیار ہوئی تھیں، اس لیے عوام کو اس سے مستفید ہونے کا کوئی حق نہ تھا۔

البتہ اگر الزام کی یہ صورت ہو کہ حضرت عثمان نے اپنے ذاتی گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے مقام یثیع کی چراگاہ کو مخصوص کر لیا تھا تو اس کے متعلق انھوں نے خود جن الفاظ میں اپنی بریت ظاہر کی ہے وہ اس بحث کے لیے کافی ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ تو نے مخصوص چراگاہیں بنائی	قالوا رحمتی وافی والد
ہیں حالانکہ خلیفہ قسم میں نے اسی کو مخصوص چراگاہ	ما حمیت حمی قلی والد
قرار دیا ہے جو مجھ سے پہلے مخصوص ہو چکی، اور	حموا شیاً لاحد الا ما غلبہ
خلیفہ قسم ان لوگوں سے وہی مخصوص چراگاہیں	علیہ اهل المدینہ ثم لم
تبدل کر اُس جن پر تمام اہل مدینہ غالب آئے اس	یمنع امت رعیتہ احدی واقفل
کے بعد چرانے سے کسی کو نہیں رکھا اور	الصدقات المسلمین یحیونہا
اس کو مسلمانوں کے صدقے پر محمد کو ایمان	ثلاثیکون بیت مت یلیہا
کو اس لیے چراگاہ بنایا تاکہ وہی صدقہ کسی	وبیت احد الامن ساقہ
کے درمیان نزاع واقع ہو نہ سکی کہ یہ منج	ہما ومالی من لبعیر غلیروا

۱۔ ابن سعد ج ۳ قسم اول تذکرہ عبداللہ بن مسعود ۷۷۰ الونابا شمار دارالمصطفیٰ ص ۱۵۶۔

احدین و مالی ثاغیة و لا
 مراعیة و الخ قل ولیت
 و الخ اکثر العرب بعید و شاة
 فمالی ایوم شاة و لا بعید
 غیر بعیدین الحجی لہ

کیونکہ اس سے پتا: خبر اس کے جن نے بطور شہوت کے
 کوئی درہم دیا۔ میرے پاس اس وقت دو اونٹوں کے
 سوا اور کوئی مویشی نہیں ہے حالانکہ جس وقت میں
 نے غزوات کا باگر لیا اپنے سر لیا ہے تو میں عرب میں
 سب سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا مالک تھا اور
 آج ایک اونٹ اور ایک بکری تک نہیں ہے
 صرف حج کے لئے دو اونٹ رہ گئے ہیں۔

(۵) بازار میں بعض اشیاء کی خرید و فروخت کو اپنے لیے مخصوص کر لینے کا قصہ بالکل غلط ہے۔ اگر اس
 کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ناسیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک جفا کار بادشاہ میں کوئی فرق نہیں رہ
 جاتا۔ البتہ کچھ رگٹھیلیوں کو رگو کو قے کے اونٹوں کی خوراک کے لیے خریدنے کا انتقام کیا گیا ہو گا، لیکن اس
 سے کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔

(۶) اپنے حاشیہ نشینوں اور قرابت داروں کو اطراف ملک میں وسیع قطعہ زمین مرحمت فرمانے
 کا جو الزام عائد کیا گیا ہے، اس کی صحیح کیفیت یہ ہے۔

عبد عثمانی میں بہت سے اہل یمن گھراؤ جاؤا دھوڑ کر مدینے چلے آئے تھے۔ حضرت عثمان نے
 ان لوگوں کی راحت اور سہولت کے خیال سے نزول کی آراضی کا ان کی یمن کی جائداد سے تبادلہ کر لیا تھا۔ شاة
 حضرت طلحہ کو ایک قطعہ زمین دیا تو اس کے علاوہ میں کندہ میں ان کی مملو کہ جائداد پر قبضہ کر لیا۔ انتظامی
 حیثیت سے اس قسم کا ردوبدل ناگزیر تھا۔

ملاق میں بہت سی زمین غیر آباد پڑی ہوئی تھی جن لوگوں نے اس کو زراعت کے قابل بنایا،
 حضرت عثمان نے من احمی امرضا صلیت تہ فہی لہ پر عمل کر کے ان کو اس کا مالک قرار دیا، اور
 ملک کو آباد اور قوم کو مرفہ الحال کرنے کے لیے اس قسم کی تزیین و تکریم نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔

(۷) اگر حضرت عثمان نے اخلاقی یا سیاسی مصالح کی بنا پر کسی صحابی کی تادیب کی تو اس سے اس کی
 مذلیل نہیں ہوئی۔ حضرت عمر نے ابی بن کعب پر کوڑا اٹھایا، عیاض بن غنم کا کرتہ اتروا کہ کیراں چرانے کو

دیں، اور سعد ابن ابی وقاص کو دُرسے ماہے تو کسی نے اس کو تذیل پر محمول نہیں کیا۔

حضرت ابو ذرؓ کو حضرت عثمانؓ نے جلاوطن نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود مارک الدنیا ہو گئے تھے جب حضرت جب حضرت عثمانؓ نے یہ فرمایا کہ آپ میرے پاس سہیے، آپ کے اخراجات کا میں کفیل ہوں۔ لیکن انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تمہاری دنیا کی مجھ کو ضرورت نہیں ہے۔

اسی طرح عبادۃ بن صامت کے ساتھ بھی کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا بلکہ اسی جلاوطنی کی ولایت کے برخلاف ایک مستند روایت موجود ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے آخری عہد تک شام میں تقسیم غنیمت کے عہدہ پر مامور تھے، البتہ عمارؓ یا سہر، حذیب بن جنادہؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کے ساتھ کچھ سختیاں ہوئیں، لیکن اس سے ان کی تذیل نہیں ہوئی۔

ایک مصحف کے سوا تمام مصاحف کے جلا دینے کا الزام صرف ان لوگوں کے نزدیک قابل وقعت قرار پا سکتا ہے جن کے دل بصیرت سے اور سادگیوں سے محروم ہیں حضرت عثمانؓ نے خود کوئی صحیفہ ترتیب دے کر پیش نہیں کیا بلکہ فتنہ کے ظہور سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی حضرت ابو بکرؓ نے جو مصحف تیار کر لیا تھا، اسی کی نقلیں حضرت عثمانؓ نے مختلف امصار و دیار میں بھیجا دیں اور اسی کی تسلیم پر تمام امت کو متفق کر دیا۔ یہ آپ کا وہ کارنامہ ہے جس کے بارہ جہان سے امت مُکذّیہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

(۹) اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ نہایت رحمدل اور رقیق القلب تھے۔ لیکن شرعی حدود

کے اجرائی انھوں نے کبھی تساہل سے کام نہیں لیا، جن واقعات کی بنا پر ان کو اجرائے حدود میں تغافل شائبہ یا جا تلب ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) عبید اللہ بن عمر سے ہرمزان کا قصاص نہیں لیا گیا۔

(۲) ولید بن عقبہ پر شراب خوری کی حد جاری کرنے میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔

ہرمزان کا واقعہ یہ ہے کہ جب فاروق اعظمؓ کو ابو لؤلؤؓ نے شہید کیا تو عبید اللہ بن عمرؓ نے غضبناک ہو کر قاتل کی لڑکی اور ہرمزان کو جو ایک تو مسلم ایرانی تھا قتل کر دیا۔ کیونکہ ان کے خیال میں یہ سب

۱۷ ابن سعد تذکرہ ابو ذرؓ

بہار میں شریک تھے۔ چنانچہ حضرت عثمان نے جب عثمانِ خلافت ہاتھ میں لی، تو سب سے پہلے ہی مقدمہ پیش ہوا، آپ نے صحابہ سے اس کے متعلق رائے طلب کی۔ حضرت علیؑ نے عبید اللہ بن عمرو کو بہزنان کے قصاص میں قتل کروانے کا مشورہ دیا۔ بعض مہاجرین نے کہا، عمرؓ کو قتل ہوئے اور ان کا لڑکا آج مارا جائے گا، عمرؓ بن العاص نے کہا۔ امیر المؤمنین! اگر آپ عبید اللہ کو معاف کر دیں تو امید ہے کہ خدا آپ سے باز پرس نہ کرے گا، غرض اکثر صحابہ عبید اللہ کے قتل کر دینے کے خلاف تھے۔ حضرت عثمان نے فرمایا، چونکہ بہزنان کا کوئی وارث نہیں ہے، اس لیے بحیثیت امیر المؤمنین میں اس کا ولی ہوں، اور قتل کے بجائے دیت پر راضی ہوں۔ اس کے بعد خود اپنے ذاتی مال سے دیت کی رقم دے دی، حضرت عثمان نے جس مقدمے کے ساتھ اس مقدمہ کا فیصلہ کیا ہے اس سے پتہ نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ قبیلہ عدی کبھی بہزنان کے قصاص میں عبید اللہ بن عمرو کے قتل کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور حقیقت اسی وقت فتنہ و فساد کی آگ مشتعل ہو جاتی دیدید بن عقبہؓ کو فتنے بارہ نوشی کی تو حضرت عثمان نے فوراً معزولی کر دیا، لیکن حد کے اجرائی اس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ گوہوں پر کمال اطمینان نہیں تھا۔ جب کافی ثبوت بہم پہنچ گیا تو پھر حد کے اجرائی میں پیش نہیں کیا گیا۔

(۱۰) یہ خیال کہ حضرت عثمان نے موثق روایات کو چھوڑ کر روایات شاذہ پر عمل کیا، قطعاً غلط ہے، البتہ اجتہادی مسائل میں اختلاف آراء اور یہ حضرت عثمان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام صحابہ میں اس قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

(۱۱) مذہب میں احترامِ بدعات کا الزام نہایت لغو اور سراسر کذب ہے۔ اتباعِ سنت حضرت عثمان کا مقصد حیات تھا، مٹی میں دو کے بجائے چار رکعت نماز ادا کرنا بھی دراصل ایک نص شرعی پر مبنی تھا، چنانچہ جب صحابہ نے اس کو بدعت پر ٹھہرا کر کے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو خود حضرت عثمان نے ایک مجمع میں چار رکعت نماز پڑھنے کی حسب ذیل وجہ بیان کی۔

یا ایھا الناس اتی تاہلت بکے صند	صاحبو! جب میں مکہ پہنچا تو یہاں اقامت کی نیت
قد مت وانی سمعت رسول اللہ	کوئی احد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم یقول من تاہل	کو فرماتے سنا ہے کہ جو کسی شہر میں اقامت کی نیت
فی بلد فلیصل صلوٰۃ المقیم	کرے اس کو مقیم کی طرح نماز پڑھنا چاہیے

لہ ابن اثیر ج ۲ ص ۵۸-۵۹، فتح الباری ج ۷ ص ۲۵، طبری ص ۲۸۶۹-۲۸۷۰، مسند ابن ماجہ ج ۱ ص ۶۲

(۱۲۱) بارہواں الزام ”مصری وفد“ کے ساتھ بہ عہدی کا ہے۔ اس پر تفصیلی بحث حضرت عثمان کی شہادت کے موقع پر آئے گی۔

شورش کے سردار اور اصلاح کی آخری کوشش | غرض یہ حقیقت ہے ان تمام الزامات کی بہی

نیاد پر سازش، فتنہ پر بازی اور انقلاب کی عداوت قائم کی گئی تھی اور اس حد تک کہیں پہنچی تھی کہ اس کا انہدام تقریباً ناممکن ہو گیا تھا۔ تاہم حضرت عثمان نے شورش رنج کرنے کے لیے اصلاح اور شکایتوں کے ازالہ کی ایک آخری کوشش کی، اور تمام اہمال کو دارالخلافہ میں طلب کر کے اس کے متعلق ایک مجلس شوریٰ منعقد کی، جس میں امیر معاویہ، عبداللہ بن ابی سرح، سعید بن العاص اور عمرو بن العاص خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت عثمان نے ایک مختصر تقریر کے بعد موجودہ شورش کو رنج کرنے کے متعلق ہر ایک سے رائے طلب کی، عبداللہ بن عامر نے کہا امیر المومنین! میرا خیال ہے کہ اس وقت کسی ملک پر فوج کشی کوئی جائے، لوگ جہاد میں مشغولی ہو جائیں گے، تو فتنہ و فساد کی آگ خود بخود سرد ہو جائے گی۔

سعید بن العاص نے کہا، موجودہ شورش صرف ایک جماعت کی وجہ سے ہے اس کے سرگروہ اگر قتل کر دیئے جائیں تو مسندین کا شیرازہ بکھر جائے گا، اور ملک میں کامل امن و امان پیدا ہو جائے گا۔

امیر معاویہ نے کہا، ہر ایک عامل اپنے صوبہ میں امن و امان قائم رکھنے کا ذمہ ہے، میں ملک شام کا صائم ہوں۔ عبداللہ بن مسعود نے کہا، شورش پسند گروہ مزین و طرار ہے ایسے مال و زر سے اسکا متنبہ نہ کیا جاسکتا ہے۔

عمرو بن العاص نے کہا امیر المومنین! آپ کی لیے اعتدالیوں نے لوگوں کو احتجاج حق پر آواز کیا ہے اس کے سدک کی صورت دوسری صورتیں ہیں، یا عدل و انصاف سے کام لیجئے یا خلافت سے کندہ کشی اختیار کیجئے

اگر یہ دونوں ناپسند ہوں تو پھر جو چاہے کیجئے حضرت عثمان نے تجب سے عمرو بن العاص کی طرف دیکھا اور فرمایا، افسوس! کیا تم میری نسبت ایسی رائے رکھتے ہو، عمرو بن العاص خاموش رہے، لیکن جب مجمع منتشر

ہو گیا اور تنہا حضرت عثمان رہ گئے تو کہا امیر المومنین! آپ مجھے بہت زیادہ محبوب ہیں، مجمع عام میں میں نے جو رائے دی وہ صرف نمائشی تھی تاکہ مسندین مجھے ہم خیال سمجھ کر اپنا راز دار بنائیں اور اس طرح آپ کو

انکے خیر و شر سے مطلع کرتا رہوں، اگر تب یہ عند معقول اور دل نشین نہ تھا تاہم حضرت عثمان خاموش ہو گئے۔ مجلس شوریٰ کے ارکان نے اگرچہ اپنے اپنے خیال کے مطابق مفید آرائیں دیں، لیکن ان میں سے

کسی رائے سے بھی اصل مرض کا ازالہ نہیں ہو سکتا تھا اس لیے اصلاح ملک کا کوئی مکمل دستور العمل تیار نہ ہو سکا اور حضرت عثمان نے تمام ممالک کو واپس کر دیا اور خود ایک مکمل سکیم سوچنے میں مصروف ہو گئے۔

مفسدین کو ذبح کی رضا جوئی | پہلے گورچکا ہے کہ مفسدین کو ذبح سید بن العاص سے خاص بغض و عناد رکھتے تھے

چنانچہ جب وہ مجلس شوریٰ میں شریک ہو گئے تو انہوں نے باہم عہد کیا کہ اب وہ ان کے کو ذبح واپس آنے میں بڑا مزاحم ہوں گے۔ چنانچہ جب سید بن العاص مدینہ سے کو ذبح گئے تو مفسدین نے شہر سے باہر نکل کر مقام بصرہ

میں مزاحمت کی اور سید کو مدینہ جانے پر مجبور کر دیا۔ حضرت عثمان نے ان لوگوں کی خواہش کے مطابق سید کو معزول کر کے ابو موسیٰ اشعری کا تقریر کیا اور بائیسوں کے پاس لکھ کر بھیجی کہ میں نے تمہاری خواہش کے مطابق

تقرر کر دیا، اور آخر وقت تک تمہاری اصلاح میں جدوجہد کروں گا اور کسی دقت میرے کامن ہاتھ سے نہ چھوڑوں گا۔

تحقیقاتی و فوری | حضرت عثمان برابر اصلاح ملک کی فکر میں تھے کہ کوئی مناسب تدبیر سمجھ میں نہیں آتی تھی حضرت طلحہ نے مشورہ دیا کہ ملک کے مختلف حصوں میں حالات کی تحقیقات کے لیے وفد روانہ کیے جائیں۔ حضرت

عمر بن مسلمہ کو ذبح، اسامہ بن زید بصرہ، عمار بن یاسر مصر، عبداللہ بن عمر شام اور بعض دوسرے صحابہ دیگر صوبہ جات کی طرف تعینات کر کے لیے روانہ ہو گئے۔ تاہم تمام ملک میں گشتی اعلانِ جدی کر دیا کہ میں تمہارا حج کے موقع

پر تمام ممالک جمع کرتا ہوں اور جس عامل کے خلاف کوئی شکایت پیش کی جاتی ہے فوراً تحقیقات کر کے تدارک کرتا ہوں، لیکن باوجود اس کے بعض ممالک بے درجہ لوگوں کو مارتے ہیں، گالی دیتے ہیں اور دوسرے

طریقوں سے ظلم و تعدی کرتے ہیں، اس لیے یہ اعلانِ عام ہے کہ جس کو مجھ سے یا میرے کسی عامل سے کوئی شکایت ہو وہ حج کے موقع پر بیان کرے، میں گاہ تدارک کر کے ظالم سے مظلوم کا حق دلاؤں گا۔

انقلاب کی کوشش | ادھر دیر باہر خلافت میں یہ اصلاحات کی تجویزیں پیش ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف ملک میں ایک عظیم الشان انقلاب کی سازش مکمل ہو چکی تھی، چنانچہ بصرہ کو ذبح اور مصر کے فتنہ پردازوں نے

اپس میں ملے کر کے اپنے اپنے شہر سے حاجوں کی دفع میں مدینہ کا رخ کیا تاکہ حضرت عثمان سے زور اپنے مطالبات تسلیم کرانے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر شہر سے دو تین میل کے فاصلہ پر قیام کیا، اور چند آدمی جو اس جماعت کے سرگروہ

تھے باری باری حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت علی کے پاس گئے کہ وہ اپنی نیت سے معاملہ کا تصفیہ کر لیں، لیکن سب نے اس جھگڑے میں پڑنے سے انکار کر دیا۔

حضرت عثمان کو فتنہ و فساد کا دبانہ اور لوگوں کی صحیح تسکایات کا ذریعہ کرنا بہر حال منظور تھا۔ اس لیے انہوں نے مفسدین کے اجتماع کی خبر سنی تو حضرت علی کو بلا کر کہا کہ آپ اس جماعت کو راضی کر کے واپس کر دیجئے، میں جانوں مطالبات کے تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوں، چنانچہ حضرت علی کی دسالت سے مفسدین واپس گئے، لہذا اس کے بعد حضرت عثمان نے جمعہ کے روز مسجد میں خطبہ دیا اور تفصیل کے ساتھ اصلاحی اسکیم اور اپنے آئندہ طرز عمل کی آرزو کی، لوگ خوش ہو گئے کہ اب تنازعات کا خاتمہ ہو گیا، اور جدید اصلاحات کے اجراء سے ایک طرف تو بنو امیہ کا زور ٹوٹ جائے گا، دوسری طرف باغ اسلام میں حسن کو مسلسل پانچ سال کے فتنہ و فساد اور سازش و فتنہ پر دلائی کی باخیزال نے بے رونق کر دیا ہے، پھر تازہ بہ تازہ آجائے گی، لیکن یہ غیبت سرور الہی اچھی طرح کھلا بھی نہ تھا کہ مرجعاً گیا، اور ایک دن دفعۃً مدینہ کی گلیوں میں تکبیر کے نعروں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے شہر تباہ ہو گیا، کبار صحابہ گھبرا کر گھروں سے نکل آئے۔ دیکھا کہ مفسدین کی جماعت پھر واپس آگئی ہے، اور انتقام کی صدا میں بلند ہو رہی ہیں، حضرت علی نے بڑھ کر واپس آنے کا سبب دریافت کیا، مصریوں نے کہا کہ براہ میں دربار خلافت کا ایک قاصد ملا، جو نہایت تیزی و عجلت کے ساتھ مصر جا رہا تھا۔ اس مشتبہ حالت سے یہ گمانی پیدا ہوئی اور خیال ہوا کہ ضرور ہم لوگوں کے متعلق دلی مصر کے پاس احکام جاری ہے۔ تماشائی گئی تو درحقیقت ایک ایسا فرمان برآمد ہوا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ ہم لوگوں کی گردن ماویٰ جا آئی ہے اب ہم اس بد مہلک اور فریبکاری کا انتقام لینے آئے ہیں۔ خلافت سے کنارہ کشی کا مطالبہ حضرت عثمان کو اس واقعہ سے اطلاع دی گئی تو آپ نے حیرت کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کی، اور قسم کھا کر کہا کہ مجھے مطلقاً اس خط کی اطلاع نہیں ہے، حضرت عثمان کے حلیفہ انکا ہر لوگوں نے قیاس کیا کہ یقیناً یہ مردان کی شرارت ہے۔ مصریوں نے کہا بہر حال کچھ بھی ہو جو خلیفہ اس قدر فاضل ہو کہ اس کی لاعلمی میں ایسے اہم امور پیش آسکیں اور اسے خبر نہ ہو وہ کسی طرح خلافت کے لیے موزوں نہیں ہو سکتا، اور حضرت عثمان سے مسند خلافت سے کنارہ کش ہو جانے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے فرمایا جب تک مجھ میں رتی جان باقی ہے، میں اس خلعت کو جو خدا نے مجھے پہنایا ہے، خود اپنے ہاتھوں سے نہیں اتاروں گا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق میں اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک صبر کروں گا۔

محاصرہ حضرت عثمان کے انکار پر مفسدین نے کاشانہ خلافت کا نہایت سخت محاصرہ کر لیا، جو چالیس دن تک مسلسل قائم رہا۔ اس عرصہ میں اندر پانی ناکہ پہنچا ناہرم تھا، ایک دفعہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ نے

۱۔ ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۲۹ طبع یورپ ۱۸۵۸ء میں سنہ ذکرہ عثمان۔ ۲۔ ابن سعد ذکرہ عثمان۔ ۳۔ ابن سعد ذکرہ عثمان۔

اپنے ساتھ کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر حضرت عثمانؓ تک پہنچنے کی کوشش کی، مگر مفسدین کے قلوب نور ایمان سے خالی ہو چکے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کا بھی پاس و لحاظ نہ کیا اور بے ادبی کے ساتھ مزاحمت کر کے واپس کر دیا۔ ہمسایہ گھروں سے کبھی کبھی رسد اور پانی کی امداد پہنچ جاتی تھی، مفسدین کی خیرہ سری سے صحابہ کرام کی بے احترامی اتنی بڑھ گئی تھی کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ ابو ہریرہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور زید بن ثابتؓ جیسے اکابر صحابہؓ تک کی کسی نے نہ سنی اور ان کی توہین کی حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے بلانے پر ان کے گھر کے اندر جانا یا ہاتھ لگوانے سے ان کو روک دیا، آپ نے مجبور ہو کر اپنا سیاہ مہمہ اتار کر قاصد کو دے دیا اور کہا جو حالت ہے اس کو دیکھ لو اور جا کر کہہ دو بہت سے صحابہؓ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تھے، حضرت عائشہؓ نے سفیر کا ارادہ کر لیا، اکابر صحابہؓ نے ان پر آشوب حالات میں گوشہ نشینی مناسبت سمجھی، ذمہ دار صحابہؓ میں اس وقت تین بزرگ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ موجود تھے جو نہ تو یہ توقع رہ سکتے تھے، اور نہ ان حالات پر ان کو قابو تھا، تینوں اصحاب بھی علماء علیحدہ رہے، مگر اپنے اپنے جگر گوشوں کو خلیفہ وقت کی حیثیت کے لیے بھیج دیا، حضرت امام حسنؓ دروازہ پر پہنچے وہ رہے تھے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو حضرت عثمانؓ کے گھر میں جو جان نثار کو جوڑتھے ان کی افسری پر متعین کیا۔

بانیوں کو حضرت عثمان کی فہمائش | کاشانہ خلافت کا مہمو کرنے والے بانیوں کو متعدد دفعہ حضرت عثمانؓ نے سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کے سامنے مؤثر تقریریں کیں، حضرت ابی بن کعبؓ نے تقریر کی، مگر ان لوگوں پر کسی چیز کا اثر نہ ہوا، حضرت عثمانؓ نے چھت کے اوپر سے منجھ کو مخاطب کر کے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ آئے، تو یہ مسجد تنگ تھی، آپ نے فرمایا کون اس زمین کو خرید کر وقف کرے گا؟ اس کے صلہ میں اس کو اس سے بہتر جگہ جنت میں ملے گی، تو میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی، تو کیا اسی مسجد میں تم مجھے نماز پڑھنے نہیں دیتے۔ تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں، بتاؤ کیا تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو اس میں بیرون درومہ کے سوا ایٹھے پانی کا کنواں نہ تھا، آپ نے فرمایا کہ اس کو کون خرید کر عام مسلمانوں پر وقف کرتا ہے؟ اور اس سے بہتر اس کو جنت میں ملے گا، تو میں نے ہی اس کی تکمیل کی، تو کیا اسی کے پانی پینے سے مجھے محروم کر رہے ہو، کیا تم جانتے ہو کہ عسرت کے

شہ طبری ص ۲۱۰ - ۲۱۱ ابن سعد جلد ۳ قم اقل

شکر کو میں ہی نے ساز و سامان سے آراستہ کیا تھا! سب نے جواب دیا خداوندیہ سب باتیں سچ ہیں۔
مگر سنگدلوں پر اس کا اثر بھی نہ ہوا۔ پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا: تم کو قسم دیتا ہوں تم میں کسی کو یاد ہے
کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پڑھ کر پڑھنے لگے۔ آپ نے پہلا کو باؤں کی ٹھوک مار کر فرمایا
اے حرا! ٹھہر جا! کتریری پیٹھ پر اس وقت ایک نبی اور ایک صدیق اور ایک شہید ہے، اور میں آپ کے ہاتھ
تھا۔ لوگوں نے کہا یاد ہے پھر فرمایا خدا کا واسطہ دیتا ہوں، تیرا کھد میں مجھے آپ نے کتر میں بیٹھنا کو بھیجا تھا، تو کیا تو اپنے
اپنے دست مبارک کو میرا ہاتھ قرار نہیں دینا اور میری طرف سے خود ہی بیعت نہیں کی! سب نے کہا سچ ہے۔

آخر میں بانہی یہ دیکھ کر کہ حج کا موسم چند روز میں ختم ہو جاتا ہے، اور اس کے ختم ہوتے ہی لوگ
مدینہ کا رخ کریں گے، اور موقع نکل جائے گا۔ آپ کے قتل کے مشورے کرنے لگے جس کو خود حضرت عثمان
نے اپنے کانوں سے سنا، اور مجمع کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا لوگوں! انہوں نے جو تم میرے سخن کے پیارے
ہو، اسلام کی شریعت میں کسی کے قتل کی صورتیں ہی صورتیں، یا تو اس نے بدکاری کی ہو، تو اس کو سنگسار
کیا جائے، یا اس نے بالاولادہ کسی کو قتل کیا ہو تو وہ قصاص میں راجع ہے، یا وہ مرتد ہو گیا ہو تو وہ قتل کیا
جائے گا۔ میں نے نہ تو جاہلیت میں اور نہ اسلام میں بدکاری کی، نہ کسی کو قتل کیا، اور نہ اسلام کے بعد مرتد ہوا
اب بھی گو ابھی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں لیکن ہائیل پر ان سے کوئی تقریر کا کر نہ ہوئی
جان تباروں کے مشورے اور اجازت طلبی | بعض جان نثاروں نے مختلف مشورے دیئے، مینو بن جبشہ
نے ان کو عرض کیا: "امیر المؤمنین تین باتیں ہیں، ان میں سے ایک قبول کیجئے، آپ کے طرفداروں اور جان نثاروں
کی ایک طاقتور جماعت یہاں موجود ہے، اس کو لے کر نکلتے، اور ان باغیوں کا مقابلہ کر کے ان کو نکال دیجئے
آپ حتی پر میں وہ باطل پر لوگ ہی کا ساتھ دیں گے۔ اگر یہ منظور نہیں تو پھر صدر دروازہ چھوڑ کر دوسری طرف
سے دیوار توڑ کر اس محاصرہ سے نکلنے اور سواریوں میں بیٹھ کر مکہ معظمہ چلے جائیے، وہ حرم ہے، وہاں یہ لوگ نہ
سکیں گے، واپس یہ کہ شام چلے جائیے، وہاں کے لوگ زنادار ہیں اور معاویہ موجود ہیں، حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں
باہر نکل کر ان سے جنگ کروں تو میں وہ پہلا خلیفہ بننا نہیں چاہتا جو امت محمدی کی خونریزی کرے، اگر
مکہ معظمہ چلا جاؤں تو بھی اس کی امید نہیں کہ یہ لوگ حرم الہی کی توہین نہ کریں گے، اور جنگ سے باز آجائیں گے
اور میں آپ کی پیشین گوئی کے مطابق وہ شخص نہیں بننا چاہتا جو کہ جاکر اس کی بے حرمتی کا باعث ہو گا، اور شام

یہی نہیں جاسکتا کہ اپنے گھر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار کو نہیں چھوڑ سکتا ہے
حضرت عثمان کا گھر بڑا وسیع تھا۔ دروازہ اور گھر میں صحابہ اور عام مسلمانوں کی خاصی جمعیت موجود

تھی جس کی تعداد سات سو تھی، اور جس کے سردار حضرت زبیر کے بہادر صحابہ حضرت عبداللہ بن زبیر تھے
وہ حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ امیر المؤمنین! اس وقت گھر کے اندر ہماری خاصی
تعداد ہے، اجازت ہو تو میں ان باغیوں سے لڑوں۔ فرمایا اگر ایک شخص کا بھی ارادہ ہو تو میں اس کو خدا
کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ میرے لیے اپنا خون نہ بہائے۔ لکھ

گھر میں اس وقت بیس غلام تھے، ان کو بھی ہلا کر آزاد کر دیا۔ حضرت زبیر بن ثابت نے آکر عرض کیا
امیر المؤمنین! انصار دروازہ پر کھڑے اجازت کے منتظر ہیں کہ وہ دوبارہ اپنے کارنامے دکھائیں، فرمایا، اگر کوئی
مقصود ہو تو اجازت نہ دوں گا۔ اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو میری مدافعت میں تلوار نہ
اٹھائے۔ حضرت ابوہریرہ نے اجازت مانگی تو فرمایا کہ اگر تم نے ایک شخص کو بھی قتل کیا تو گویا سب قتل ہو گئے
یہ سورہ مائدہ ۴۵ کی آیت ۶ کی طرٹ اشارہ ہے، ابوہریرہ یہ سن کر روٹ آئے۔ لکھ

شہادت کی تیاری | حضرت عثمان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق یہ یقین تھا کہ

ان کی شہادت مقدر ہو چکی ہے۔ آپ نے متعدد مرتبہ ان کو اس سانحہ سے خبردار کیا تھا اور میرا مستقل
کی تا کید فرمائی تھی۔ حضرت عثمان اس دعوت پر پوری طرح قائم اور ہر لمحہ ہونے والے واقعے کے منتظر تھے جس
دن شہادت ہونے والی تھی آپ روزہ سے تھے۔ جمعہ کلان تھا خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور
حضرت ابو بکر و عمر تشریف فرما ہیں اور ان سے کہہ رہے ہیں کہ عثمان جلدی کر دو تمہارے انصار کے منتظر ہیں۔
ہوئے تو حاضرین سے اس خواب کا ذکر کیا۔ ابلیہ قرمر سے فرمایا کہ میری شہادت کا وقت آ گیا ہے۔ باقی مجھے
قتل کروائیں گے۔ انھوں نے کہا۔ امیر المؤمنین! ایسا نہیں ہو سکتا۔ فرمایا میں یہ خواب دیکھ چکا ہوں اور
ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عثمان باج جمع میرے ساتھ پڑھنا پھر
باج لکھ سیکو کبھی نہیں پہناتا تھا۔ منگو کر پہناتا ہے۔ میں غلاموں کو بلا کر آزاد کیا، اور قرآن کھول کر تلاوت میں مصروف ہو گئے
شہادت | باغیوں نے مکان پر حملہ کر دیا۔ حضرت امام حسن جو دروازہ پر متعین تھے، مدافعت میں زخمی

۱۔ ابن حنبل جلد اول ص ۷۴ ابن سعد ج ۳ رقم اول ص ۹۹ لکھ ایضاً ابن حنبل جلد اول ص ۷۲ ابن سعد جلد ۲ ص ۲۹
۲۔ ایضاً ایضاً ابن حنبل جلد اول ص ۷۴ ابن سعد جلد ۲ ص ۹۳ ابن سعد ج ۳ ص ۱۰۳۶ ۱۰۳۹ میں یہ دونوں خواب
ذکر ہیں اور ابن حنبل میں صورت سے خواب کا نسخہ ابن حنبل جلد اول ص ۷۱۔

چار باغی دیوار چھاند کر چھت پر چڑھ گئے آگے آگے حضرت ابو بکر کے چھوٹے صاحبزادے محمد بن ابی بکر تھے جو حضرت عثمان کے دشمن بن گئے تھے۔ انھوں نے آگے بڑھ کر حضرت عثمان کی ریش مبارک پکڑ لی، اور زور سے کھینچی۔ حضرت عثمان نے فرمایا، بھتیجے! اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو یہ پسند نہ آتا، یہ سن کر محمد بن ابی بکر شرمناکڑ پیچھے ہٹ گئے، اور ایک دوسرے شخص کناذ بن بشیر نے آگے بڑھ کر پیشانی مبارک پر روپے کی لاث اس زور سے ماری کہ پیلو کے بل گر پڑے۔ اس وقت بھی زبان سے بسم اللہ تو کلت علی اللہ نکلا۔ مولانا ابن حمران مرادی نے دوسری ضرب لگائی جس سے خون کا ذراہ جاری ہو گیا۔ ایک اور سنگدل عمرو بن لائق سینہ پر چڑھ بیٹھا اور جسم کے مختلف جھون پپے دے پے نیروں کے نازخ لگائے کسی شقی نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا، وفا دار بیوی حضرت نائلہ نے جو پاس ہی بیٹھی تھیں، ہاتھ پر روکا، تین انگلیاں کٹ کر الگ ہو گئیں اور نے ذوالنورین کی شیعہ میات بھجادی، اس بیکی کی ہوت پر عالم امکان نے ماتم کیا، کائنات ارضی و سماوی نے خون ناسخ پر آئسو ہائے۔ کارکنان قضا و قدر نے کہا جو خون آسمان تلوار آج کھلا ہے وہ شتر تک کھلا رہے گا۔ شہادت کے وقت حضرت عثمان ثلاثت فرما رہے تھے، قرآن مجید سامنے کھلا تھا، اس خون ناسخ نے جس آیت کو خون تاب کیا وہ یہ ہے،

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (بقرہ-۱۵) عذاب کو بس ہے اور وہ سننے اور جاننے والا ہے۔

جمہ کے دن عصر کے وقت شہادت کا واقعہ پیش آیا، دو دن تک لاش یہ گورو کفن پڑی ہی حرم رسول میں قیامت تھی، ایمانوں کی حکومت تھی، ان کے خوف سے کسی کو علانیہ دفن کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ سینچر کا دن گرد کر رات کو چند آدمیوں نے، تھیلی پر حبان رکھ کر تہمت و کفین کی ہمت کی اور غسل دیئے پھر اسی طرح خون آلود پیراہن میں شہیدِ مظلوم کا جنازہ اٹھایا، اور کاسترہ آدمیوں نے کابل سے مراکش تک فرماں روا کے جنازہ کی نماز پڑھی، مسند ابن جنبل میں ہے حضرت زبیر نے اور ابن سعد میں ہے کہ حضرت حمیر بن مطلقم نے نماز جنازہ پڑھائی، اور جنبت البقیع کے پیچھے حش کو کب میں اس حلیم و بردباری کے مجسمہ اور سیکھی مظلوما کے سیکر کو بڑھا کیا، بد کو بیتام دیواروں جنبت البقیع میں داخل کر لیا گیا، آج بھی جنبت البقیع کے سب سے آخر میں نماز مبارک موجود ہے حضرت عثمان کا ماتم اصحاب کرام اور عام مسلمانوں میں سے کوئی اس نماز مظلومی کے سننے کیلئے تیار نہ تھا اور کسی کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ باغی اس حد تک جرأت کریں گے کہ امام وقت کے قتل کے مرتکب ہوں گے۔

۱۔ صحیح بخاری کتاب الفتن میں اس کا اشارہ ہے۔ ۲۔ ایضاً مسند ابن جنبل جلد ۳ ص ۳

اور ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کریں گے۔ اس لیے جس نے اس کو سنا انگشت بردن اور گیا جو لوگ حضرت عثمان کی طرف حکومت کے کسی قدر شکی تھے انہوں نے بھی اس بیسی اور منطومی کی موت پر اسو پہلے تمام لوگوں میں سنا چا گیا۔ خود بھی بھی جن کی بیاس اس خون سے کچھ چکی تھی اب مال کار کو سوچ کر اپنی حرکت پر نادم تھے، لیکن دشمنوں نے اسلام کیلئے سازش کا جو حال بچھایا تھا، اس میں وہ کامیاب ہو چکے تھے۔ متحدہ اسلامی لشیرہ خارجی اور عثمانی فتنہ حصول میں بٹ گیا۔ اور ایسا فقرہ پڑا جو قیامت تک کے لیے قائم رہ گیا۔

حضرت علیؓ مسجد سے نکل کر حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف آ رہے تھے، کہ راہ میں شہادت کی اطلاع ملی یہ خبر سنتے ہی دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا، خدا دندا! میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں حضرت عمرؓ کے بہنوئی سید بن زید بن عمرو بن نفیل نے کہا لوگو! اگر کوہ احد تمہاری اس بد اسمالی کے سبب پھٹ کر تم پر گر پڑے تو بھی بجائے حضرت حذیفہؓ نے جو صحابیؓ میں فتنہ و فساد کی پیشین گوئی کے سب سے بڑے حافظ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محرم اسرار تھے، فرمایا، آہ عثمانؓ کے قتل سے اسلام میں وہ رخنہ پڑ گیا جو اب قیامت تک بند نہ ہوگا حضرت ابن عباسؓ نے کہا اگر تمام خلقت عثمانؓ کے قتل میں شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح آسمان سے اس پر پتھر برستے، تاہم بن عدی صحابی کو جو معتناتے سین کے والی تھے۔ اس کی شہرہ پوچھی تو وہ رو پڑے اور فرمایا کہ انہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیشینی جاتی رہی، ابو حمید ساعدی صحابی نے قسم کھائی کہ جب تک جیوں گا، منہسی کا منہ نہ دیکھوں گا، عبد اللہ بن سلام صحابی نے کہا آہ، آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہو گیا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا، عثمانؓ مظلوم مارے گئے، خدا کی قسم ان کا نامہ اعمال دھلے پڑے کی طرح پاک ہو گیا، حضرت زید بن ثابتؓ نے کہا انکھوں سے آنسوؤں کا تار جاری تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ حال تھا کہ جب اس ساتھ کا ذکر آجاتا تو دھاڑیں مار مار کے روتے کہے

حضرت عثمانؓ کا خون سے رنگین کرتے اور حضرت عائشہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں شام میں امیر معاویہؓ کے پاس پہنچ گئیں۔ جب وہ کرتے جمع عام میں کھولا گیا اور انگلیاں لٹکانی گئیں تو ماتم پر پاپا ہو گیا اور انتقام انتقام کی آوازیں آنے لگیں۔

۱۔ ایضاً ۴۷ دامن سعد و مستدرک تذکرہ عثمانؓ کے یہ تمام افعال ابن سعد جلد ۳ قسم اول ص ۵۶، ۵۷ میں مذکور ہیں حضرت سعید بن مرد بن نفیل کا فقرہ صحیح بخاری باب اسلام سعید بن زید میں بھی مذکور ہے، حضرت علیؓ کا فقرہ حاکم مستدرک میں پسند صحیح نقل کیے۔

عثمانی کارنامے

فتوحات پر اجمالی نظر | اس میں شک نہیں ہے کہ فاروق اعظم نے اپنے حسن تدبیر اور غیر معمولی سیاسی قوت عمل سے روم و ایران کے دفتر الٹ دینے، اور ان کی دولت و مملکت و فرزندانِ توحید کا ورثہ بن گئی دولت کیانی صفحہ ہستی سے معدوم ہو گئی، اور تمام ایران مسخر ہو گیا۔ شام، مصر، الجزائر نے بھی سپردالِ دی، لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ فاتحِ قوم کا ایک ہی سیلابِ مفتوحِ اقوام کے احساسِ خودی کو فنا کر دے؟ اور کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ ایک ہی شکست نے کسی قوم کی حریت و آزادی کے جذبہ کو معدوم کر دیا ہو، اور اس کے توانے عملی بیکار ہو گئے ہوں؟ سکندر نے تمام دنیا کو مسخر کر لیا لیکن اس کے جانشینوں نے کتنے دنوں تک حکومت قائم رکھی، چنگیز و تیمور نے بھی عالم کو تہ و تابا کر دیا، لیکن ان کی فتوحات کیوں نقشِ بر آب ثابت ہوئیں؟ یہ ایک تاریخی نکتہ ہے کہ جب اولوالعزم فاتح کا جانشین دیساہی اولوالعزم اور عام حوصلہ نہیں بہتا تو اس کی فتوحات اس تماشاً گاہِ عالم میں صرف ایک وقتی نمائش ہوتی ہیں۔ اس بنا پر جانشینِ فاروق کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ممالکِ مفتوحہ میں حکومت و سلطنت کی بنیاد مستحکم کی، اور مفتوحِ اقوام کے جذبہ خود سری کو رتہ رتہ اپنے حسن تدبیر اور حسن عمل سے اس طرح ختم کر دیا کہ مسلمانوں کی باہمی کشمکش کے یوتوں میں بھی انہیں سرتابی کا ہمت نہ ہوتی۔

تم نے فتوحات کے سلسلہ میں پڑھا ہو گا کہ حضرت عثمان کو نہایت کثرت کے ساتھ بغاوتیں فرو کرنا پڑیں، مصر میں بغاوت ہوئی، اہل آرمینیا اور آذربائیجان نے خراج دینا بند کر دیا، اہل خراسان نے کثرت اختیار کی، یہ تمام بغاوتیں درحقیقت اسی جذبہ کا نتیجہ تھیں، جو مفتوح ہونے کے بعد بھی اقوام کے جذبہ آزادی کو براہِ گنجتہ کرتا رہتا ہے لیکن حضرت عثمان نے تمام بغاوتوں کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ فرو کیا اور آہستہ آہستہ تشدد و تطف کی مجموعی حکمت عملی سے مفتوحہ ممالک کی عام رعایا کو اطاعت اور انقیاد پر مجبور کر دیا۔

فتوحات کی وسعت | عبد عثمانی میں ممالکِ محروسہ کا دائرہ بھی نہایت وسیع ہوا، افریقہ میں طرابلس، برقا اور مراکش (افریقہ) مفتوح ہوئے، ایران کی فتح تکمیل کو پہنچی، ایران کے متصل ملکوں میں افغانستان، خراسان، اور ترکستان کا ایک حصہ زیرِ گنجان ہوا، دوسری سمت آرمینیا اور آذربائیجان مفتوح ہو کر اسلامی سرحد کو قاف تک پھیل گئی۔ اسی طرح ایشیائے کوچک کا ایک وسیع خطہ ملک شام میں کر لیا گیا۔

بحری فتوحات کا آغاز خاص حضرت عثمان کے عہد خلافت سے ہوا حضرت عمر کی احتیاط نے مسلمانوں کو سمندری خطرات میں ڈالنا پسند نہ کیا۔ ذوالنورین کی ادولوالعزمی نے خطرات سے بے پرواہ ہو کر ایک عظیم الشان بڑا تیار کر کے خزیرہ قبرص (سائپرس) پر اسلامی پھر یرا بلند کیا، اور بحری جنگ میں قبضہ مردم کے بیڑے کو جس میں پانچ سو جنگی جہاز شامل تھے، ایسی فاش شکست دی کہ پھر یومیوں کو اس جرات کے ساتھ بحری حملہ کی ہمت نہ ہوئی۔

نظام خلافت اسلامی حکومت کی ابتدا شوریٰ سے ہوئی۔ فاروق اعظم نے اس کو زیادہ مکمل اور منظم کر دیا۔ حضرت عثمان نے بھی اس نظام کو اپنے ابتدائی عہد میں قائم رکھا لیکن آخر میں نبوی امیہ کے استیلاء نے اس میں بہت ہی پیدا کر دی۔ مروان بن حکم نے حضرت عثمان کے اہل و عیال کی اور سادگی سے سنا جانا فرما دیا۔ اٹھا کر خلافت کے کامہ باد میں پورا رخ پیدا کر لیا تھا تاہم جب کبھی آپ کو کسی معاملہ کی طرف توجہ دلائی جاتی تھی تو آپ فوراً اس کے تدارک کی سعی کرتے، یہ تک مشوروں کو قبول کرنے میں تامل نہ فرماتے۔ چنانچہ ولید بن عقبہ کی یادہ نوشی کی طرف توجہ دلائی گئی تو تحقیق کے بعد انھوں نے فوراً اس کو معزول کر دیا، اور شرعی حد جاری کی، اسی طرح جب حضرت طلحہ نے ملک کی عام تحقیقات کے لیے دو دھبیجے کا مشورہ دیا تو فوراً اس کو تسلیم کر لیا۔

جمہوری حکومت کا ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور حکام کے طریق عمل پر نکتہ چینی کرنے کا حق حاصل ہو۔ حضرت عثمان کے اخیر عہد میں اگرچہ مجلس شوریٰ کا باقاعدہ نظام درہم برہم ہو گیا تھا، تاہم یہ حقوق بچنے باقی تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ مجمع عام میں ایک شخص نے عمل کو اپنے ہی خاندان سے منتزاع کرنے پر بلند آہنگی سے اعتراض کیا، اسی طرح حضرت عثمان نے عبداللہ بن ابی سرح کو طرابلس کے مال غنیمت سے شخص کا پانچواں حصہ دے دیا۔ تو بہت سے آدمیوں نے اس پر اعتراض کیا اور حضرت عثمان کو اسے واپس کرانا پڑا۔

عممال کی مجلس شوریٰ اعلیٰ و انتظامی معاملات میں حکام وقت دوسرے غیر ذمہ دار اشخاص کے مقابلہ میں نسبتاً بہتر اور صاحب رائے قائم کر سکتے ہیں چنانچہ آج تمام مہذب حکومتوں میں عمال و حکام کی ایک مجلس شوریٰ ہوتی ہے۔ عثمان ذوالنورین نے تیرہ سو برس پہلے اس ضرورت کو محسوس کر کے عمال کی ایک مجلس شوریٰ ترتیب دی تھی اس مجلس کے ارکان سے عموماً تحریری لائیں طلب کی جاتی تھیں۔ کوڈہ میں پہلے پہلے جب فتنہ و فساد کی ابتدا ہوتی تو اس کی بیخ کنی کے متعلق تحریر ہی کے ذریعہ سے لائیں طلب کی گئی تھیں، کبھی کبھی دارالکتاب میں باقاعدہ جلسے بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ شکستہ میں اصلاحات ملک پر منظور کرنے کے لیے

جو علیہ ہوا تھا، اس میں تمام اہل الرائے اور اکثر شمال شریک تھے۔

صوبوں کی تقسیم | انعام حکومت کے سلسلہ میں سب سے پہلے کام صوبہ جات اور اضلاع کی مناسب

تقسیم ہے۔ حضرت عمرؓ نے ملک شام کو تین صوبوں میں تقسیم کیا تھا، یعنی دمشق، اردن اور فلسطین علیحدہ

علیحدہ صوبے قرار پائے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے سب کو ایک والی کے ماتحت کر کے ایک صوبہ بنا دیا

جو نہایت سود مند ثابت ہوا، کیونکہ جب والی خوش تدبیر اور ذی ہوش ہو تو ملک کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں

میں تقسیم کر دینے سے اس کا ایک ہی مرکز سے وابستہ رہنا زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آخری عہد

میں جب تمام ملک سازش اور فتنہ پردازی کا جولان گاہ بنا تھا، اس وقت وہ تمام اضلاع جو شام سے ملحق کر

دیئے گئے تھے، اس سے پاک و صاف رہے۔

دوسرے صوبہ جات بعینہ باقی رکھے گئے۔ البتہ جدید مفتوحہ ممالک یعنی طرابلس، قبرص، آرمینیا اور

طبرستان علیحدہ علیحدہ صوبے قرار پائے۔

اختیارات کی تقسیم | حضرت عثمانؓ نے افسر فوج کا ایک جدید عہدہ ایجاد کیا، اس سے پہلے والی یعنی حاکم

صوبہ انتظام ملک کے ساتھ فوج کی افسری بھی کرتا تھا۔ چنانچہ لیل بن منبہ صنعا کے عامل ہوئے، تو عبداللہ

بن ربیعہ فوج کی افسری پر مامور ہوئے۔ اسی طرح عمرو بن العاص معرندلی سے پہلے والی مصر تھے، اور مصر کی

فوج کی باگ عہد اللہ بن ابی سرح کے ہاتھ میں تھی۔

حکام کی نگرانی | خلیفہ وقت کا سب سے اہم فرض حکام اور عمال کی نگرانی ہے۔ حضرت عثمانؓ اگر چہ عجباً

نہایت نرم تھے، بات بات پر درخت ہاری ہوجاتی تھی اور ذاتی حیثیت سے تامل، بردباری، تسابلی اور ستم پوشی

آپ کا شیوہ تھا، لیکن ملکی معاملات میں انھوں نے تشدد، احتساب اور نکتہ چینی کو اپنا طرز عمل بنایا۔ سعد بن

ابی وقاص نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم لی جس کو ادا نہ کر سکے۔ حضرت عثمانؓ نے سختی سے باز پرس

کی اور معزول کر دیا۔ ولید بن عقبہ نے بادہ نوشی کی معرفی کر کے علانیہ حد جاری کی۔ ابو موسیٰ اشعری نے امیر

زندگی اختیار کی تو انھیں بھی ذمہ داری کے عہدے سے سبکدوش کر دیا۔ اسی طرح عمرو بن العاص والی مصر وہاں

کے خراج میں اضافہ نہ کر سکے تو ان کو علیحدہ کر دیا۔

نگرانی کا یہ عام طریقہ تھا کہ دریافت حال کے لیے دربار خلافت سے تحقیقاتی وفد روانہ کیے جلتے

جو تمام ممالک فخر میں دورہ کر کے عمال کے طرز عمل اور عیالی حالت کا اندازہ کرتے تھے۔ یہ تینوں بزرگ صحابہ نہیں ممتاز حیثیت رکھتے تھے چنانچہ ۱۳ھ میں ملک کی عام حالت دریافت کرنے کے لیے جو دروازہ کے گئے تھے، ان میں ہی حضرات تھے۔

ملک کی حالت سے واقفیت پیدا کرنے کے لیے آپ کا یہ معمول تھا کہ جمعہ کے دن منبر پر تشریف لے جاتے تو خطبہ شروع کرنے سے پہلے لوگوں سے اطراف ملک کی خبریں پوچھتے اور نہایت خود سے سنتے تھے۔ تمام ملک میں اعلان عام تھا کہ جس کسی کو کسی والی سے شکایت ہو، وہ حج کے موقع پر بیان کرے۔ اس موقع پر تمام عمال لازمی طور پر طلب کیے جاتے تھے، ایسے بالواسطہ کی تحقیقات کے تدارک فرماتے۔ مکہ کی نظم و نسق افاقدن اعظم نے ملکی نظم و نسق کا جو دستور العمل مرتب کیا تھا، حضرت عثمان نے اس کو بعینہ باقی رکھا، اور مختلف شعبوں کے جس قدر محکمے قائم ہو چکے تھے، ان کو منضبط کر کے ترقی دی۔ یہ اسی نظم و نسق کا اثر تھا کہ ملکی محاصل میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا، حضرت عمر کے عہد میں مصر کا خراج ۲۰ لاکھ دینار تھا، لیکن عہد عثمانی میں اس کی تعداد ۲۰ لاکھ تک پہنچ گئی۔

بیت المال جدید فتوحات کے باعث جب ملکی محاصل میں غیر معمولی ترقی ہوئی تو بیت المال کے مصارف میں بھی اضافہ ہوا، چنانچہ اہل وظائف کے وظیفوں میں ایک سو درہم کا اضافہ ہوا، حضرت عمر رضان میں اہل بیت و یمنین کو دو سو درہم اور کواہم کو ایک ایک سو درہم روزانہ بیت المال سے دلاتے تھے حضرت عثمان نے اس کے علاوہ لوگوں کا کھانا بھی مقررہ کر دیا۔ **تعمیرات** حکومت کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا گیا، اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا، تمام صوبہ جات میں مختلف دفاتر کے لیے عمارتیں تیار ہوئیں، رناہ عام کے لیے شرک پل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ مسافروں کے لیے ہمان خانے بنائے گئے۔ پہلے کوفہ میں کوئی ہمان خانہ نہ تھا، اس سے مسافروں کو سخت تکلیف ہوتی تھی حضرت عثمان کو معلوم ہوا تو انھوں نے عقل اور ابن ہبار کے مکانات خرید کر ایک نہایت عظیم الشان ہمان خانہ بنوایا۔ ملکی انتظام اور عیالی آسائش دونوں لحاظ سے ضرورت تھی کہ دار الخلافہ کے تمام راستوں میں موقع موقع سے چوکیاں، ہسٹاں، اور چٹھے تیار کرادیئے۔ چنانچہ نجد کی راہ میں مدینہ سے جو بیس میل کے فاصلے پر ایک نہایت نفیس سرائے تعمیر کی گئی، اس کے ساتھ ساتھ ایک مختصر بازار بھی بسایا گیا۔ میز شیریں پانی کا ایک کنواں بنایا گیا، جو ہر اسائب کے نام سے مشہور ہے۔

۱۳ طبری ص ۲۹۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

بند نہر اور اخیر کی سمت سے کبھی کبھی مدینہ میں نہایت ہی خطرناک سیلاب آیا کرتا تھا۔ جس سے شہر کی آبادی کو سخت نقصان پہنچتا تھا۔ بعد نبویؐ کو اس سے صدمہ پہنچنے کا احتمال تھا اس لیے حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پر مدیسی کے قریب ایک بند بندھوایا اور نہر کھود کر سیلاب کا رخ دوسری طرف ٹوڑ دیا۔ اس بند کا نام بند نہر ہے۔ رفاہ عام کی تعمیرات میں یہ خلیفہ ثالث کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔

مسجد نبویؐ کی تعمیر و توسیع [مسجد نبویؐ کی تعمیر میں حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ کا ہاتھ سب سے زیادہ تھا مایہ ہے۔ بند نبویؐ میں جب مسلمانوں کی کثرت کے باعث مسجد کی وسعت نا کافی ثابت ہوئی تھی، تو اس کی توسیع کے لیے حضرت عثمانؓ نے قریب کا قلعہ زمین خرید کر بارگاہ نبوت میں پیش کیا تھا۔ پھر اپنے عہد میں بڑے اہتمام سے اس کی وسیع اور شاندار عمارت تعمیر کرائی۔ سب سے اول سلاخہ میں اس کا ارادہ کیا، لیکن مسجد کے گرد پیش جن لوگوں کے مکانات تھے وہ کافی معارضہ دینے پر بھی مسجد نبویؐ کی قربت کے شرف سے دست کش ہونے کے لیے راضی نہ ہوتے۔ حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو راضی کرنے کے لیے مختلف تدبیریں کیں لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئے، یہاں تک کہ پانچ سال اس میں گزر گئے۔ بالآخر سلاخہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے روز ایک نہایت ہی موثر تقریر کی، اور غلاموں کی کثرت اور مسجد کی تنگی کی طرف توجیہ دلائی۔ اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے خوشی سے اپنے مکانات کو دینے اور آپ نے نہایت اہتمام کے ساتھ تعمیر کا کام شروع کیا۔ مگر ان کے لئے تمام کمال طلب کیے، اور خود شب دروز مصروف کار رہتے تھے۔ غرض دس مہینوں کی مسلسل جدوجہد کے بعد اینٹ چوڑا اور پتھر کی ایک نہایت خوشنما اور مستحکم عمارت تیار ہو گئی۔ وصوت میں بھی کانی اصفافہ ہو گیا، یعنی طول میں پچاس گز کا اضافہ ہوا، ایستہ عرض میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا۔

فوجی انتظامات | حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں جس اصول پر فوجی نظام قائم کیا تھا حضرت عثمانؓ نے اس کو ترقی دی، فوجی خدمات کے صلہ میں جن لوگوں کے وظائف مقرر کیے گئے تھے حضرت عثمانؓ نے اس میں سوسود عظیم کا اضافہ کیا، اور فوجی صیغہ کو انتظامی صیغوں سے الگ کر کے تمام صدر مقامات میں پھیلا دیا۔ مستقل افسروں کے ماتحت کر دیا، اس عہد کے مکمل فوجی انتظامات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایہ عمارت کوحد و شام میں روسیوں کے مقابلہ کے لئے فوجی ملک کی ضرورت ہوئی تو ایران اور آرمینیا کی فوجی نہایت

جملت کے ساتھ بردت پہنچ گئیں اسی طرح جب عبد اللہ بن ابی سرح کو طرابلس میں بغاوت فرد کرنے کے لئے فوجی طاقت کی ضرورت پیش آئی تو شام و عراق کی ملک نے عین دقت پر مساعدت کی، افریقہ کی فوج میں جب مصری فوج ناکام ثابت ہوئی تو مدینہ سے ملک روانہ کی گئی جس کے افسر حضرت عبد اللہ بن زبیر تھے۔ انھوں نے معرکہ کومیاہ کے ساتھ ختم کیا۔

عبد فاروقی میں جو مقامات فوجی مرکز قرار پائے تھے، عہد عثمانی شیخان کے علاوہ طرابلس، قبرص، طبرستان اور آرمینیہ میں بھی فوجی مرکز قائم کیے گئے، اور اضلاع میں چھاؤنیاں بنائی گئیں جہاں تھوڑی تھوڑی فوج متین رہتی تھی۔

تمام ملک میں گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش و پرداخت کے لیے نہایت وسیع چراگاہیں بنوائی گئیں۔ خود دار الخاند کے اطراف و نواح میں متعدد چراگاہیں تھیں۔ سب سے بڑی چراگاہ مقام ربذہ میں تھی جو مدینہ سے چار منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ چراگاہ دس میل لمبی اور اسی قدر چوڑی تھی، دوسری چراگاہ مقام نقیح میں تھی، جو مدینہ سے بیس میل دور ہے۔ اسی طرح ایک چراگاہ مقام ضربہ میں تھی جو دعوت میں بہر طرت سے چھپچھپ میں تھی۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں جب گھوڑوں اور اونٹوں کی کثرت ہوئی تو ان چراگاہوں کو پہلے سے زیادہ وسیع کیا گیا، اور یہ چراگاہ کے قریب چشمے تیار کر لئے گئے۔ ایک مقام ضربہ میں بنی بید سے پانی کا ایک چشمہ خرید کر چراگاہ کے لیے مخصوص کر دیا گیا، علاوہ اس کے حضرت عثمان نے خود اپنے اہتمام سے ایک دوسرا چشمہ تیار کرایا، اور منتظمین چراگاہ کے لیے مکانات تعمیر کرائے۔ عہد عثمانی میں اونٹوں اور گھوڑوں کی جو کثرت تھی، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف ضربہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔

امارت بحریہ | اسلام میں بحری جنگ اور بحری فوجی انتظامات کی ابتدا خاص عثمان کے عہد خلافت سے ہوئی۔ اس سے پہلے یہ ایک خطرناک کام سمجھی جاتا تھا، مگر انیسویں صدی کے تاریخیوں سے اس کے تفصیلی انتظامات کا پتہ نہیں چلتا۔ صرف اس قدر معلوم ہے کہ امیر معاویہ کے توجیہ دلانے پر بایکاؤ خلافت سے ایک جنگی بیڑ تیار کرنے کا حکم ہوا۔ اور عبد اللہ بن قیس حدادی اس کے امیر البحر ہوئے، لیکن اس قدر لقمینی ہے کہ اسی زمانہ میں مسلمانوں کی بحری قوت اتنی بڑھ گئی کہ آسانی کیساتھ قبرص زیر نگین ہو گیا، اور مدینوں کے عظیم الشان جنگی بیڑے جو چین، یونان، مصر، ہندوستان اور ہسپانیہ کے ساحلوں کی طرف رخ کرنے کی ہمت نہ کی

مذہبی خدمات | نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اہم فرض مذہب کی خدمت اور اس کی اشاعت و تبلیغ ہے۔ اس لیے حضرت عثمانؓ ذوالنورین کو اس فرض کے انجام دیتے کا ہر لحظہ خیال رہتا تھا، چنانچہ جہاد میں جو قیدی گرفتار ہو کر آتے تھے ان کے سامنے خود اسلام کے ماحسن بیان کر کے ان کو دین متین کی طرف دلت دیتے تھے۔ ایک دفعہ بہت سی رومی لڑنڈیاں گرفتار ہو کر آئیں۔ حضرت عثمانؓ نے خود ان کے پاس جا کر تبلیغ اسلام کا فرض انجام دیا، چنانچہ وہ لوگوں نے مشائخ کو کلمہ توحید کا اقرار کیا اور دل سے مسلمان ہو گئے۔ غیر قوموں میں اشاعت اسلام کے بعد سب سے بڑی خدمت خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین ہے۔ حضرت عثمانؓ خود ریاضت و مسائل فقہیہ بیان کرتے تھے، اور علماء اس کی تعلیم دیتے تھے۔ ایک دفعہ وضو کر کے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا تھا۔ اٹھ جس مسئلہ میں شبہ ہوتا، یا اس کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتے تھے تو دوسرے صحابہ سے استفسار فرماتے، اور عوام کو بھی ان کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ ایک دفعہ سفر حج کے دوران میں ایک شخص نے پرندہ کا گوشت پیش کیا جو شکلیا گیا تھا۔ جب آپ کھانے کے لیے بیٹھتے تو شبہ ہوا کہ حالت احرام میں اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں۔ حضرت علیؓ بھی ہمسفر تھے۔ ان سے استصواب کیا، انھوں نے عدم جواز کا فتویٰ دیا، اور حضرت عثمانؓ نے اسی وقت کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

www.kitabosunnat.com

مذہبی انتظامات کی طرف پوری توجہ تھی، مسجد نبویؐ کی تعمیر کا حال گورچکھنے، مدینہ کی آبادی اس قدر ترقی کر گئی تھی کہ جمعہ کے روز ایک اذان کافی نہیں ہوتی تھی، اس لیے ایک اور موزن کا اقرار کیا جو مقام زوراء میں اذان دے کر لوگوں کو نماز کے وقت سے مطلع کرتا تھا، نماز میں صفوں کے برابر اور سیدھی رکھنے کے انتظام پر متعدد اشخاص متین تھے، جو خطبہ ختم ہونے کے ساتھ ہی مستعدی کے ساتھ صفیں برابر کرتے تھے۔

مذہبی خدمات کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ قرآن مجید کو اختلاف و تحریف سے محفوظ کرنا اور اس کی عام اشاعت ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ آرمینیا اور آذربائیجان کی مہم میں شام، مصر عراق وغیرہ مختلف ملکوں کی فوجیں مجتمع تھیں، جن میں زیادہ تر نو مسلم اور عجمی النسل تھے جن کی مادری زبان عربی نہ تھی۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ بھی شریک جہاد تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ اختلاف قرأت کا یہ حال ہے کہ اہل شام کی قرأت، اہل عراق سے بالکل جدا گانہ ہے اسی طرح اہل بصرہ کی قرأت،

۱۔ اب المفرد باب خفض المرارۃ ابو ذؤاد کتاب العبادۃ باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲۔ متذکر ابن جنبل جلد ۱ صفحہ ۱

اہل عراق سے بالکل جدا گانہ ہے۔ اسی طرح اہل بصرہ کی قرأت اہل کوفہ سے مختلف ہے اور ہر ایک اپنے ملک کی قرأت کو صحیح اور دوسری کو غلط سمجھتا ہے۔ حضرت خذلیفہ کو اس اختلاف سے اس قدر غمگین ہوا کہ جب سے واپس ہوئے تو سیدھے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور مفصل واقعات عرض کر کے کہا: "امیر المؤمنین اگر جلد اس کی اصلاح کی فکر نہ ہوئی تو مسلمان عیسائیوں اور رومیوں کی طرح خدا کی کتاب میں شدید اختلاف پیدا کریں گے۔" حضرت خذلیفہ کے توجہ دلانے پر حضرت عثمان کو بھی خیال ہوا، اور انھوں نے ام المؤمنین حضرت حفصہ سے پید صدیقی کا مرتب و مدون کیا ہوا نسخہ لے کر حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر اور سعید بن العاص سے اس کی نقلیں کرائے تمام ملک میں اس کی اشاعت کی، اور ان تمام مختلف صحف کو جنہیں لوگوں نے بطور خود مختلف املاؤں سے لکھا تھا صفحہ ہستی سے معدوم کر دیا۔

ظاہر ہے کہ ان اختلافات کو ربح کرنے کی کوشش نہ کی جاتی تو آج قرآن کا بھی وہی حال ہوتا جو توریت و انجیل اور دیگر صحفِ آسمانی کا ہوا۔

لے سند فتح صفحہ ۲۸ بخاری باب جمع القرآن

فضل و کمال

نوشت و خواند حضرت عثمانؓ ان صحابہ میں تھے جو اسلام سے پہلے ہی نوشت و خواند جانتے تھے، اسلام کے بعد اس ملک میں اور زیادہ ترقی ہوئی۔

کتابت وحی آپ کی تحریر و کتابت کی بھارت کی بنا پر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کتابت وحی پر مامور کیا تھا، اور جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی تھی، تو آپ کو بلا کر لکھوانا کرتے تھے، حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ شب کے وقت وحی نازل ہوئی حضرت عثمان موجود تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لکھنے کا حکم دیا تو انھوں نے اسی وقت تکمیل ارشاد کی۔

اسلوب تحریر اسلوب تحریر کا اندازہ ان فرامین و خطوط سے ہو سکتا ہے جو اب تک کتابوں میں محفوظ ہیں، انوس ہے کہ الفاظ کی نصاحت اور کلام کی بلاغت کا لطف ترجمہ میں قائم نہیں رہ سکتا۔ بیعت خلافت کے بعد تمام ملک میں جو مختلف فرامین بھیجے ہیں، ان میں سے ایک کے چند فقرے یہ ہیں۔

انما بلغتم بالاعتدال والاتباع	اتباع اور اطاعت ہی سے تم کو یہ درجہ
فلا تلتفتم الدنيا عن امرکم	حاصل ہوا ہے، پس دنیا لہجی تم کو تمہارے
فان امر هذا الاصله صائراحي	مقصد سے برگشتہ نہ کرنے پائے، امت میں
الابتداع بعد اجتماع ثلث قبیکم	بین اسباب کے متبع ہو جانے کے بعد بدعات
تکامل النعم و بلوغ اولادکم	کا سلسلہ شروع ہو جانے کا، دولت کی
من السایا و قدرة الاعراب	بہتات، لوئیٹیوں سے اولادوں کی کثرت
الاعجم القرآن فان وصال اللہ صلی اللہ	ارباب اور اعاجم کا قرآن پڑھنا، رسول
علیہ وسلم قال الکفر فی العجبة فاذا	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کفر عجمیت
استجمع علیہم امر تکفوا و	میں ہے کیونکہ وہ جب کوئی بات نہیں سمجھ
ابتدعوا۔	سکتے تو درخواست خواہاں تکلف کر کے قحاشی باتیں

گھر لیتے ہیں۔

ایک فرمان میں عمال کو تحریر فرماتے ہیں۔ ا۔

بیشکک ایتکم ادا صبر و اجابة
ولا یکنو ادعاة فاذا عا دوا
کذالک انقطع الحیاء والامانة
والوفاء الا وان اعدل
السیرة انت تنظروا فی امور
المسلمین رفیما علیهم
فتعطوهم مالکم ما حق اخذ
منهم باللذی علیهم له
وصول کرو۔

تقریر اہم تقریر خطابت کا ملکہ نہ تھا، چنانچہ منہ نشینی کے بعد پہلے پہل جب منبر پر تشریف لائے تو زبان نے یاد دہانی کی، اور صرف یہ کہہ کر اتر آئے کہ اب لو بگو و تم پہلے سے اس کے لیے تیار ہو کر آئے تھے۔ میں بھی آئندہ تیار ہو کر آؤں گا، لیکن تم کو تقریر کرنے والے امام سے زیادہ کام کرنے والے امام کی ضرورت ہے۔ آپ کی تقریر مختصر لیکن فصیح و موثر ہوتی تھی، ایک خطبے کے چند ابتدائی فقرے یہ ہیں۔

ایہا الناس ان بعض الطمع
نقد و بعض الیاس عتی
وانکم تجمعون مالا
تاکلون و تاملون مالا
تدرکون و انتم موجلون
فی دارم غور۔

لوگو! بعض حرص و طمع احتیاج محض ہے اور
بعض ناامیدی تو لگوری و بے نیازی کے مترادف
ہے تم ایسی چیزیں جمع کرتے ہو جس سے متعلق نہیں
ہو سکتے اور ایسی امیدیں باندھتے ہو جو پوری نہیں
ہو سکتی ہیں، تم لوگ اس دھوکے کے گھر میں ایک
وقت مقررہ تک کے لیے چھوڑے گئے ہو۔

قرآن پاک حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے تھے کہ قرآن کا پڑھنا یا پڑھنا مناسب سے افضل ہے۔ لہٰذا غالباً اسی لیے ان کو قرآن شریف سے خاص شغف تھا۔ دوسرے کار صحابی کی طرح وہ بھی قرآن مجید کے حافظ تھے، اور جو نیکو کتاب دہی رہ چکے تھے، اس لیے ہر آیت کی شان نزول اور اس کے حقیقی مفہوم سے واقف تھے، کہتے ہیں ہر ہر

لے یہ تمام عبارتیں طبری ص ۲۸۰-۲۸۱ و ۲۸۰-۲۸۱ سے منقول ہیں۔ لے ابن جبل جلد ۱ ص ۵۷

نبوت میں انھوں نے بھی ایک مصحف جمع کیا تھا اے آیات قرآن سے استدلال، استنباط احکام اور تفسیر مسائل میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ قرآن پاک کو نو مسلم قوموں کی تحریف سے بچانان کا بڑا کام ہے۔ یہ واقعہ بھی ان کی فضیلت کا ایک باب ہے، کہ اس وقت بھی جب وہ دشمنوں کے زخموں میں تھے اور قتال تیغ بکف ان کے سامنے تھے، وہ قرآن کی تلاوت میں مصروف تھے۔

حدیث شریف

سلسلہ احادیث میں دوسرے صحابہ کی بہ نسبت حضرت عثمان سے مرفوع احادیث بہت کم مروی ہیں۔ آپ کی کل روایتوں کی تعداد ۱۲۶ ہے، جن میں تین متفق علیہ ہیں، یعنی بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہیں، اور آٹھ صرف بخاری اور پانچ صرف مسلم میں اس طرح صحیحین میں آپ کی کل ۱۶ حدیثیں ہیں۔

ان کی روایات کی قلت کی وجہ یہ ہے کہ وہ روایت حدیث میں حد درجہ محتاط تھے فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرنے میں یہ چیز مانع ہوتی ہے کہ شاید دیگر صحابہ کے مقابلہ میں میرا حافظہ زیادہ قوی نہ ہو، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف بات منسوب کرے گا، جو میں نے نہیں کہی ہے وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنا لے۔ ایسے وہ حدیث کی روایت میں سخت احتیاط کرتے تھے۔ عبدالرحمن بن حطاب کا بیان ہے کہ میں نے کسی صحابی کو حضرت عثمان سے زیادہ پوری بات کرنے والا نہیں دیکھا لیکن وہ حدیث بیان کرتے ڈرتے تھے۔

فقہ واجتہاد

حضرت عثمان اگرچہ حضرت ابو بکر و عمر و علی رضی اللہ عنہم کی طرح اکابر مجتہدین میں داخل نہیں تاہم وہ شرعی اور مذہبی مسائل میں مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے اور دوسرے مجتہد صحابہ کی طرح ان کے اجتہادات اور فیصلے بھی کتب آثار میں مذکور ہیں، لوگ ان کے قول و فعل سے استناد کرتے تھے خصوصاً حج کے ارکان اور مسائل کے علم میں ان کا پایہ بہت بلند تھا اس علم میں لنگہ بہ حضرت عبداللہ بن عمر کا درجہ تھا۔ شیخین کے بعد خانات میں بھی حضرت عثمان سے فخرے پوچھے جلتے تھے، اور سچ یہ مسائل میں ان کی رائے دریافت کی جاتی تھی۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ ملکہ میں گئے، اور اپنی چادر ایک شخص پر جو خانہ کعبہ میں کھڑا ہوا تھا ڈال دی اتفاقاً سے اس پر ایک کبوتر بیٹھ گیا، انھوں نے اس خیال سے کہ چادر کو اپنی بیٹھ سے گندہ نہ کر دے، اس کو اڑا دیا، کبوتر اڑ کر دوسری جگہ جا بیٹھا وہاں اس کا ایک سانپ نے کاٹ لیا، اور وہ اسی وقت مر گیا حضرت عثمانؓ نے اسے یہ سکہ ہوا تو انہوں نے کفارہ کا فوری دیا کیونکہ وہ اس کو تو کو ایک منفرد مقام سے غیر منفرد مقام میں پہنچانے کے باعث ہوئے تھے۔

تہذیب اہل بیت علیہم السلام، جلد اول ص ۶۵، ابن سعد جلد ۳، قسم اول ص ۳۹، بخاری کتاب الفتن و منہاج جنہل جلد ۱ ص ۶۰، وغیرہ ابن سعد جلد ۳، قسم اول ص ۴۱، منہاج نفعی طبع ۱۳۰۶ھ ص ۷۹۔

بیعت خلافت کے بعد حضرت عثمانؓ کے سامنے ہزاران کے قتل کا مقدمہ پیش ہوا حضرت عبداللہؓ نے
مدعا علیہ تھے، اس مقدمہ میں جو فیصلہ ہوا وہ بھی درحقیقت ایک اجتہاد پر مبنی ہے۔ یعنی مقول کا اگر کوئی وارث
نہ ہو تو حاکم وقت اس کا ولی ہو جائے۔ چونکہ ہر ہزاران کا کوئی وارث نہ تھا، اس لیے حضرت عثمانؓ نے بحیثیت ولی
کے تھا ص کے بجائے دیت لینا قبول کیا، اور وہ رقم بھی اپنے ذاتی مال سے دے کر بیت المال میں داخل کر دی۔
حضرت عثمانؓ نے اپنے بعض اجتہادات سے بعض معاملات میں مہولت پیدا کر دی مثلاً دیت میں
اونٹ دینے کا رواج تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی قیمت میں دینی جائز قرار دی بلکہ۔

ان کے بعض اجتہادی مسائل سے دوسرے مجتہدین صحابہؓ کو اختلاف بھی تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے
چونکہ اپنی رائے کو صحیح سمجھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے اجتہاد سے رجوع نہیں کیا، مثلاً آپ لوگوں کو حج تمتع
یعنی حج اور عمرہ کے لیے علیحدہ علیحدہ نیت کرنے سے اس بنا پر رد کرتے تھے کہ اس کے حوازی کی علت اب باقی
نہیں رہی، یعنی کفار کا خوف، لیکن حضرت علیؓ اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اسی لیے حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ
اگر کوئی شخص حج کے موقع پر اقامت کی نیت کرے تو اس کو منیٰ میں بھی پوری چار رکعت نماز ادا کرنی چاہیے
حضرت علیؓ میں قصر کرنا ضروری سمجھتے تھے، حضرت عثمانؓ حالت احرام میں نکاح کو ناجائز قرار دیتے تھے۔ کیونکہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے اس کی ممانعت سنی تھی، لیکن حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ اس کے حوازی
کا فتویٰ دیتے تھے حضرت عثمانؓ اس زن مطلقہ کو جس کو طلاق بائن دی گئی ہو، حالت عدت میں وارث قرار دیتے
تھے۔ کیونکہ ان کے خیال میں حیات تک عدت پوری نہ ہو جائے، اس وقت تک ایک قسم کا رشتہ قائم ہے
حضرت علیؓ کو اس سے اختلاف تھا، حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص حالت عدت میں کسی عورت سے
نکاح کرے تو مستوجب سزا ہے، کہ قرآن نے اس کی ممانعت کی ہے۔ چنانچہ ایک شخص ان کے مہر میں اس
کا شریک ہوا تو انہوں نے اس کو جلا وطن کر دیا۔ حضرت علیؓ اس کو کسی حد شرعی کا مستوجب نہیں سمجھتے تھے،
غرض اس طرح بعض اور مسائل میں بھی حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ کرام کے درمیان اختلاف
تھا، لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ اختلاف کسی نفسانیت پر مبنی تھا۔ ان بزرگوں کی رواداری اور
صفائی قلب کا یہ حال تھا کہ جب حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں دو رکعت نماز کی بجائے پوری چار رکعت نماز
ادا کی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا، اگرچہ میرے خیال میں قصر ضروری ہے، لیکن میں عملاً امیر المؤمنین

۱۰۰ کتاب النراج مصر ۹۲ ۱۰۰ مشدایں جنبل جلد ۱ ص ۶۱ ۱۰۰ ایضاً ص ۶۸ ۱۰۰ مشدایں نفعی طبع آرہ ص ۱۰۰

۱۰۰ نزیبہ الابرار علی ص ۴۱ کتب خاد حبیب گنج

کی مخالفت نہیں کر دنگا، چنانچہ خود بھی دو کے بجائے چار کعتیں پڑھیں۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ بعض مسائل میں دوسرے صحابہ کو اختلاف ہے تو فرمایا کہ "ہر شخص کو اختیار ہے جو حق نظر آئے اس پر عمل کرے۔ میں کسی کو اپنی رائے ماننے پر مجبور نہیں کرتا۔" بعض نادانوں نے حضرت عثمانؓ کے کسی مسئلہ پر اعتراض کیا، تو فرمایا ہم لوگ خدا کی قسم سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے ہم بیمار ہوتے تو آپؐ ہماری عیادت فرماتے۔ ہمدے جنازوں کے پیچھے چلتے ہم کو ساتھ لے کر جہاد کرتے تھے کہو بیش جو کچھ ہوتا اس سے ہماری نغم خواری فرماتے۔ اب ایسے لوگ ہم کو آپؐ کی سنت بتانا چاہتے ہیں جنہوں نے شدید آپؐ کی صورت بھی نہ دیکھی ہو۔

علم الفرائض | حضرت عثمانؓ کو چونکہ تجارتی کاروبار سے ہمیشہ سابقہ پڑتا تھا، اس لیے ان کو علم حساب سے ضرور دلچسپی رہی ہوگی، جس کا ثبوت یہ ہے کہ فرائض یعنی علم تقسیم ترکہ سے جس میں حساب کو بڑا دخل ہے، نسبتاً تھی، چنانچہ اس فن کی تدوین اور ترتیب میں حضرت زید بن ثابتؓ کے ساتھ ان کا ہاتھ بھی شامل ہے۔ قرآن شریف میں ذوالفروض اور بعض مصیبات کا ذکر ہے۔ حضرت عثمانؓ اور زید بن ثابتؓ نے اپنی مجتہدانہ قوت سے اسی کو بنیاد قرار دے کر موجودہ علم الفرائض کی عمارت قائم کی۔ یہ دونوں اپنے زمانہ میں اس فن کے امام سمجھے جاتے تھے۔ ہمد صدیقی اور عبد فاروقی میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ بھی کرتے تھے اور اس سے متعلق تمام مشکل مقدمات کو حل فرماتے تھے۔ بعض صحابہؓ کو یہاں تک عورت تھا کہ ان دنوں کی وفات سے فرائض کا علم ہی جاتا ہے گا۔

اخلاق و عادات

حضرت عثمانؓ فطرۃ عقیفہ، پارسہ، دیانت دار اور راست باز تھے، جیسا اور محمدؐ لی ان کی خاص شان تھی۔ ایام جاہلیت میں جب کہ عرب کا ہر بچہ مست شرب تمھلا اس وقت بھی عثمانؓ کو انورین کی زبان یادہ گلگون کے ذائقے سے ناسٹا تھی اور جب کذب و افتراء فسق و فجور عالمگیر تھا، آپ کا دامن ان دھبوں سے آلودہ نہیں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے ان اوصاف کو اور بھی چمکا دیا تھا۔

خوف خدا | خوف خدا تمام محاسن کا سرچشمہ ہے، جو دل خدا کی ہیبت و جلال سے لرزاں نہیں، اس سے کسی نیکی کی امید نہیں ہو سکتی۔ حضرت عثمانؓ اکثر خوف خداوندی سے آبدیدہ رہتے تھے۔ موت، پتیر اور عاقبت کا خیال ہمیشہ دامن گیر رہتا، سامنے سے جنازہ گزرتا تو کھڑے ہو جاتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے مقبروں سے گزرتے تو اس قدر روئے کہ وارھی تر ہو جاتی۔ لوگ کہتے کہ در رخِ وحیبت کے تذکروں سے تو آپ پر اس قدر رقت طاری نہیں ہوتی، آخر مقبروں میں کیا خاص بات ہوتی ہے کہ انھیں دیکھ کر آپ بقیار ہو جاتے ہیں؟ فرماتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قبرِ سعادت کی سب سے پہلی منزل ہے، اگر یہ معاملہ آسانی سے طے ہو گیا تو پھر تمام منزلیں آسان ہیں، اور اگر اس میں دشواری پیش آئی تو پھر تمام مرحلے دشوار ہوں گے۔

حب رسول | حضرت عثمانؓ تقریباً تمام سزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم کاب رہے، اور آپ کی قدویت و جلالِ شہدی کا حق ادا کیا۔

آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کے ساتھ اتنی محبت و شفیقتی تھی کہ اپنے محبوب آقاؐ کی فقیرانہ اور اہلانہ زندگی دیکھ کر بے قرار رہتے تھے، اور جب موقع ملا آپ کی خدمت میں تحائف پیش کرتے۔ ایک دفعہ چار دن تک آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر و فاقہ سے بسر کیا، حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو آنکھوں سے آنسو نکل آئے، اور اسی وقت بہت ساسا مان خورد و نوش اور تین سو درہم لاکر بطورِ نذرانہ پیش کیا۔

احترام رسول | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام اس قدر ملحوظ تھا کہ جس ہاتھ سے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی، پھر اس کو نجاست یا محلِ نجاست سے مس نہ ہونے والا، اہل بیت نبویؑ اور ازواجِ مطہرات کا خاص طور سے پاس و خیال تھا، چنانچہ اپنے بعد خلافت جب اصحابِ وظائف کے رمضان کے روزینے تقریکے

تو انواع مطہرات کا دوزینہ سب سے دونا مقرر کیا۔

اتباع سنت | جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے اس محبت و اودادت کا لازمی نتیجہ

یہ تھا کہ اپنے ہر قول و فعل یہاں تک کہ حرکات و سکنات اور الفاظی باتوں میں بھی محبوب آقا کی اتباع کو پیش

نظر رکھتے تھے۔ ایک دفعہ وضو کر کے متبسم ہوئے۔ لوگوں نے اس بے موقع تبسم کی وجہ پوچھی، فرمایا میں نے

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (رحمی فداہ) کو اسی طرح وضو کر کے ہنستے ہوئے دیکھا تھا، ایک

دفعہ سامنے سے جنازہ گزرا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ عصر کے وقت سب کے سامنے وضو کر کے دکھایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح وضو فرمایا

کرتے تھے کہ ایک بار مسجد کے دوسرے دروازہ پر بیٹھ کر بکری کا پٹھا منگوایا، اور کھایا، اور بغیر تازہ وضو

کیے ہوئے نماز کو کھڑے ہو گئے، پھر فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی جگہ بیٹھ کر کھایا تھا، اور

اسی طرح کیا تھا، حج کے موقع پر آپ اور ایک صحابی طواف کر رہے تھے، طواف میں انھوں نے رکن یمانی

کا بھی پوسہ لیا، حضرت عثمان نے ایسا نہیں کیا، تو انھوں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا، اس کا اسلام کرنا چاہا، حضرت عثمان

نے کہا یہ کیا کرتے ہو، کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف نہیں کیا، انھوں نے کہا ہاں، کیا آپ

کو اس کا اسلام کرتے تم نے دیکھا، کہا نہیں، فرمایا، پھر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنا مناسب نہیں،

انھوں نے جواب دیا بے شک۔

حیاء | شرم و حیا حضرت عثمان کا امتیازی وصف تھا، اس لیے مورخین نے ان کے اخلاق و عادات کے

بیان میں حیا کا مستقل عنوان قائم کیا، آپ میں اس درجہ شرم و حیا تھی کہ خود حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اس حیا

کا پاس و لحاظ کرتے تھے۔ ایک دفعہ صحابہ کرام کا مجمع تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلفی کے ساتھ تشریف

فرمایا تھے زانوئے مبارک کا کچھ حقہ کھلا ہوا تھا، اسی حالت میں حضرت عثمان کے آنے کی اطلاع ملی تو نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے، اور زانوئے مبارک پر کپڑا برابر کر لیا۔ لوگوں نے حضرت عثمان کے لیے اس اہتمام کی وجہ پوچھی تو

فرمایا کہ عثمان کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں۔ اس قسم کا ایک اور واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے

حضرت ذوالنورین کی حیا کا یہ عالم تھا کہ تنہائی اور نیک سہ میں بھی وہ برہنہ نہیں ہوتے تھے۔

زہد | حضرت عثمان اگرچہ کچھ اپنی خلقی ناتوانی اور ضعف پیری کے باعث اور کسی قدر اس سبب سے کہ انھوں

نے طبری ص ۲۸۰۲ سے مسند ابن جنبل جلد ۱ ص ۵۸ سے ایضاً ص ۶۸ سے ایضاً ص ۶۷، ۶۸ سے ایضاً ص ۶۲

سے ایضاً ص ۶۰، ۶۱ سے ایضاً ص ۲ مناقب حضرت عثمان سے مسند ابن جنبل ج ۱ ص ۷۱

نے ناز و نعمت میں پرورش پائی تھی، ہلکی غذا اور نرم پوشاک استعمال کرنے پر مجبور تھے، اور فاروق اعظمؓ کی طرح موٹا جھوٹا کپڑا اور روکھا پھیکا نہیں کھا سکتے تھے، لیکن اس سے یہ تیا س نہیں کرنا چاہیے کہ آپ عیش و تنعم کے گرویدہ تھے بلکہ انھوں نے باوجود غیر معمولی دولت و ثروت کے کبھی امیرانہ زندگی اختیار نہیں فرمائی، اور نہ کبھی صرف زیب و زینت کی چیزیں استعمال کیں۔ قرابیک خوش وضع رومی کپڑا تھا، جو عرب کا مطبوع عام لباس تھا، امراتو سرا متوسط درجہ کے لوگ بھی اس کو پہننے لگتے تھے، لیکن حضرت عثمانؓ نے کبھی اسکو استعمال نہ فرمایا، اور نہ اپنی یویوں کو استعمال کرنے دیا۔ **تواضع** | تواضع اور سادگی کا یہ حال تھا کہ گھر میں بیسوں لوٹری اور غلام موجود تھے لیکن اپنا کام آپ ہی کر لیتے تھے اور کسی کو تکلیف نہ دیتے، رات کو تہجد کے لیے اٹھتے اور کوئی بیدار نہ ہوتا تو خود ہی وضو کا سلمان کر لیتے، اور کسی کو جگا کر اس کی نیند خراب نہ فرماتے۔ اگر کوئی درشت کلامی کرتا تو آپ نرمی سے جواب دیتے۔ ایک دفعہ عمر بن العاصؓ نے اثنائے گفتگو میں حضرت عثمانؓ کے والد کی شرافت پر طعنہ زنی کی، حضرت عثمانؓ نے نرمی سے جواب دیا، کہ عبد اسلام میں زمانہ جاہلیت کا تذکرہ ہے، اسکا طرح ایک دفعہ جوہ کے روز منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک طرف سے آواز آئی عثمانؓ، توبہ کرو اور اپنی لیے اعتدالیوں سے باز آ۔ حضرت عثمانؓ نے اسی وقت تبولرخ ہو کر ہاتھ اٹھایا اور کہا۔

اللہم اخی اول تائب
تائب الیک علیہ
یعنی اے خدا میں پہلا توبہ کرنے والا ہوں
جس نے تیری درگاہ میں رجوع کیا۔

ایشیار | آپ نے مسلمانوں کے مال میں ہمیشہ ایشار سے کام لیا، چنانچہ اپنے زمانہ خلافت میں ذاتی مصارف کے لیے بیت المال سے ایک جہنہ نہیں لیا۔ اور اس طرح گویا اپنا مقدرہ وظیفہ عام مسلمانوں کے لیے چھوڑ دیا۔ حضرت عمرؓ کا سالانہ وظیفہ پانچ ہزار درہم تھا، اس حساب سے حضرت عثمانؓ نے اپنے دو ازادہ سالانہ خلافت میں ساٹھ ہزار درہم کی گران قدر رقم مسلمانوں کے لیے چھوڑی جو درحقیقت ایشار نفس کا نمونہ ہے۔ **فیاضی** | حضرت عثمانؓ شرب میں سب سے زیادہ دولت مند تھے، اس کے ساتھ خدا نے فیاض طبع بھی بنایا تھا، چنانچہ انھوں نے اپنی فیاضی، اپنے مال و دولت سے اس وقت اسلام کو فائدہ پہنچایا جب اس امت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر موجود نہ تھا۔

مدینہ کے تمام کنوئیں کھاسی تھے، صرف سیر و مہو ایک یہودی کی ملکیت میں تھا، شیرین تھا۔

حضرت عثمانؓ نے رفاہ عام کے خیال سے اس کو بیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا، اسی طرح جب مسلمانوں کی کثرت ہوئی اور مسجد نبویؐ میں جگہ کی تنگی کے باعث نمازیوں کو تکلیف ہونے لگی تو حضرت عثمان نے ایک گران قدر قم صرف کر کے اس کی توسیع کرائی۔

آپ کی فیاضی کا سب سے زیادہ نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے غزوہ تبوک کے موقع پر ہزاروں روپے کے صرف سے مجاہدین کو آراستہ کیا۔ یہ فیاضی ایسے وقت میں ظاہر ہوئی جبکہ عام طور پر مسلمانوں کو عسرت اور تنگی نے پریشان کر رکھا تھا، اور دوسری طرف قبصر روم کی جنگی تیاریوں سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشویش دامنگیر تھی۔

مذکورہ بالا فیاضیوں کے علاوہ روزانہ جو درگرم اور صدقات و خیرات کا سلسلہ جاری رہتا تھا، ہر چہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے۔ بیواؤں اور یتیموں کی خیر گیری کرتے تھے مسلمانوں کی عسرت و تنگ حالی سے ان کو دلی صدمہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ایک جہاد میں تاواری اور مٹھسی کے باعث مسلمانوں کے چہرے اٹکاس تھے اور اہل نفاق ہشاش بشاش بہ طرٹ اگرتے پھرتے تھے، اسی وقت جو دھاوٹوں پر سامان خورد و نوش بارگہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ اس کو مسلمانوں میں تقسیم فرمادیں۔

اعزہ اور احباب کے ساتھ حسن سلوک | اعزہ اور احباب کے ساتھ سلوک ہوتے تھے اور ان کی پرورش فرماتے تھے۔ آپ کے چچا حکم بن العاص کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لی لطف کو جلا وطن کر دیا تھا، حضرت عثمانؓ نے باگاہ نبوت میں گوشش کر کے ان کی خطا معاف کر لی اور اپنے عہد میں مدینہ بلایا، اور جیبہ خاص سے ان کی اولاد کو ایک لاکھ درہم عطا فرمائے اور ان کے لڑکے مروان سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کر کے جیبہ میں ایک لاکھ درہم عطا فرمائے۔

عبداللہ بن عامر، عبداللہ بن ابی سرح، عثمان بن ابی العاص، امیر معاویہؓ، حضرت عثمان کے نہایت قریبی رشتہ دار تھے، اور ان کے عہد خلافت میں ممتاز عہدوں پر متعین رہے۔

احباب کے ساتھ بھی یہی سلوک تھا، ان کی ضرورت پر بڑی بڑی رقمیں قرض دیتے تھے، اور لیاقت واپس نہیں لیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت طلحہؓ نے ایک بڑی رقم قرض لی، کچھ دنوں بعد واپس دینے آئے تو لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری مروت کا صلہ ہے۔

۱۔ نزہۃ الارباب، ص ۱۴۱، کتابت خانہ گنج سکہ کراچی، ج ۴ ص ۲۷۲، طبری ص ۲۹۵، ۲۔ طبری ص ۳۰۷۔

صبر و تحمل | صبر و تحمل کا پیکر تھے، مصائب و آلام کو نہایت صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرتے تھے۔ شہادت کے موقع پر چالیس دن تک جس بردباری، ضبط اور تحمل کا اظہار آپ کی ذات سے ہوا، وہ اپنی آپ نظیر ہے۔ سینکڑوں دفا شعار غلام اور ہزاروں معاون و انصار سرزوشی کے لیے تیار تھے، مگر اس ایوب وقت نے خونریزی کی اجازت نہ دی، اور اپنے اخلاق کریمانہ کا آخری منظر دکھا کر ہمیشہ کے لیے دنیا سے روپوش ہو گیا۔

غزوی زندگی | دن کے وقت مہات خلافت میں مصروف رہتے، اور رات کا اکثر حصہ عبادت و ریاضت میں بسر فرماتے تھے، کبھی کبھی رات بھر جاگتے، اور ایک ہی رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔

دوسرے تیسرے دن عموماً روزہ رکھتے، کبھی کبھی مہینوں روزے سے رہتے، اور شب کے وقت صرت اس قدر کھالتے تھے کہ سدر متق کے لیے کافی ہو۔

ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے تھے، خود امیر الحج کے فرائض انجام دیتے تھے خصوصاً ایام خلافت میں کوئی سال حج سے خالی نہیں گزرا، البتہ جس سال شہید ہوئے اس سال مخصوص ہونے کے باعث نہ جاسکے۔

ذاتی حالات

مسکن اہم اور پر لکھ چکے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت اوس بن ثابت کے مہمان ہوئے، اور غالباً عرصہ تک ان کے مکان میں مقیم رہے، اس کے بعد اپنے عہد خلافت میں مسجد نبویؐ کے قریب ایک محل تعمیر کرایا، جو عظمت و شان میں مدینہ کی تمام عمارتوں سے ممتاز تھا۔ یہ جگہ بھی سیدنا عثمانؓ کے نام سے مدینہ میں مشہور ہے اور کچھ حصہ مغربی صحابیوں کا زاویہ ہے، اور یہاں ایک کتب خانہ کتب خانہ سیدنا عثمانؓ غنی کے نام سے قائم ہے، مسجد نبویؐ کی پشت پر گلی کی دوسری طرف ایک مکان کے دروازے پر شہد سیدنا عثمانؓ کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

وسائل معاش معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، عرب میں کوئی ان سے بڑا دولت مند باجر نہ تھا، اس غیر معمولی دولت و ثروت کے باعث ان کو غنی کا خطاب دیا گیا تھا۔

جاگیر فتح خیبر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو جو اس معرکہ میں شریک تھے جاگیریں عطا کی تھیں۔ حضرت عثمانؓ کے حصہ میں بھی ایک قطعہ زمین آیا تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے مختلف مقامات میں جاؤ اور خریدی تھیں۔ مدینہ سے قریب مقام بقیع میں بھی ایک نہایت وسیع خطہ خریدا تھا، جس کو انھوں نے قبرستان کے لیے وقف فرمایا تھا۔

زراعت جہاں تک معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ خود زراعت نہیں فرماتے تھے، البتہ اپنی زمین کو بٹائی پر دیتے تھے کہ پیداوار میں سے دو ٹلٹ کا شنکار کو ملتا تھا، اور صرف ایک ٹلٹ آپ کا حق ہوتا تھا۔

غذا ضعیف اور پیری کے باعث غذا سوا نرم، ہلکی اور زود ہضم تناول فرماتے تھے، دسترخوان پر کھانا عزم و اجباب کا مجمع رہتا تھا۔

صفائی اسراج میں لفاست اور طہارت تھی، جب سے مسلمان ہوئے روزانہ غسل لیکرتے تھے۔ (ابن جنبل ۱۰۷)

بیشرا چھ کپڑے پہنتے تھے، اور سطر لگاتے تھے۔

لباس ابن سعد نے آپ کے لباس کا خاص عنوان باندھا ہے، گو آپ اچھے کپڑے استعمال فرماتے تھے لیکن اس میں تکلفات کو دخل نہیں ہوتا تھا۔ ایسے کپڑوں سے نہایت پر سز کرتے تھے، جس سے مزاج میں نوروں تکثر خود بینی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ لفظ ایک خاص قسم کا رومی کپڑا تھا، جو امرائے عرب میں کھوموا نہایت مطبوع تھا لیکن انھوں نے اس کو کبھی استعمال نہیں کیا، اور نہ اپنی بیویوں کو پہننے دیا، تمام عمر پڑا بیجا مہر نہیں پہنا، صرف شہادت کے وقت ستر

کے خیال سے بہن لیا تھا، مگر آتے بند باندھا کیے۔ ایک تابعی روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے روز منبر پر ان کو دیکھا تو جو موٹا نہ بندہ پہنے تھے، اس کی قیمت پانچ درہم (ایک روپے) سے زیادہ نہ تھی۔

حلیہ | صورتہ خوش رو اور خوبصورت تھے، بزرگ گندم گوں، قدم مستدل، ناک بلند اور خم دار، رخسار پر گوشت اور ان پر سبک کے پلکے، داغ۔ دائرہ ٹھی اور طویل، سر کے بال گھنے اور بڑے بڑے، یہاں تک کہ زلف کا ٹول تک پہنچتی تھی۔ غسل و لایات کے طاقن بالوں میں خضاب فرماتے تھے، دانت پورے اور چکڑاتے جگر کرنے کے کار سے باندھ کر مضبوط کیا گیا تھا۔

ازواج و اولاد | مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، پہلی سہیلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ تھیں، حیدرہ کی ہجرت میں وہ آپ کے ساتھ تھیں۔ واپس آ کر مدینہ منورہ کی ہجرت میں شریک ہوئیں۔ یہاں ایک سال زندہ رہیں، سلسلہ میں غزوہ بدر کے موقع پر وفات پائی، ان سے عبید اللہ نام ایک فرزند تو لدا ہوا تھا جس نے، بچپن ہی میں وفات پائی۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی صاحبزادی ام کلثوم تھیں، سلسلہ میں نکاح ہوا، انھوں نے بھی نکاح کے چھ سات برس بعد وفات پائی، ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس کے بعد حسب ذیل نکاح کیے۔

فاخرہ بنت خزوان۔ ان کے بطن سے بھی ایک فرزند تو لدا ہوا، عبید اللہ نام تھا، لیکن وہ بھی بچپن ہی میں وفات پا گیا۔

ام کلثوم بنت جندب۔ ان کے بطن سے عمرو، خالد، ابان، ہمیر اور مرموم پیدا ہوئے۔

فاخرہ بنت ولید۔ یہ حضرت عثمان کے صاحبزادے ولید اور سعید کی ماں ہیں۔

ام یمن بنت مینہ۔ ان سے عبید اللہ ملک پیدا ہوئے، انھوں نے بھی بچپن ہی میں وفات پائی۔

رطل بنت شیبہ۔ عائشہ، ام کلثوم کے بطن سے تو لدا ہوئیں۔

ناکمر بنت الفرغہ۔ شہادت کے وقت موجود تھیں، ان کے بطن سے مرموم بنت عثمان پیدا ہوئیں۔

صاحبزادوں میں سب سے نامور حضرت ابان ہوئے، انھوں نے نبویہ کے عہد میں خاصا اعزاز حاصل کیا۔

رضی اللہ عنہ

امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ

نام، نسب، خاندان | نام، ابوالمحسن اور ابو تراب کنیت، حیدر (شیر) لقب۔ والد کا نام ابو طالب اور والدہ کا نام فاطمہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب ابن ہاشم بن عبدمناف بن قحطی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی، چونکہ ابو طالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی، اس لیے حضرت علیؑ نجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔

خاندان ہاشم کو عرب اور قبیلہ قریش میں جو وقعت و عظمت حاصل تھی وہ محتاج اظہار نہیں تھا، بلکہ کی خدمت اور اس کا اہتمام بنو ہاشم کا مخصوص طفرہ تھا، اور اس شرف کے باعث ان کو تمام عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی۔

حضرت علی مرتضیٰ کے والد ابو طالب مکہ کے نہایت ذی اثر بزرگ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کی اس خوش شہرت میں پرورش پائی تھی، اور نبوت کے بعد ان ہی کے زیر حمایت مکہ کے کفرستان میں دعوت حق کا اعلان کیا تھا، ابو طالب ہر موقع پر آپ کے لیے سینہ پر سپر رہے، اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے پنجہ ظلم و تم سے محفوظ رکھا، مشرکین قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پناہی اور حمایت کے باعث ابو طالب اور ان کے خاندان کو طرح طرح تکلیفیں پہنچائیں۔ ایک گھائی میں اس کو محصور کر دیا، کاروبار اور لین دین بند کر دیا، شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لیے، کھانا پینا مک بند کر دیا، غرض ہر طرح پریشان کیا، مگر اس نیک طبیعت بزرگ نے آخری لمحہ حیات تک اپنے عزیز بھتیجے کے سر سے دست شہادت نہ اٹھایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی آرزو تھی کہ ابو طالب کا دل نور ایمان سے منور ہو جائے، اور انہوں نے اپنی ذات سے دنیا میں ہبوط و جی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو خدمت و حمایت کی ہے، اس کے معاوضہ میں ان کو نعیم فردوس کی ابدی اور لامتناہی دولت حاصل ہو۔ اس لیے ابو طالب کی رزات کے ذمہ نہایت اصرار کے ساتھ کلمہ توحید کی دعوت دی۔ ابو طالب نے کہا عزیز بھتیجے! اگر مجھے قریش کی طعنہ زنی کا خوف نہ ہوتا تو نہایت خوشی سے تمہاری دعوت قبول کر لیتا۔ لہ سیرۃ ابن ہشام میں حضرت

حضرت عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ نزع کی حالت میں کلمہ توحید ان کی زبان پر تھا۔ مگر یہ روایت کمزور ہے۔ بہر حال ابوطالب نے گو علانیہ اسلام قبول نہیں کیا تاہم انھوں نے حضور سر در کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح پرورش و پرورش کی اور کفار کے مقابلہ میں جس ثبات اور استقلال کے ساتھ آپ کی نصرت و حمایت کا فرض انجام دیا۔ اس کے لحاظ سے اسلام کی تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ شکر گزری اور احسان مندی کے ساتھ یاد جائے گا۔

حضرت علیؓ کی والد ماجدہ حضرت فاطمہ زینبؓ اس نے بھی حضرت آمنہؓ کے اس یتیم معصوم کی، ماں کی طرح شفقت و محبت سے پرورش کی۔ مستند روایات کے مطابق وہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ گئیں، ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفن میں اپنی قمیص مبارک پہنائی اور قبر میں لپیٹ کر اس کو متبرک کیا۔ لوگوں نے اس عنایت کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابوطالب کے بعد میں سب سے زیادہ اسی نیک سیرۃ خاتون کا ممنون احسان ہوں۔ لے۔

حضرت علیؓ آپ کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے تھے۔ ابوطالب نہایت کثیر العیال اور معاش کی تنگی سے نہایت پریشان تھے۔ قحط و خشک سالی نے اس مصیبت میں اور بھی اضافہ کر دیا اس لیے رحمۃ اللعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے محبوب چچا کی عسرت سے متاثر ہو کر حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ہم کو اس مصیبت و پریشان حالی میں چچا کا ہاتھ بٹانا چاہیے، چنانچہ حضرت عباسؓ نے حسب ارشاد جعفرؓ کی کفالت اپنے ذمہ لی، اور سر در کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ انتخاب نے علیؓ کو پسند کیا، چنانچہ وہ اس وقت سے برابر حضور پر نور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ رہے۔ لے۔

اسلام | حضرت علیؓ کا سن ابھی صرف دس سال کا تھا کہ ان کے شفیق مربی کو دربار خداوندی سے نبوت کا خلعت عطا ہوا، چونکہ حضرت علیؓ آپ کے ساتھ ہی رہتے تھے اس لیے ان کو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے، چنانچہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کو معروف عبادت دیکھا۔ اس موثر نظارہ نے اثر کیا، طفلانہ استعجاب کے ساتھ پوچھا، آپ دونوں کیا کر رہے تھے، حضرت سر در کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے منصب گرامی کی خبر دی، اور کفر و شرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی، حضرت علیؓ کے کان ایسی باتوں سے آشنا نہ تھے، پیغمبر ہو کر عرض کی، اپنے والد

الوہاب سے اس کے متعلق دریافت کروں گا۔ چونکہ سردر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی اعلان عام منظور نہ تھا، اس لیے فرمایا کہ اگر تمہیں تامل ہے تو خود نور کرو لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش سے فطرت سنور چکی تھی، توفیق الہی شامل ہوئی۔ اس لیے زیادہ نور و فکر کی ضرورت پیش نہ آئی، اور دوسرے ہی دن بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے بعد سب سے پہلے کون ایمان لایا بعض روایات سے حضرت ابو بکرؓ، بعض سے حضرت علیؓ کی اولیت ظاہر ہوتی ہے اور بعضوں کا خیال ہے حضرت زید بن حادہؓ کا ایمان سب پر مقدم ہے، لیکن محققین نے ان مختلف احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ مورتوں میں، حضرت ابو بکرؓ تابعی مروتوں میں، حضرت زید بن حادہؓ علمائوں میں، اور حضرت علیؓ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔

مکہ کی زندگی | اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علیؓ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ معظمہ میں بسر ہوئے چونکہ وہ رات دن سردر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے مشورہ کی مجلسوں میں تعلیم و ارشاد کے مجموعوں میں کفار و مشرکین کے مباحثوں میں اور معبود حقیقی کی عبادت پرستش کے موقعوں پر عرض ہر قسم کی صحبتوں میں شریک رہے۔

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے سرزمین مکہ میں مسلمانوں کے لیے علانیہ خدا کا نام لینا اور اس کی عبادت و پرستش کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھپ چھپ کر اپنے معبود حقیقی کی پرستش فرماتے۔ حضرت علیؓ بھی ان عبادتوں میں شریک ہوتے۔ ایک دفعہ وادی نخلہ میں حسب معمول مصروف عبادت تھے، کہ اتفاق سے اس طرف الوہاب کا گزر ہوا، اپنے معصوم بھتیجے اور نیک نجات بیٹے کو مصروف عبادت دیکھ کر کوچھا کیا کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ حق کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ اس میں کوئی سبوح نہیں لیکن مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

ایام حج میں مکہ کی سرزمین قبائل عرب کا مرجع بن جاتی تھی، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ شقیق کو ہمراہ لے کر عام مجموعوں میں تشریف لے جاتے تھے۔ اور تبلیغ اسلام کا فرض ادا کرتے تھے۔ اس وقت حضرت علیؓ اگرچہ اپنی طفولیت کے کھٹ کوئی اہم خدمت انجام دینے کے قابل نہ تھے

لے اسد الغابہ تذکرہ حضرت علیؓ

تاہم کبھی کبھی ساتھ ہوتے تھے بلکہ کبھی کبھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خانہ کعبہ تشریف لے جاتے اور بتوں کو توڑ پھوڑ کر عیب دار کر دیتے تھے سہ

انتظام دعوت | منصب نبوت عطا ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین برس تک علانیہ دعوتِ اسلام کی صدا بلند نہیں فرمائی، بلکہ پوشیدہ طریقہ خاص خاص لوگوں کو اس کی ترویج دیتے رہے جو تھے سالِ اسلام کے اعلان عام اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں میں.....

اس کی تبلیغ کا حکم ہوا، چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی -

وَ اَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَكْثَرِيْنَ
اپنے قریبی! اعزہ کو (عذاب الہی سے) ہڈاؤ

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کے موافق کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے سامنے دعوتِ اسلام کی صدا بلند کی، لیکن مدت کا رنگ ایک دن کے صیقل سے نہیں دور ہو سکتا تھا۔ ابولہب نے کہا تباہت اسی لیے تو نے ہم لوگوں کو جمع کیا تھا؛ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ پھر اپنے خاندان میں تبلیغِ اسلام کی کوشش فرمائی اور حضرت علیؑ کو انتظامِ دعوت کی خدمت پر مامور کیا۔

حضرت علیؑ کی عمر اس وقت مشکل سے چودہ پندرہ برس کی تھی، لیکن انھوں نے اس کمسنی کے باوجود نہایت اچھا انتظام کیا، دسترخوان پر بیکرے کے پائے اور دو دھتھا۔ دعوت میں کل خاندان شریک تھا جن کی تعداد ۴۰ تھی حضرت حمزہ، عباس، ابولہب، اور ابوطالب بھی شریک ہوئے۔ لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر فرمایا: یا بنی عبدالمطلب! خدایا قسم میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں۔ یو، تم میں سے کون اس شرط پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ وہ میرا

معاون و مددگار ہوگا؟ اس کے جواب میں سب چپ رہے، صرف شیر خدا علیؑ رضی اللہ عنہ کی آواز بلند ہوئی کہ گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں، اور مجھے آشوبِ چشم کا عارضہ ہے اور میری ٹانگیں تپلی ہیں، تاہم میں آپ کا بار و دوست و بازو بنوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا تم بیٹھ جاؤ اور پھر لوگوں سے

خطاب فرمایا، لیکن کسی نے جواب نہ دیا، حضرت علیؑ پھر اٹھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دفعہ بھی ان کو بھٹایا، یہاں تک کہ جب تیسری دفعہ بھی اس بارگاہی کا خطاب کسی نے قبول نہ کیا تو اس مرتبہ بھی

حضرت علیؑ نے جان باتی کے لہجہ میں انہی الفاظ کا اعادہ کیا تو ارشاد ہوا کہ بیٹھ جاؤ میرا بھائی اور میرا وارث ہے۔ سہ۔

۱۵۵

ہجرتِ اہستہ کے تقریباً تیرہ برس تک رسول اللہ علیہ وسلم مکہ کی گھائیٹوں میں اسلام کی صدا بلند کرتے رہے لیکن مشرکین قریش نے اس کا جواب محض بغض و عناد سے دیا، اور آپ کے فدائیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے، رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جہاں نشا روں کو اسیرِ پنجہ ستم دیکھ کر آہستہ آہستہ ان سب کو مدینہ چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ چند نفوسِ قدسیہ کے علاوہ مکہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا، اس ہجرت سے مشرکین کو اندیشہ ہوا کہ اب مسلمان ہمارے قبضہٴ اقتدار سے باہر ہو گئے ہیں، اس لیے بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی قوتِ مضبوط کر کے ہم سے انتقام لیں، اس خطرہ نے ان کو خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کا دشمن بنا دیا، چنانچہ ایک روز مشورہ کر کے وہ رات کے وقت کاشانہٴ نبوت کی طرف چلے کہ مکہ چھوڑنے سے پہلے ذاتِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دنیا سے رخصت کر دیں، لیکن مشدّتِ الہی تو یہ تھی کہ ایک دفعہ تمام عالمِ حقانیت کے نور سے پر نور اور توحید کی روشنی سے شرک کی ظلمت کفر سے پر جائے، اس مقصد کی تکمیل سے پہلے آفتابِ رسالت کس طرح غروب ہو سکتا تھا، اس لیے وحی الہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے ارادوں کی اطلاع دے دی، اور ہجرتِ مدینہ کا حکم بولا اور کائناتِ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو، حضرت علیؓ کو اپنے فرشِ مطہر پر استراحت کا حکم دید اور خود حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر مدینہ متوہہ روانہ ہو گئے۔

قدویت و جانِ نزاری کا ایک عظیم المثال کارنامہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ یا تیس تیس برس کی تھی، اس عنقوانِ شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کے لیے پیش کرنا قدویت و جانِ نزاری کا عظیم المثال کارنامہ ہے۔ رات بھر مشرکین کا محاصرہ قائم رہا، اور اس خطرہ کی حالت میں یہ نوجوان نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ فوجِ خواب رہا، معرض تمام رات مشرکین قریش اس دھوکے میں رہے کہ خود سردار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی استراحت فرمائیں۔ اور صبح ہوتے ہوتے اپنے ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لیے اندر آئے، لیکن یہاں یہ دیکھ کر متحیر رہ گئے کہ شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے آپ کا ایک جہاں نشا ر اپنے آقا پر قربان ہونے کے لئے سر کیف سو رہا ہے۔ مشرکین انہی اس غفلت پر سخت برہم ہوئے، اور حضرت علیؓ کو چھوڑ کر اصل مقصد کی تلاش و جستجو میں روانہ ہو گئے۔

حضرت علیؓ کرم اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد دریا تین دن تک مکہ میں مقیم رہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق جن لوگوں سے آپ کا کاروبار اور لین دین تھا، ان کے معاملات سے فراغت حاصل کی اور تیسرے یا چوتھے دن وطن کو خیرباد کہہ کر عازم مدینہ ہوئے۔ اس زمانہ میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضرت کلثومؓ بن ہدم کے ہونے تھے۔ اس لیے حضرت علیؓ بھی انہی کے مکان میں جا کر فدک لے ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یاجزین میں یاہم بھائی چارہ کرایا، تو حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بنایا۔ ۱۷۔

۱۸۔ مسجدِ مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح لے بس و مجبور نہ تھا، بلکہ آزادی و حریت کی، سرزمین میں تھا جہاں ہر شخص علانیہ خدائے واحد کی پرستش کر سکتا، اور احکام شرعیہ نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کر سکتا تھا۔ مسلمانوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھی، یہاں تک کہ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں مہینہ سرور کات صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مسجد تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا، آپ نے اس کی بنیاد رکھی، اور اپنے رفقاء کے ساتھ خود اس کی تعمیر میں حصہ لیا، تمام صحابہ جو شہ کے ساتھ شریک کار تھے۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اعلیٰ اور گارہ لالا کر دیتے تھے، اور یہ رجز پڑھتے تھے۔ ۱۹۔

لا یستوی من یعمر المساجد	جو مسجد تعمیر کرتا ہے۔ کھڑے ہو کر اور بیٹھ
ید ائب فیتہ قائماً و قاعداً	کر اس مشقت کو برداشت کرتا ہے
ومن یرى عن العبار	اور جو گرد و غبار کے باعث اس کام سے جی
حاند ا۔	چرتا ہے وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

غزوات و دیگر حالات

غزوہ بدر | سلسلہ غزوات میں سب سے پہلا معرکہ غزوہ بدر ہے۔ اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نین سو تیرہ جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ آگے آگے دو سیاہ رنگ کے علم تھے۔ ان میں سے ایک حیدر گزار کے ہاتھ میں تھا۔ جب مد مگاہ بدر کے قریب پہنچے، تو سردرو کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو چند منتخب جاں بازوں کے ساتھ غنیم کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے نہایت خوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی اور مجاہدین نے مشرکین سے پہلے پہنچ کر اہم مقاموں پر قبضہ کر لیا۔ سترھویں رمضان جمعہ کے دن جنگ کی ابتدا ہوئی۔ تادمہ کے موافق پہلے نہایت ہما مقابلہ ہوا۔ سب سے پہلے قریش کی صف سے تین نامی بہادر نکل کر مسلمانوں سے مبارزہ طلب ہوئے۔ تین انصاریوں نے ان کی دعوت کو لیکر کہا، اور آگے بڑھے، قریش کے بہادروں نے ان کا نام و نسب پوچھا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ دو شیرب کے نوجوان ہیں، تو ان کے ساتھ لڑنے سے انکار کر دیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکار کر کہا کہ اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے مقابلے میں ہمارے بمبر کے آدمی بھیجو۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے تین عزیزوں کے نام لیے، حمزہ علی، عبیدہ، تیوں اپنے اپنے حریفوں کے لیے میدان میں آئے۔ حضرت علیؑ نے اپنے حریف و لید کو ایک ہی وار میں تہہ تیغ کر دیا۔ اس کے بعد جبٹ کر عبیدہ کی مدد کی، اور ان کے حریف شیبہ کو بھی قتل کیا۔ مشرکین نے طیش میں آ کر عام حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مجاہدین بھی نصرۃ تکبیر کے ساتھ کفار کے فرزند میں گھس گئے اور عام جنگ شروع ہو گئی۔ شیر خدا نے صفیں الٹ دیں، اور ذوالفقار حیدر سی نے کھلی کی طرح چمک چمک کر اعدائے اسلام کے خرمن ہستی کو جلا دیا۔ مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے، اور مسلمانوں مظفر و منصور لیے شمار مال غنیمت اور تقریباً ستر قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس ہوئے۔ مال غنیمت میں سے آپ کو ایک زرہ، ایک اونٹ اور ایک تلوار ملی،

حضرت فاطمہؑ سے نکاح | اسی سال یعنی ۳ھ میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دامی کاشرف بخشا، یعنی اپنی محبوب ترین صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمہؑ سے نکاح کر دیا۔

۱۰ | دیکھو سیرت ابن ہشام غزوہ بدر۔

حضرت فاطمہؑ سے تقدی کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ نے کی تھی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے خواہش کی۔ آپؑ نے ان سے پوچھا، تمہارا پاس مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہے؟ بولے ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ گھوڑا تو لڑائی کے لینے ہے، البتہ زرہ کو فروخت کر دو۔ حضرت علیؑ نے اس کو حضرت عثمان کے ہاتھ چار سو اسی درہم میں بیچا، اور قیمت لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی، آپؑ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید لائیں، اور خود نکاح پڑھایا، اور دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی پھٹک کر خیر و برکت کی دعا دی۔ ۱۷

رخصتی نکاح کے تقریباً دس گیارہ ماہ بعد باقاعدہ رخصتی ہوئی، اس وقت تک حضرت علیؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ اس لیے جب رخصتی کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ایک مکان کرایہ پر لے لو، چنانچہ حارث بن النعمان کا مکان ملا، اور حضرت علیؑ مملکتِ خجندہ کو رخصت کرا کے اس میں لے آئے۔ ۱۸

جمہیرا حضرت سیدہ زینبؓ کو اپنے گھر سے جو جمہیرا ملا تھا، اس کی کل کائنات یہ تھی ایک پتنگ ایک بستر، ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشکیزہ، عجیب اتفاق ہے کہ یہی چیزیں حضرت فاطمہؑ کی زندگی تک ان کی رفیق رہیں، اور حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ اس میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔

دعوتِ ولیمہ حضرت علیؑ کی زندگی نہایت فقیرانہ و زابدانہ تھی، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ ذاتی ملکیت میں صرف ایک اونٹ تھا، جن کے ذریعہ سے ازخراہ ایک قسم کی گھاس کی تجارت کر کے دعوتِ ولیمہ کے لیے کچھ رقم جمع کرنے کا ارادہ تھا، لیکن حضرت حمزہؓ نے حالتِ نشہ میں اس اونٹ کو ذبح کر کے کبابِ سیخ بنا دیا۔ اس لیے اب اقلیم زہد کے تاجدار کے پاس اس رقم کے سوا جو زرہ کی قیمت میں سے مہر ادا کرنے کے بعد بچ رہی تھی اور کچھ نہ تھا، چنانچہ اسی سے دعوتِ ولیمہ کا سامان کیا جس میں کھجور، جو کی روٹی، پنیر اور ایک خاص قسم کا شوربہ تھا، لیکن یہ اس زمانے کے لحاظ سے پُرسر تکلف ولیمہ تھا حضرت اہماء کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں اس سے بہتر ولیمہ نہیں ہوا۔ ۱۹

مغزۃِ اُحمد ۱۳ھ میں اُحمد کا معرکہ پیش آیا۔ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع ہوئی اور پہلے مسلمانوں

۱۷۔ نہد مانی جلد ۲ ص ۴۸، ۱۸۔ اہل جلد ۸ ص ۱۵۸، اس وقت شرابِ حرام نہیں ہوتی تھی، بخاری میں مفصل واقعہ مذکور ہے، ۱۹۔ نہد مانی جلد ۲ ص ۸

نے قلت تعداد کے باوجود غنیم کو بھگا دیا، لیکن عقب کے محاذ قتیبا نڈازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ مشرکین پیچھے سے یکا یک ٹوٹ پڑے۔ اس ناگہانی حملے سے مسلمانوں کے اوسان جاتے رہے اسی حالت میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو حشیم زخم پہنچا۔ دندان مبارک شہید ہوئے، اور آپ ایک خندق میں گر پڑے بلکہ مشرکین ادھر بڑھے، لیکن حضرت مصعب بن عمیر نے ان کو آپ کے پاس جانے سے روکا، اور اسی میں لڑتے لڑتے شہید ہوئے اس کے بعد حیدر گمار نے بڑھ کر علم سنبھالا، اور بے جگری کے ساتھ داؤ شجاعت دی مشرکین کے علمبردار، ابوسعید بن ابی طلحہ نے مقابلہ کے لئے لٹکارا شیر خدا نے بڑھ کر ایسا ہاتھ مارا کہ قریش خاک پر تڑپنے لگا، اور بدحواسی کے عالم میں برہنہ ہو گیا۔ حضرت علیؑ کو اس کی بدحواسی اور بے بسی پر رحم آگیا اور زندہ چھوڑ کر واپس آئے۔

مشرکین کا زور کم ہوا اور حضرت علیؑ چند صحابہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سپاہ پر لے گئے حضرت فاطمہؑ نے زخم دھویا، اور حضرت علیؑ شے ڈھال میں پانی بھر بھر کر گرایا، اس سے خون بند نہ ہوا تو حضرت فاطمہؑ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے زخم کا منہ بند کیا۔

نبو قریظہ | غزوہ اُحد کے بعد کلمہ میں نبو قریظہ کو ان کی بدبھدی کے باعث جلاوطن کیا گیا۔ حضرت علیؑ اس میں بھی پیش پیش تھے، اور علم ان ہی کے ہاتھ میں تھا،

غزوہ خندق | غزوہ میں غزوہ خندق پیش آیا، اس میں کفار کبھی کبھی خندق میں گھس گھس کر حملہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ سواروں نے حملہ کیا، حضرت علیؑ نے چند جان بازوں کے ساتھ بڑھ کر رد کا۔ سواروں کے سردار عمرو بن عبدود نے کسی کو تنہا مقابلہ کی دعوت دی۔ حضرت علیؑ نے اپنے کو پیش کیا۔ اُس نے کہا میں کا تو قتل کرنا نہیں چاہتا، شیر خدا نے کہا، لیکن میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ وہ برہم ہو کر گھوڑے سے کود پڑا، اور مقابلہ میں آیا، تھوڑی دیر تک شجیمانہ مقابلہ کے بعد ذوالفقار حیدری نے اس کو داخل جہنم کیا۔ اس کا مقول ہونا تھا کہ باقی سوار بھاگ کھڑے ہوئے۔

کفار بہت دن تک خندق کا محاصرہ کیے رہے، لیکن بالآخر مسلمانوں کی اس پامردی اور استقلال کے آگے اُن کے پاؤں اکھڑ گئے اور یہ معرکہ بھی مجاہدین کرام کے ہاتھ رہا،

نبو قریظہ | نبو قریظہ نے مسلمانوں سے معاہدہ کے باوجود اُن کے مقابلے میں قریش کا ساتھ دیا، اور

تمام قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دیا تھا۔ اس لیے غزوہ خندق سے فراغت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف توجہ کی۔ اس مہم میں بھی علم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا، اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے مطابق قلعہ پر قبضہ کر کے اس کے صحن میں عصر کی نماز ادا کی۔

بنو سعد کی سرکوبی | اس مہم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ بنو سعد یہود خیبر کی اعانت کے لیے مجتمع ہو رہے ہیں، اس لیے حضرت علیؑ کو ایک سو کی جمعیت کے ساتھ ان کی سرکوبی پر مامور کیا۔ انھوں نے ماہ شعبان میں حملہ کر کے بنو سعد کو منتشر کر دیا، اور پانچ سو اونٹ اور دھنڑا لے کر واپس لوٹے۔

صلح حدیبیہ | اسی سال یعنی ۶۲۸ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً چودہ ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا، تمام حدیبیہ میں معلوم ہوا، کہ مشرکین مکہ مزاحمت کریں گے۔ حضرت عثمانؓ گفتگو کے لیے سفیر بنا کر بھیجے گئے، مشرکین نے ان کو روک لیا، یہاں یہ خیبر مشہور ہو گئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے انتقام کے لیے مسلمانوں سے بیعت لی، حضرت علیؑ بھی اس بیعت میں شریک تھے۔ بعد کو جب یہ معلوم ہوا کہ شہادت کی خبر غلط تھی، تو مسلمانوں کا جوش کسی قدم تک ہوا۔ اور طرفین سے مصالحت پر رضامندی ظاہر کی گئی، حضرت علیؑ کو صلح نامہ لکھنے کا حکم ہوا، انھوں نے حسب دستور ہذا اصافا صنی علیہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

بیعت سے عہد نامہ کی ابتدا کی، مشرکین نے رسول اللہ کے لفظ پر اعتراض کیا کہ اگر ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ناسلم ہو تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا، سردار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو مٹا دینے کا حکم دیا، لیکن حضرت علیؑ کی غیرت نے گوارا نہ کیا، اور عرض کی، خدا کی قسم میں اس کو نہیں مٹا سکتا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے اس کو مٹا دیا، اس کے بعد صلح نامہ لکھا گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیارت کا ارادہ متبوی کر کے مدینہ واپس تشریف لائے۔

فتح خیبر | ۶۲۸ء میں خیبر پر فوج کشی ہوئی، یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مقبوط قلعے تھے، جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا۔ پہلے حضرت ابو بکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کی تسخیر پر مامور ہوئے، لیکن کامیابی نہ ہوئی، حضرت سردار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل ایک ایسے بہادر کو علم دوں گا جو خدا اور رسول کا محبوب ہے، اور خیبر کی فتح اسی کے ہاتھ سے مقدر ہے۔ صبح ہوئی تو بہر شخص منہی تھا کہ

۱۸۷۰ء میں کتاب الصلح نامہ قاضی باب غزوہ حدیبیہ۔

کاش اس فخر و شرف کا تاج اس کے سر پر ہوتا، لیکن یہ دولت گر نمایاں حیدر کر گزرنے کے لیے مقدر ہو چکی تھی، صبح کو بڑے بڑے جاں نثار اپنے نام سننے کے منتظر تھے کہ دفعتاً آپ نے علی کا نام لیا، یہ آواز غیر متوقع تھی، کیونکہ حضرت علیؑ آشوب چشم میں مبتلا تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بل کر ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگایا، جس سے یہ شکایت فوراً جاتی رہی۔

مرحبا اس کے بعد علم مرحمت فرمایا۔ حضرت علیؑ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کیا میں لوگوں کو مسلمان بناؤں؟ فرمایا، نہیں، بلکہ پہلے اسلام پیش کر دو، اور ان کو اسلام کے فرائض سے آگاہ کر دو، کیونکہ تمہاری گوشوں سے ایک شخص بھی مسلمان ہو گیا تو وہ تمہارے لیے بڑی نعمت سے بہتر ہے۔

لیکن یہودیوں کی قسمت میں اسلام کی عزت کے بجائے شکست، ذلت، اور سوائی لکھی تھی، اس لیے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، اور ان کا معزز سردار مرحبا بڑے بکوش و زحمت سے میر بزر پڑھا ہوا نکلا،

قد علمت خیبرانی مرحبا
شاگ السلاح بطل محبوب
خیبر مجھ کو جانتا ہے کہ میں مرحبا ہوں
سلاح پوش ہوں، بہادر ہوں، تجربہ کار ہوں۔

اذا المحبوب اقتبلت تلہب

جب کہ رٹانی کی آگ بھڑکتی ہے

قاصح خیبر اس متکبرانہ رجز کا جواب دیتے ہوئے بڑھا۔

انا الذی ستمنی احمی حیدرک
کلیث غابات کربا المنظرہ

میں وہ ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے
جھاڑی کے شیر کی طرح ہیبت اور ڈر ڈاتا

اد فیہم بالصاع کیل السدرۃ

میں دشمنوں کو نہایت سرعت سے قتل کرتا ہوں

اور چھپٹ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیتا۔

اس کے بعد حیدر کر گزرنے پر بڑھ کر قلعہ پر حملہ کیا اور حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ اس کو مستحضر کیا،

مہم مکہ رمضان شہد میں مکہ پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں، ابھی مجاہدین روانہ نہ ہوئے تھے کہ معلوم

۱۔ ایضاً کتاب المغازی غزوہ خیبر ص ۱۵۳ مجمع بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳ مطبوعہ مہرباب مطبوعہ ذی قرد و غیرہ

ہوا کہ ایک عورت غنیم کو سبیل کے تمام حالات سے مطلع کرنے کے لیے روانہ ہو گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ، زبیرؓ اور مقدادؓ کو اس کی گرفتاری پر مامور کیا۔ یہ تینوں تیز گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے، اور خاخ کے باغ میں گرفتار کر کے خط مانگا رہا پہلے تو اس عورت نے لاعلمی ظاہر کی، لیکن جب ان لوگوں نے جامہ تلاشی کا ارادہ کیا تو اس نے حوالہ کر دیا، اور یہ لوگ خط لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب یہ خط پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے مشرکین مکہ کے نام بھیجا تھا، اور اس میں بغضِ مخفی حالات کی اطلاع تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے عرض کی، حضور فرمادے مجرم قرار دینے سے قبل اہل حالات سن لیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھ کو قریش سے کوئی نبی تعلق نہیں ہے، صرف ان کا حلیف ہوں، اور مکہ میں دوسرے مہاجرین کی قرابتیں ہیں، جو فتح مکہ کے وقت ان کے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہیں نے اس خیال سے کہ اگر کوئی نازک وقت آئے، تو میرے بچے بے یار و مددگار نہ رہ جائیں۔ یہ خط لکھا تھا حاشا و کلا اس سے مخبری یا اسلام کے ساتھ دشمنی مقصود نہیں تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عذر کو قبول کیا، اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ انھوں نے سچ بیان کیا ہے، لیکن حضرت عمرؓ کی آتش غضب بھڑک چکی تھی، انھوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ بدری ہیں، کیا تم کو معلوم نہیں کہ بدیوں کے تمام گناہ معاف ہیں۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۱ رمضان ۶۱ھ کو مدینہ روانہ ہوئے، اور ایک مرتبہ پھر اس محبوب سرزمین پر دس ہزار قدمیوں کے ساتھ فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ داخل ہوئے جہاں سے آٹھ سال پہلے بڑی بے کسی کے ساتھ مسلمان نکالے گئے تھے۔ ایک علم حضرت سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا، اور وہ جوش کی حالت میں یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔

اليوم يوم طلحة اليوم تستحل
یعنی آج شدید جنگ کا دن ہے، آج

الکعبة
حرم میں خونریزی جائز ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا، نہیں ایسا نہ کہو، آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور حضرت علیؑ کو حکم ہوا کہ سعد بن عبادہ سے علم لے کر فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوں، چنانچہ وہ کدالی

۱۱ بخاری کتاب المغازی باب غزوة فتح مكة ايضا۔

جانب سے کہ میں داخل ہوئے۔ اور مکہ بلا کسی خونریزی کے تسخیر ہو گیا اور وقت آ گیا کہ خلیل بُت شکن کی یادگار (خانہ کعبہ) کو بتوں کی آلائشوں سے پاک کیا جائے، جس کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اس فریضہ کو ادا کیا، اور خانہ کعبہ کے گرد جس قدر بت تھے، سب کو لکڑی سے ٹھکراتے جلاتے تھے اور یہ آیت فرماتے جاتے تھے جلاوا المحق وذهق الباطل ان الباطل یکن زھقاً، پھر خانہ کعبہ کے اندر سے حضرت ابراہیمؑ و اسمعیلؑ کی صورتوں کو الگ کر دیا اور تطہیر کعبہ اندر داخل ہوئے نہ لیکن چونکہ اس وحدت کدہ کا گوشہ گوشہ بتوں کی صورتوں سے اٹا ہوا تھا، اس لیے اس اتہام کے باوجود تانبے کا سب سے بڑا بت باقی رہ گیا۔ یہ لوہے کی سلاخ میں پوست کیا ہوا زمین پر نصب تھا، اس لیے بہت بلندی پر تھا۔ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کے کندھوں پر چڑھ کر اس کے گرنے کی کوشش کی لیکن وہ جسم الطہر کا بار نہ سمجھا سکے، اس لیے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شانہ اقدس پر چڑھا کر اس کے گرنے کا حکم دیا، اور انھوں نے سلاخ سے اکھاڑ کر حسب ارشاد نبوی پاش پاش کر ڈالا، اور خانہ کعبہ کی کامل تطہیر ہو گئی۔

ایک غلطی کی تلافی | فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولیدؓ کو نجدیمہ میں تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا۔ انھوں نے توحید کی دعوت دی، بنی جذیمہ نے اسے قبول کیا، لیکن اپنی بدویت اور جہالت کے باعث اس کو ادا نہ کر سکے، اور اسلمنا یعنی ہم نے اسلام قبول کیا کے بجائے صبا صبا یعنی ہم دین ہو گئے، کہنے لگے حضرت خالد بن ولیدؓ نے ان کا نشانہ سمجھ کر سب کو قید کر لیا، اور بہتوں کو قتل کر ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو نہایت متاثر ہوئے، اور حضرت علیؑ کو اس غلطی کی تلافی کے لیے روانہ فرمایا۔ انھوں نے پنج کر تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا، اور متحولین کے معاوضہ میں خون بہا دیا۔

غزوہ حنین | فتح مکہ کے بعد اسی سال غزوہ حنین کا عظیم الشان معرکہ پیش آیا، اور اس میں پہلے مسلمانوں کی فتح ہوئی، لیکن جب وہ مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہوئے تو شکست خورہ غنیم نے غافل پاک کو کھینچا۔

لہٰذا بخاری کتاب المغازی باب غزوہ فتح مکہ ایضاً اسے حاکم نے مستدرک میں اس واقعہ کو تفصیل نقل کیا ہے، لیکن فتح مکہ کے بجائے شب ہجرت کی طرف منسوب کیا ہے لیکن اس کے علاوہ دوسرے محدثین اور ارباب سیر نے فتح مکہ میں لکھا ہے۔ اور یہی صحیح اور ترین نقل ہے۔ ہجرت کی ایسی نازک رات میں جب کہ جانِ خطرہ میں تھی، ایسے بڑے اور خطرناک کام کا انجام دینا بعید از قیاس ہے۔ دوسرے مکہ کی زندگی میں بت شکنی کا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ لہٰذا فتح اباری ج ۸ ص ۶۶۔

حملہ کر دیا۔ مجاہدین اس ناگہانی مصیبت سے ایسے پریشان ہوئے کہ بارہ ہزار نفوس سے صرف چند ثابت قدم رہ سکے۔ ان میں ایک حضرت علیؑ بھی تھے۔ آپ نہ صرف پامردی اور استقلال کے ساتھ قائم رہے، بلکہ اپنی غیر معمولی شجاعت سے لڑائی کو سنبھال لیا، اور غنیم کے امیر عسکر پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا، اور دوسری طرف جو مجاہدین ثابت قدم رہ گئے تھے، وہ اس بے جگری کے ساتھ لڑے کہ مسلمانوں کی اتبری اور پریشانی کے باوجود دشمن کو شکست ہوئی۔

اہل بیت کی حفاظت | ۱۰؎ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کا وفد فرمایا تو حضرت علیؑ کو اہل بیت کی حفاظت کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا۔ شیر خدا کو شرکتِ جہاد سے محرومی کا غم تو تھا ہی، منافقین کی طعنہ زنی نے اور بھی رنجیدہ کر دیا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال کا علم ہوا تو ان کا غم دور کرنے کے لیے فرمایا: علیؑ! کیا تم اسے پسند کرو گے کہ میرے نزدیک تمہارا وہ رتبہ ہو جو ہارون کا موسیٰ کے نزدیک تھا۔

تبلیغ فرمان رسولؐ | غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا، اسی اثنا میں سورہ برات نازل ہوئی۔ لوگوں نے کہا کہ اگر یہ سورہ نازل ہو تو حج کے موقع پر لوگوں کو سنانے کے لیے بھیجی جاتی تو اچھا ہوتا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری طرف سے صرف میرے خاندان کا آدمی اس کی تبلیغ کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ وہ مکہ جاکر اس سورہ کو سنائیں، اور عام اعلان کر دیں کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہ ہوگا، اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے، اور نہ کوئی شخص برہنہ خانہ کعبہ کا طواف کرے، اور حسین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ٹہنہ ہے، وہ مدتِ معینہ تک باقی رہے گا۔

ہجرتِ یمن اور اشاعتِ اسلام | تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہمیں روانہ فرمائیں، ان میں یمن کی ہجرت پر حضرت خالد بن ولیدؓ مامور ہوئے لیکن چھ مہینہ کی مسلسل جدوجہد کے باوجود اشاعتِ اسلام میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس لیے رمضان ۱۰؎ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو بلا کر یمن جانے کا حکم دیا۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک ایسی قوم میں بھیجا جاتا ہوں جس میں مجھ سے زیادہ سہم اور تجربہ کار لوگ موجود ہیں ان لوگوں کے جھگڑوں

۱۰؎ سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۲۷ و مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۹ ۱۱؎ بخاری کتاب المناقب، مناقب علیؑ

۱۲؎ سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۲۷ و ۲۲۳

کا فیصل کرنا میرے لیے نہایت دشوار کام ہو گا۔ اے اللہ اس کی زبان کو راست گونا اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور فرما! حضور اقدسؐ نے دعا فرمائی اور اس کے بعد خود اپنے دستِ اقدس سے ان کے فرق مبارک پر سما مہانداھا، اور سیاہ علم دے کر مین کی طرت روانہ فرمایا۔ حضرت علیؑ کے مین پہنچتے ہی یہاں کا رنگ بالکل بدل گیا، ہو لوگ حضرت خالدؓ کی چھ مینہ کی سعی و کوشش سے بھی اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھے تھے، وہ حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کی صورت چند روزہ تعلیم و تلقین سے اسلام کے شیدائی ہو گئے، اور قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا۔

حج الوداع میں شرکت اسی سال یعنی ۶۲ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا۔ حضرت علیؑ بھی مین سے آ کر اس یادگار حج میں شریک ہوئے۔

صدہٴ جان کا حج سے واپسی کے بعد ابتدائے ماہ ربیع الاول ۶۳ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے۔ حضرت علیؑ نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ تیمارداری اور خدمت گزاری کا فرض انجام دیا۔ ایک روز باہر آئے۔ لوگوں نے پوچھا اب حضور انورؐ کا سراج کیسے ہے؟ حضرت علیؑ نے اطمینان ظاہر کیا۔ حضرت عباسؑ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا، خدا کی قسم میں موت کے رقت خازن عبدالمطلب کے چہرے کی طرح ہوں۔ اے چچو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ ہمارے لیے خلافت کی وصیت کر جائیں حضرت علیؑ نے کہا میں عرض نہیں کروں گا۔ اگر خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی امید باقی نہیں رہے گی۔

دس روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے دن دوپہر کے رقت سردی کا تات صلی اللہ علیہ وسلم نے جاں نثاروں کو اپنی مفارقت کا داغ دیا۔

حضرت علیؑ چونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تزیین ترین عزیز اور خاندان کے رکن مین تھے اس لیے غسل اور تہنیز و تکفین کے تمام مراسم انہی کے ہاتھ سے انجام پائے۔ انصار و مہاجرین مدواڑے کے باہر کھڑے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک انصاری کو بھی اس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔

خليفة اول کی بیعت، توقف کی وجہ استقیفہ بنو ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کیا اور تقریباً تمام اہل مدینہ نے بیعت کی، البتہ صحیح روایات کے مطابق صرف حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے چھ مینے تک دیر کی، لوگوں نے اس توقف کے عجیب و غریب وجود اختراع کر لیے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ زمانہ ۳ ج ۳ ص ۱۲۲ تاریخ اہدی ج ۸ ص ۵۲ صحیح بخاری باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۳۵ متذکر حکم ج ۳ ص ۱۱

کہ حضرت فاطمہؑ کی سوگوار زندگی نے ان کو بالکل خانہ نشین بنا دیا تھا، اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے وہ صرف ان کی تسلی و دلدادگی ہی اور قرآن شریف کے جمع کرنے میں مصروف تھے، چنانچہ جب حضرت فاطمہؑ کا انتقال ہو گیا، اس وقت انھوں نے خود حضرت ابو بکرؓ سے ان کے فضل کا اعتراف کیا، اور بیعت کر لی۔ سواد برس کی خلافت کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے وفات پائی، اور حضرت عمرؓ مسند آرا سے خلافت ہوئے، حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علیؓ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے، اور حضرت علیؓ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے۔ نہمازند کے معرکہ میں ان کو سپہ سالار بھی بنانا چاہا تھا، لیکن انھوں نے منظور نہیں کیا۔ بیت المقدس گئے تو کاربار خلافت انہی کے ہاتھ میں دے کر گئے، اتحاد و یگانگت کا آخری مرتبہ یہ تھا کہ باہم رشتہ مصاہرت قائم ہو گیا۔ یعنی حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثومؑ حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئیں۔

فاروق اعظمؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں فتنہ و فساد شروع ہوا، تو حضرت علیؓ نے اس کے رفع کرنے کے لیے ان کو نہایت مخلصانہ مشورے دیئے۔ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ نے ان سے پوچھا کہ ملک موجودہ شورش و ہنگامہ کی حقیقی وجہ اور اس کے رفع کرنے کی صورت کیلئے، انھوں نے نہایت خلوص اور آزادی سے نظائر کر دیا، کہ موجودہ بے حسینی تمام تر آپ کے عمال کی بے اعتدالیوں کا نتیجہ ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے عمال کے انتخاب میں انہی صفات کو ملحوظ رکھا ہے جو فاروق اعظمؓ کے پیش نظر تھے، پھر ان سے عام بیزاری کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی؟ جناب علیؓ عرض فرمایا ہاں! یہ صحیح ہے لیکن حضرت عمرؓ نے سب کی تکمیل اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی اور گرفت ایسی سخت تھی کہ عرب کا سرکش سے سرکش اور نہ بھی بلبلاتھا، برضات اس کے آپ ضرورت سے زیادہ نرم دل ہیں، آپ کے عمال اس نرمی سے فائدہ اٹھا کر من مانی کا دایاں کرتے ہیں، اور آپ کو خبر بھی نہیں ہوتے باقی رعایا سمجھتی ہے کہ عمال کو بوجہ کرتے ہیں، وہ سب دربار خلافت کے احکام کی تعمیل ہے، اس طرح تمام بے اعتدالیوں کا ہدف آپ کو بنا پڑا۔

سب سے آخر میں مصری وفد کا معاملہ پیش آیا، حضرت عثمانؓ نے ان سے اصرار کیا، کہ اپنی رسالت سے اس جھگڑے کا تصفیہ کر لو، اور انقلاب پسند جماعت کو راضی کر کے واپس کر دس۔ پہلے تو انھوں نے انکار کیا لیکن پھر معاملہ کی اہمیت اور حضرت عثمانؓ کے اصرار سے مجبور ہو کر درمیان میں پڑے، اور

حضرت عثمانؓ سے اصلاحات کا وعدہ لے کر انقلاب پسندوں کو اپنی زبرداری پر واپس کر دیا۔ مصری وفد کے ارکان ابھی راہ ہی میں تھے کہ ان کو سرکاری قاصد کی نمانی سے ایک فرمان ہاتھ آیا، جس میں حکم مصر کو اس غداری سے غضب ناک ہو کر پھر مدینہ واپس آئے اور حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ایک طرف تو آپ نے ہم کو اصلاحات کا اطمینان دلا کر واپس کیا، اور دوسری طرف سے دباؤ ڈالا، کیا یہ غدارانہ فرمان جاری ہوا، حضرت علیؓ نے فرمان دیکھا تو سخت متعجب ہوئے، اور حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر اس کی حقیقت دریافت کی، انھوں نے اس سے حیرت کے ساتھ لاعلمی ظاہر کی، حضرت علیؓ نے کہا، مجھے بھی آپ سے ایسی توقع نہیں ہو سکتی، لیکن اب میں آئندہ کسی معاملہ میں نہ پڑوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ بالکل عزت نشین ہو گئے۔

مصریوں نے جوش انتقام میں نہایت سختی کے ساتھ کاشانہِ خلافت کا محاصرہ کر لیا اور آخر میں یہاں تک شدت اختیار کی کہ آب و دانہ سے بھی محروم کر دیا، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا، تو عزت گزینی اور خلوت نشینی کے باوجود محاصرہ کرنے والوں کے پاس تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ تم لوگوں نے جس قسم کا محاصرہ قائم کیا ہے، وہ نہ صرف اسلام بلکہ انسانیت کے بھی خلاف ہے۔ کفار بھی مسلمانوں کو قید کر لیتے ہیں تو آب و دانہ سے محروم نہیں کرتے، اس شخص نے تمہارا کیا نقصان کیا ہے، جو ایسی سختی رزار کھتے ہو، محاصرین نے حضرت علیؓ کی سفارش کی کچھ پرواہ نہ کی، اور محاصرہ میں سہولت پیدا کرنے سے قطعی انکار کر دیا، حضرت علیؓ غصہ میں اپنا عامہ بھینک کر واپس چلے آئے۔

محاصرہ اگرچہ نہایت سخت تھا، تاہم حضرت علیؓ کو اس کا وہم بھی نہ تھا کہ یہ معاملہ اس قدر لمبا کھینچے گا کہ شہادت تک نوبت پہنچے گی۔ وہ سمجھے کہ جس طرح حضرت حقؑ طلبی کے متواتر مظاہرے ہوئے ہیں، یہ بھی اسی قسم کا ایک سخت مظاہرہ ہے تاہم اپنے درنوں صاحبزادوں کو احتیاطاً حفاظت کے لیے بھیج دیا، جنہوں نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ مدافعت کی، یہاں تک کہ اسی کشمکش میں زخمی ہوئے، لیکن کثیر التعداد مفسدین کا روکنا آسان نہ تھا، وہ دوسری طرف سے دباؤ بچاند کر اندر گھس آئے اور خلیفہ وقت کو شہید کر ڈالا، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو اس سانحہ جاننا کہ پر حد درجہ متاسف ہوئے، اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے، ان پر سخت ناراضگی ظاہر کی، حضرت

امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو مارا، محمد بن طلحہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو بڑا بھلا کہا کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ کس طرح پیش آیا۔

بیعت خلافت | حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی۔ اس عرصہ میں لوگوں نے حضرت علیؓ کو امام اللہ وجہہ سے اس منصب کے قبول کرنے کے لیے سخت اصرار کیا، انھوں نے پہلے اس بارگراں کے اٹھانے سے انکار کر دیا، لیکن آخر مہاجرین و انصار کے اصرار پر مجبور ہو کر یہ بارگراں اٹھانا پڑا، اور واقعہ کے تیسرے دن ۲۱ ذی الحجہ در شنبہ کے دن مسجد نبویؐ میں جناب مرتضیٰؓ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئی۔

مسند نشین خلافت ہونے کے بعد سب سے پہلے کام حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ چلانا اور ان کو سزا دینا تھا، لیکن وقت یہ تھی کہ شہادت کے وقت صرف ان کی بیوی نائلہ بنت الفرزدق موجود تھیں، جو اس کے سوا کچھ نہیں بتا سکیں کہ محمد بن ابی بکرؓ کو آرمیوں کے ساتھ جن کو وہ پہلے سے پہچانتی نہیں تھیں، اندر آئے۔ حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کو پکڑا تو انھوں نے قسم کھا کر اپنی برأت ظاہر کی کہ وہ قتل کے ارادہ سے ضرور داخل ہوئے تھے لیکن حضرت عثمانؓ کے ایک جملہ سے محبوب ہو کر پیچھے ہٹ آئے۔

البتہ ان دونوں نابکاروں نے بڑھ کر حملہ کیا، جن کو وہ بھی نہیں جانتے کہ کون تھے؛ حضرت نائلہؓ نے بھی اس بیان کی تصدیق کی کہ محمد بن ابی بکرؓ شریک نہ تھے، غرض تحقیق و تفتیش کے باوجود قاتلوں کا پتہ نہ تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں قاتلوں کے مختلف نام مذکور ہیں، لیکن شہادت کے قانونی حیثیت سے وہ مجرم ثابت نہیں ہوتے اس لیے مجرموں کا کوئی پتہ نہ چلا اور حضرت علیؓ اس وقت کوئی کارروائی نہ کر سکے۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا حضرت علیؓ کے نزدیک اس انقلاب کا اصلی سبب عمال کی بے اعتدالیوں تھیں، اور بڑی حد تک یہ صحیح بھی ہے۔ اس لیے آپ نے تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا عامل مقرر کیا۔ عمارہ بن حسان کو کوفہ کی حکومت سپرد کی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یمن کی ولایت پر مامور کیا، اور سہل کو حکومتِ شام کا فرمان دے کر روانہ کیا۔ سہل تبوک کے قریب پہنچے تو امیر معاویہؓ کے سوار مزاح ہوئے اور ان کو واپس مدینہ جانے پر مجبور کیا۔ اس وقت حضرت علیؓ کو امام اللہ وجہہ کو معلوم ہوا کہ ان کی خلافت جھگڑوں سے پاک نہیں ہے۔

حضرت علیؑ نے امیر معاویہؓ کو لکھا کہ مہاجرین و انصار نے اتفاق عام کے ساتھ میرے ہاتھ پر سیت کی ہے، اس لیے یا تو میری اطاعت کرو، یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ امیر معاویہؓ نے اپنے خاص قاصد کی معرنت جواب بھیجا، اور خط میں صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد مکتوب الیہ کا نام اور اپنا نام لکھا۔ قصہ نہایت طرار اور زبان آور تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر کہا صاحبو! میں نے شام میں پچاس نیرا شیوخ کو اس اس حال میں چھوڑا ہے کہ عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص پر ان کی ڈارصیاں آنسوؤں سے تر ہیں، اور انھوں نے عہد کر لیا ہے کہ جب تک اس خون ناحق کا قصاص نہیں لیں گے، اس وقت تک ان کی تلواریں بے نیام رہیں گی۔ قاصد یہ کہہ چکا تو حضرت علیؑ کی جماعت میں سے خالد بن زفرؓ عبسی نے اس کے جواب میں کہا: تمہارا بڑا بڑا کیا تم مہاجرین انصار کو شامیوں سے ڈراتے ہو، خدا کی قسم نہ تو قمیص عثمانؓ کی بے یوسف ہے اور نہ معاویہؓ کو یعقوب کی طرح غم ہے۔ اگر شام میں اس کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے۔ تو تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اہل عراق اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔

حضرت عائشہؓ کی قصاص پر آمادگی | امیر معاویہؓ کے مناقشات کا ابھی آغاز ہوا ہی تھا کہ دوسرا قصبہ پیدا ہو گیا، یعنی حضرت عائشہؓ مکہ سے مدینہ واپس ہو رہی تھیں، راستہ میں ان کے ایک عزیز نے ان سے حالات دریافت کیے، تو معلوم ہوا کہ عثمانؓ شہید کر دیئے گئے، اور علیؑ خلیفہ منتخب ہوئے، لیکن ہنوز فتنہ کی گرم بازاری ہے۔ یہ خیر سن کر پھر مکہ واپس ہو گئیں۔ لوگوں نے واپسی کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ عثمانؓ مظلوم شہید کر دیئے گئے، اور فتنہ دیتا ہوا نظر نہیں آتا، اس لیے تم لوگ خلیفہ مظلوم کا خون رائیگاں نہ جانے دو، اور قاتلوں سے قصاص لے کر اسلام کی عزت بچاؤ۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں فتنہ و فساد کے آثار دیکھ کر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی حضرت علیؑ سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے ان سے بھی وہاں کے حالات دریافت کیے۔ انھوں نے بھی شور و غوغا کی داستان سنائی۔ ان کے بیان سے حضرت عائشہؓ کے ارادوں میں اور تقویت ہو گئی، اور انھوں نے خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دلت شہد کر دی۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعات کی ترتیب اور حضرت علیؑ کی کرم اللہ وجہہ کے بعض سیاسی تسامح نے عام طور پر ملک میں بد نظمی پیدا کر دی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنا ان کے عدل کو اپنا مسادع

انصار بنانا، اور مسیخائت پر تمکن ہونے کے ساتھ تمام عمال و حکام کو برطرف کر دینا لوگوں کو بدظن کر دینے کے لیے کافی تھا۔ اہل بدگمانیوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کو بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص پر آمادہ کر دیا۔ چنانچہ قصاص کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ عبد اللہ بن عامر حضرت والی مکہ مروان بن حکم، سعید بن العاص اور دوسرے بنی امیہ نے جو مدینہ سے مفرور ہو کر مکہ میں پناہ گزین تھے، نہایت جوش کے ساتھ اس تحریک کو پھیلایا اور ایک معتدبہ جمعیت فراہم کر کے روانہ ہوئے کہ پہلے بیت المال پر قبضہ کر کے مالی مشکلات میں سہولت پیدا کریں، پھر بصرہ، کوفہ اور عراق کی دوسری نوآبادیوں میں اس تحریک کی اشاعت کر کے لوگوں کو اپنا اہم آہنگ بنائیں۔

سفر عراق | حضرت علیؓ کو اللہ جب تک کو مکہ کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا، تو آپ نے بھی اس خیال سے عراق کا قصد کیا کہ وہاں مخالفین سے پہلے پنج کو بیت المال کی حفاظت کا انتظام کریں اور اہل عراق کو دلداری کا سبق دیں۔ انصار کرام کو اس ارادہ کی خبر ملنی تو وہ بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے، اور حضرت عقبہ بن عامر نے جو بڑے پایے کے صحابی تھے اور غزوة بدر میں سردار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہ چکے تھے۔ انصار کی جانب سے گزارش کی کہ دارالخلافت کو چھوڑ کر جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ ہمزادوں کے عہد میں بڑی بڑی جنگیں پیش آئیں، لیکن انھوں نے کبھی مدینہ سے باہر قدم نہیں نکالا۔ اگر اس وقت خالد بن ولیدؓ، ابو عبیدہؓ، سعد و قاصد ابوموسیٰ اشعریؓ نے شام و ایران کو تہ و بالا کر دیا تھا، تو اس رت بھی ایسے جاننازدوں کی کمی نہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، یہ صحیح ہے، لیکن عراق پر مخالفین کے تسلط سے نہایت دشواری پیش آئے گی۔ وہ اس وقت مسلمانوں کی بہت بڑی نوآبادی ہے، وہاں کے بیت المال بھی مالِ نذر سے پُر ہیں، اس لیے میرا وہاں موجود رہنا نہایت ضروری ہے، اور مدینہ میں عام منادی کرادی کہ لوگ سفر عراق کے لیے تیار ہو جائیں، چند قطا صحابہ کے سوا تقریباً تمام اہل مدینہ ہمراہ ہوئے۔ ذی قارب پنج کو معلوم ہوا کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ سبقت کر کے بصرہ پہنچ گئے ہیں، اور بنو سعد کے علاوہ تقریباً تمام بصرہ والوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت امام حسنؓ کا سفر کوفہ | یہ سن کر حضرت علیؓ نے ذی قارب میں قیام کیا، اور حضرت امام حسنؓ کو حضرت ہمار بن یاسرؓ کے ساتھ کوفہ روانہ کیا کہ لوگوں کو مرکزِ خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں حضرت امام حسنؓ جس وقت کوفہ پہنچے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ والی کوفہ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے

تقریر کر رہے تھے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا، وہ اب سر پہ ہے۔ اس لیے ہتھیار بیکار کر دو، اور بالکل عزت نشین ہو جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فتنہ و فساد کے وقت سونے والا بیٹھنے والے سے، اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔ اس اثناء میں حضرت امام حسن مسجد میں داخل ہوئے، اور حضرت ابو موسیٰ اشعری سے کہا تم بھی ہماری مسجد سے نکلو، اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ اس کے بعد منبر سے کھڑے ہو کر لوگوں کو امیر المؤمنین کی مساعادت پر آمادہ کیا۔ حجر بن عدی کندی نے جو کوفہ کے نہایت معزز اور ذی اثر بزرگ تھے، حضرت امام حسن کی تائید کی، اور کہا صاحبو امیر المؤمنین نے خود اپنے صاحبزادہ کو بھیج کر تمہیں دعوت دی ہے، اس دعوت کو قبول کرو، اور علم حیدری کے نیچے مجتمع ہو کر فتنہ و فساد کی آگ سرد کرو۔ میں خود سب سے پہلے چلنے کو تیار ہوں۔ منقہ حضرت امام حسن اور حجر بن عدی کی تقریروں نے لوگوں کو حضرت علی کی امانت پر آمادہ کر دیا اور دوسری طرف سے امیر المؤمنین کی اطاعت و فرما برداری کی صدا میں بلند ہوئیں اور دوسرے ہی دن صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانبداروں کی ایک جماعت مسلح ہو کر حضرت امام حسن کے ساتھ روانہ ہوئی، اور مقام ذی قار میں امیر المؤمنین کی فوج سے مل گئی۔ جناب امیر نے اپنی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دے کر لہرہ کا رخ کیا۔ اس وقت لہرہ کا حال یہ تھا کہ وہ تین گروہوں میں منقسم تھا۔ ایک خاموش اور غیر جانبدار تھا، دوسرا حضرت علی کا طرفدار تھا، اور تیسرا حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ وغیرہ کا حامی۔ خاد جہلی کی یہ تیاریاں دیکھ کر پہلی جماعت نے مصالحت کی بڑی کوشش کی، بلکہ ہر فریق کے نیک نیت لوگ اس کی تائید میں تھے۔ حضرت علی اور حضرت عائشہ دونوں چاہتے تھے کہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے، اور کسی طرح یا بھی اختلافات دور ہو جائیں۔ صلح کی گفتگو ترقی پر تھی، اور فریقین جنگ کے تمام احتمالات دلوں سے دور کر چکے تھے۔ اور رات کے سناٹے میں ہر فریق آرام کی نیند سو رہا تھا، دونوں فریقوں میں کچھ ایسے عناصر شامل تھے جن کے نزدیک یہ مصالحت ان کے حق میں سم قاتل تھی۔ حضرت علی کی فوج میں سبائی انجن کے ارکان اور حضرت عثمان کے قاتلوں کا گروہ شامل تھا، اور حضرت عائشہ کی طرف کچھ اموی تھے، حضرت عثمان کے قاتل اور سبائی تھے کہ اگر یہ مصالحت کامیاب ہو گئی، تو ان کی خیر نہیں اس لیے انھوں نے رات کی تاریکی میں حضرت عائشہ کی فوج پر شب خون مارا، گھبراہٹ میں فریقین نے یہ سمجھ کر کہ دوسرے فریق نے دھوکا دیا، ایک دوسرے پر حملہ شروع کر دیا۔ حضرت عائشہ آؤنٹ

پر آہن ہودہ رکھو اگر سوار ہوئیں، کہ وہ اپنی فوج کو اس حملہ سے رک سکے۔ حضرت علیؑ نے بھی اپنے سپاہیوں کو رد کا، مگر جو بلند پھیل چکا تھا، وہ کب رک سکتا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی وجہ سے انکی فوج میں غیر معمولی جوش و خروش تھا قلیب فوج میں انکا ہوج تھا، محمد بن طلحہ سواروں کے انسرتھے۔ عبد اللہ بن زبیر پیادہ فوج کی سربراہی پر مامور تھے اور پوری فوج کی قیادت حضرت طلحہ وزبیر کے ہاتھوں میں تھی۔

جنگِ جمل دورانِ جنگ میں حضرت علیؑ گھوڑا بڑھا کر میدان میں آئے، اور حضرت زبیرؓ کو بلا کر کہا، ابو عبد اللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا کہ کیا تم علیؑ کو دست لگتے ہو؟ تو تم نے عرض کی تھی، ہاں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد کرو! اس وقت تم سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے۔ حضرت زبیرؓ نے جواب دیا ہاں مجھے یاد آیا ہے۔ یہ پیشین گوئی یاد کر کے حضرت زبیرؓ جنگ سے کنارہ کش ہو گئے، اور اپنے صاحبزادے عبد اللہؓ سے

فرمایا: جان پدر علیؑ نے ایسی بات یاد دلائی کہ تمام جنگ کا جوش فرو ہو گیا۔ بے شک ہم حتیٰ پر نہیں ہیں اب میں اس جنگ میں شرکت نہ کروں گا، تم بھی میرا ساتھ دو۔ لیکن حضرت عبد اللہؓ نے انکار کیا، تو وہ تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے کہ وہاں سے سامان لے کر کسی طرف نکل جائیں حضرت طلحہؓ نے حضرت زبیرؓ کو جلتے دیکھا تو ان کا ارادہ بھی متزلزل ہو گیا۔ مردان ابن حکم کو معلوم ہوا تو اس نے حضرت طلحہؓ کو ایک ایسا تاک کر تیر مارا کہ جو گھٹنے میں پیوست ہو گیا۔ یہ تیر دہریں بچھا ہوا تھا۔ زہر کے اثر سے ان کا کام تمام ہو گیا۔ اب میدانِ جنگ میں صرف ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ان کے جاں نثار فرزند رہ گئے جنگ کی ابتدا ہو چکی تھی۔ دیر تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ ام المومنینؓ زہر پوش ہوج میں بیٹھی تھیں۔ نامرتبہ شناس سپاہی آپ کے ساتھ گتساخیاں کر رہے تھے اور آپ کو گرفتار کرنا چاہتے تھے حضرت

عائشہؓ کے وفادار بیٹوں میں بنو ضبہ اس اونٹ کی حفاظت میں اپنی لاشوں پہ لاشیں گر رہے تھے۔ بکریں و ابل، ازو اور بنو ضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ میں لے کر اس جوش، شہادت اور اونٹنی کے ساتھ لڑے کہ خود شہید کر اور کھیرت تھی۔ عبد اللہ بن زبیرؓ اونٹ کی نیل پکڑے تھے، وہ زخمی ہو کر گرے تو فوراً دوسرے نے بڑھ کر پکڑ لی وہ مارا گیا تو تیسرے نے اس کی جگہ لے لی۔ اس طرح کیے بعد دیگرے ستر آدمیوں نے اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ بصرہ کا شہسوار مرد بن بجرہ اس جوش سے ٹکرا ہوا تھا کہ حضرت علیؑ کی فوج کا جو شخص اس

کے سامنے پہنچ جاتا تھا، مارا جاتا، اور ابن کعبہ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا۔

یا امنا یا خیرا م نعلم دالام لعدو وولدھا و نرحم

اسے ہماری بہترین ماں، اور ماں بچوں کو کھلاتی ہے اور ان پر رحم کرتی ہے

الا سترین کم جواد تکلم و تختی هامتہ و المصم

کیا تو نہیں دیکھتی کہ کتنے گھوڑے رضی کیے جاتے ہیں، اور ان کی کھوپڑی اور کان کاٹی جاتی ہے۔

آخر کار حضرت علی کی زوج کے مشہور شہسوار احارث بن زبیر زدی نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا، اور تھوڑی

دیر تک تیغ و سنان کے رزو بدل کے بعد دونوں ایک دوسرے کے وار سے کٹ کر ڈھیر ہو گئے۔

اونٹ کے سامنے برفضہ حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ سد سکندری بنے دشمنوں کو روکے کھڑے تھے، اور

جب تک ایک شخص بھی زندہ رہا، اس نے پشت نہیں پھیری، اور یہ رجز ان کی زبان پر تھا۔

الموت احملى عندنا صون العسل نحن بنو ضبة اصحاب المحجل

موت ہمارے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے ہم ضبہ کی اولاد، اونٹ کے محافظ ہیں

نحن بنو الموت اذ الموت نزل ننحی ابن عفان با طرف الاسل

ہم موت کے پیٹے ہیں، جب موت اترے ہم عثمان بن عفان کی موت کی خبر تیزوں سے پہلے پہنچے

رد و اعلینا تینخاشم - محجل

ہمارے سردار ہم کو دوسروں کو پھر کچھ نہیں

حضرت علی نے دیکھا کہ جب تک اونٹ بیٹھایا نہ جائے گا، مسلمانوں کی خونریزی رکنت نہیں سکتی۔ اس لیے

آپ کے اشارے سے ایک شخص نے پیچھے سے جا کر اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری، اونٹ بلبلا کر بیٹھ گیا، اونٹ

کے بیٹھے ہی حضرت عائشہ کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی، اور حضرت علیؑ کے حق میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ آپ

نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کو جو حضرت علیؑ کے ساتھ تھے، حکم دیا کہ اپنی ہمیشہ خستہ کی خبر

گیری کریں، اور عام منادی کوادی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے

جائیں، مال غنیمت نہ لوٹا جائے۔ جو ہتھیار ڈال دیں وہ مامون ہیں۔ پھر خود ام المؤمنین حضرت عائشہؓ

صلیقے کے پاس پاس حاضر ہو کر مزاج پرسی کی، اور بصرہ میں چند دن تک آرام و آسائش سے ٹھہرانے

کے بعد محمد بن ابی بکرؓ کے ہمراہ عزت و احترام کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔ بصرہ کی چالیس شریف

ومغز خواتین کو پہنچانے کے لیے ساتھ کیا، اور رخصت کرنے کے لئے خود چند میل تک ساتھ گئے، اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادوں کو مشاوت کے لئے بھیجا۔ حضرت عائشہ نے رخصت ہوتے وقت لوگوں سے فرمایا کہ میرے بچو! ہماری باہمی کشمکش محض فلفلہ فی کانتیو تھی، ورنہ مجھ میں اور علیؑ میں پہلے کوئی جھگڑا نہ تھا۔ حضرت علیؑ نے بھی مناسب الفاظ میں تصدیق کی اور فرمایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترمہ اور ہماری ماں ہیں، ان کی تعظیم و توقیر ضروری ہے۔ غرض پہلی رجب ۱۰ھ میں فجر کے روز حضرت عائشہؓ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔

www.KitaboSunnat.com

بصرہ میں چند روز قیام کے بعد حضرت علیؑ نے کوفہ کا عزم کیا، اور ۱۲ رجب ۳ھ دوشنبہ کے روز داخل شہر ہوئے۔ اہل کوفہ نے قصر اہلت میں جہان نوازی کا سامان کیا، لیکن زہد و تقاعد کے شہنشاہ نے اس میں غرور کش ہونے سے انکار کیا، اور فرمایا کہ عین الخطاب نے ہمیشہ ان عالی شان محلات کو حشرات کی نظر سے دیکھا، مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میدان میرے لیے بس ہے، چنانچہ میدان میں قیام فرمایا، اور مسجد اعظم میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی، اور جمعہ کے روز خطبہ میں لوگوں کو اتفاقاً پر سیزگاری اور وفا شعار کی ہدایت کی۔

جنگ جمل کے بعد حضرت علیؑ نے مدینہ چھوڑ کر کوفہ میں مستقل اقامت اختیار کی، اور اہلکلامت حجاز سے عراق منتقل ہو گیا۔ لوگوں نے اس تبدیلی کے مختلف وجوہ بیان کیے ہیں، مگر میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے حرم نبویؐ کی جو توہین ہوئی، اس نے علیؑ کو مجبور کیا، کہ وہ آئندہ سلطنت کے سیاسی مرکز کو علمی اور مذہبی مرکز سے علیحدہ کر دیں۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کوفہ میں حضرت علیؑ کے طرفداروں اور حامیوں کی اس وقت سب سے بڑی تعداد تھی، گو حضرت علیؑ نے مدینہ کو سیاسی شہر و قنن سے بچانے کے لئے عراق کو دارالحکومت بنایا تھا، اس کا کوئی مفید نتیجہ مرتب نہ ہوا۔ اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت ختم ہو گئی اور خود حضرت علیؑ مرکز اسلام سے دور ہو گئے، جو سیاسی حیثیت سے آئندہ ان کے لیے مضرت ثابت ہوا، بہر حال حضرت علیؑ نے کوفہ میں قیام فرما کر ملک کا از سر نو نظم و نسق قائم کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس کو بصرہ کی ولایت سپرد کی۔ مدائن پر یزید بن قیس، اصفہان پر محمد بن سلیم، کسکر پر قدام بن عثمان ازدی سجستان پر ربیع بن کاہن اور تمام خراسان پر خلید بن کاہن کو مامور کر کے بھیجا۔ خلید خراسان پہنچے، توان کو تیل کی کسری کی ایک لٹکی نے نیشاپور پہنچ کر بغاوت کرا دی ہے۔ چنانچہ انھوں نے نیشاپور پر فوج کشی

کر کے بنادت فرو کی، اور اس کو بارگاہِ خلافت میں بھیج دیا۔ جناب امیر نے اس کے ساتھ نہایت لطف و کرم کا برتاؤ کیا، اور اس سے فرمایا کہ اگر وہ پسند کرے تو اپنے فرزند امام حسنؑ سے نکاح کر دیں۔ اس نے کہا کہ وہ ایسے شخص سے شادی کرنا نہیں چاہتی جو ابھی خود مختار نہ ہو۔ اگر خود جناب امیر اپنے عقیدہ نکاح سے مشرت فرمائیں، تو لطیفِ خاطر حاضر ہوں۔ حضرت علیؑ نے انکار کیا اور اسے آزاد کر دیا کہ جہاں چاہے رہے، اور جس سے چاہے بیاہ کرے۔

جزیرہ موصل اور شام کے متصلہ علاقوں پر اشتر نخعی کو مامور کیا۔ اشتر نے بڑھ کر شام کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا، لیکن امیر معاویہؓ کے عامل حنظل بن قیس نے حران اور رقہ کے درمیان مقابلہ کر کے اشتر کو پھر موصل جانے پر مجبور کیا۔ اشتر نے موصل میں قیام کر کے شامی فوج سے مستقل چھوڑ دیا شروع کر دی، اور اس سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک رکھا۔

صلح کی دعوت | اگرچہ حضرت علیؑ کو یہ معلوم تھا کہ امیر معاویہؓ آپ کی خلافت تسلیم نہیں کریں گے تاہم آپ نے تمام حجت کے لیے ایک دفعہ پھر صلح کی دعوت دی اور جبرئیل بن عبد اللہ کو قاصد بنا کر بھیجا۔ جبریا سے وقت امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے کہ ان کے دربار میں روسائے شام کا مجمع تھا۔ امیر معاویہؓ نے خط لے کر پہلے خود پڑھا، پھر ہانگ بلند حاضرین کو سنایا۔ بعد حمد و نعت کے خط کا مضمون یہ تھا۔

”تم اور ہمارے زیر اثر جس قدر مسلمان ہیں، سب پر میری بیعت لازم ہے کیونکہ مجھے مہاجرین و انصار نے اتفاق عام سے منصبِ خلافت کے لیے منتخب کیا ہے۔ ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کو بھی انہی لوگوں نے منتخب کیا تھا۔ اس لیے جو شخص اس بیعت کے بعد سرکشی اور اطاعت قبول کرے، وہ جبراً اطاعت پر مجبور کیا جائیگا۔ پس تم مہاجرین و انصار کا اتباع کرو یہی سب سے بہتر طریقہ ہے، ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تم نے عثمانؓ کی شہادت کو اپنی مقصد بڑی کا وسیلہ بنایا ہے اگر تم کو عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے کا حقیقی جوش ہے تو پہلے میری اطاعت قبول کرو، اس کے بعد مضابطہ اس مقدمہ کو پیش کرو، میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا، ورنہ تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ محض دھوکہ اور فریب ہے۔“

امیر معاویہؓ بیس بائیس برس سے شام کے والی تھے۔ اس طویل حکومت نے ان کے دل میں

استقلال و خود مختاری کی تمنا پیدا کر دی تھی۔ جس کے حصول کے لیے اس سے بہتر موقع میسر نہیں آسکتا تھا۔ نیز حضرت عثمان کی شہادت، حضرت علیؓ کی خلافت اور اموی عمال کی برطرنی سے بنو امیہ اور بنو ہاشم کی دیرینہ شتمک پھر تازہ ہو گئی تھی، حضرت علیؓ کے معزول کردہ تمام اموی عمال امیر معاویہؓ کے گرد و پیش جمع ہو گئے تھے۔ بہت سے قبائل عرب جو اگرچہ اموی نہ تھے، لیکن امیر معاویہؓ کی مثالاً نہ داد و درہش نے ان کو بھی ان کا مفرد ارادہ دیا تھا، بعض صحابہ بھی اپنے مقاصد کے لیے ان کے دست و بازو بن گئے تھے۔ حضرت کمرو بن العاصؓ نے مصر کی حکومت کا سمدہ لے کر اعانت و مساعدت کا وعدہ کر لیا تھا۔ حضرت میسرہ بن شعبہ جو عرب کے نامور مدبروں میں تھے، اور پہلے حضرت علیؓ کی طرف مائل تھے، آپ سے دل برداشتہ ہو کر امیر معاویہؓ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ عبید اللہ بن عمرؓ نے اپنے والد کے خون کے جوش انتقام میں ایک پارسی نو مسلم ہر مزان کو بے وجہ قتل کر دیا تھا، اور حضرت عثمانؓ نے ان سے قصص نہیں لیا تھا، حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے بعد مقدمہ قائم ہونے کے خوف سے بھاگ کر امیر معاویہؓ کے پاس میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ امیر معاویہؓ نے ایک اور نامور مدبر زیاد بن امیہ کو جو حضرت علیؓ کے حامیوں میں تھا، اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اکابر شام کی پہلے ہی سے ان کو تائید و حمایت حاصل تھی، ان کی مدد سے انھوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے واقعہ کو جس سے تمام مسلمان سخت متاثر تھے، سلسلے شام میں پھیلا دیا، ہر بزرگ کو، قصداً اور شہر میں انھیں کی اشاعت کے لیے خطیب مقرر کیے، دمشق کی جامع مسجد میں حضرت عثمانؓ کے خون آلود چیرا بن اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں کی نمائش کی جاتی تھی۔ ان تدبیروں سے لوگوں کو حضرت علیؓ کے خط کا جواب لکھا، اور حسب معمول قاتلین عثمانؓ کو حوالہ کر دینے پر اصرار کیا، ابو مسلم نے جو خط کا جواب لے کر گئے تھے، درباخلافت میں خط پیش کرنے کے بعد سچ کے طور پر گزارش کی کہ اگر عثمانؓ کے قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے تو ہم اور تمام اہل شام خوشی کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں کہ فضل و کمال کے لحاظ سے آپ ہی خلافت کے حقیقی مستحق ہیں۔ جناب امیرؓ نے دوسرے روز صبح کے وقت جواب دینے کا وعدہ فرمایا۔ ابو مسلم جب دوسرے روز حاضر ہوئے تو وہاں تقریباً دس ہزار مسلح آدمیوں کا مجمع تھا، ابو مسلم کو دیکھ کر سب نے ایک ساتھ بانگ بلند کہا: ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں۔ ابو مسلم

نے متعجب ہو کر بارگاہِ خلافت میں عرض کی کہ معلوم ہوتا ہے کہ سب نے باہم سازش کر لی ہے، حضرت علیؑ نے فرمایا تم اس سے سمجھ سکتے ہو کہ عثمانؓ کے قاتلوں پر میرا کہاں تک اختیار ہے۔

حضرت علیؑ کو م اللہ وجہ نے پھر امیر معاویہؓ کو لکھا کہ وہ ناحق ضد سے باز آجائیں، حضرت عثمانؓ کے قتل میں ان کی کوئی شرکت نہ تھی۔ عمرؓ بن العاص کو علیؑ نے لکھا کہ "دنیا بلی چھوڑ کر حق کی حمایت کرو۔" لیکن زمین مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھی، گو جنگِ جمل میں دس ہزار مسلمانوں کا خون پی چلی تھی، لیکن ابھی اس کی پیاس نہ کبھی تھی۔ اس لیے مصالحت اور خانہ جنگی کے سدباب کی تمام کوششیں ناکام رہیں، اور حضرت علیؑ کو مجبور ہو کر قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھنا پڑا، تمام عمال و حکام کو در دراز حصص ملک سے جنگ میں شریک ہونے کے لیے بلایا اور تقریباً اسی ہزار کی جمعیت کے ساتھ حدودِ شام کا رخ کیا۔

معرکہ صفین | جب یہ فوج گراں فرات کو عبور کر کے سرحد شام میں داخل ہوا تو امیر معاویہؓ کی طرف سے ابوالاعور سلی نے مقدمہ الجیش کو آگے بڑھنے سے روکا۔ علوی فوج کے انسر زیاد بن النضر اور شمر بن ذی الجوشن نے تمام دن نہایت جاں بازی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اسی اثناء میں اشتر نخعی ملک کے رہنما بن گئے۔ ابوالاعور نے دیکھا کہ اب مقابلہ دشوار ہے۔ اس لیے رات کی تاریخی میں اپنی فوج کو ہٹایا، اور امیر معاویہؓ کو فوج مخالف کی آمد کی اطلاع دی۔ انھوں نے صفین کے میدان کو مدافعت کے لیے منتزب کیا، اور پیش قدمی کر کے مناسب موقعوں پر مورچے جمادیتے، گھاٹ کو اپنے قبضہ میں لے کر ایک بڑی جمعیت کے ساتھ متعین کر دیا کہ علوی فوج کو دریا سے پانی نہ لینے دیں۔

پانی کے لئے کشمکش | ابوالاعور نے اس حکم کی تعمیل کی۔ چنانچہ حضرت علیؑ کی فوج صفین پہنچی تو اس کو پانی کی وجہ سے سخت دقت پیش آئی، حضرت علیؑ نے حکم دیا کہ شامی فوج کا مقابلہ کر کے بزرگھاٹ پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ پہلے چند آدمی اتمامِ حجت کے لیے آستی کے ساتھ دریا کی طرف بڑھے، لیکن جیسے ہی قریب پہنچے ہر طرف سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی، حضرت علیؑ کی فوج پیش قدمی کی منتظر تھی، سب نے ایک ساتھ مل کر حملہ کر دیا، ابوالاعور نے دیر تک ثبات و استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا، عمرو بن العاصؓ نے بھی اپنی ملک سے تقویت دی، لیکن پیاسوں کو پانی سے روکنا آسان نہ تھا۔ آخر کار شامی دستہ کے پاؤں اکھڑ گئے، اور گھاٹ پر تین کاموں کا قبضہ ہو گیا۔ اب جو وقت

امیر المؤمنین کی فوج تو ہونٹی تھی، وہی امیر معاویہ کو پیش آئی، لیکن جناب مرتضیٰ کی حمایتِ انسانی نے کسی کو تشنہ کام رکھنا گوارا نہ کیا، اور شاہی فوج کو دریا سے پانی لینے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ دونوں فوجیں ایک ساتھ دریا سے سیراب ہونے لگیں، اور باہم اس قدر اختلاط پیدا ہو گیا کہ دونوں کیمپ کے سپاہیوں میں دوستانہ آمد و رفت شروع ہو گئی، یہاں تک کہ بعضوں کو خیال ہوا کہ اب صلح ہو جائے گی۔

میدانِ جنگ میں مصالحت کی آخری کوشش | حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ شروع کرنے سے قبل ایک دفعہ پھر تمام حجت کے لئے بشیر بن عمرو بن محضن النصارى، سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی کو امیر معاویہ کے پاس بھیج کر مصالحت کی آخری کوشش کی، لیکن کامیابی نہ ہوئی، دونوں طرف عملاً فضلاً اور حفاظتِ قرآن کی ایک جماعت موجود تھی، جو دل سے اس خونریزی کو ناپسند کرتی تھی، اس نے مسلسل تین ماہ تک جنگ کو روکے رکھا، اور اس درمیان میں برابر مصالحت کی کوشش کرتی رہی اس اثناء میں دونوں طرف سے تقریباً پچاسی دفعہ حملہ کا ارادہ کیا گیا، لیکن ان بزرگوں نے ہمیشہ دریا میں پڑ کر بیچ بچاؤ کر دیا۔ غرض ربیع الاول، ربیع الثانی اور جمادی الاولیٰ تین مہینے صرف صلح کے انتظار میں گزر گئے، لیکن اس کی کوئی صورت نہ نکلی سکی، اور جمادیِ آخری کے شروع سے جنگ چھڑ گئی۔

آغازِ جنگ | لڑائی کا یہ طریقہ تھا کہ دونوں طرف سے دن میں دو دفعہ یعنی صبح و شام تھوڑی تھوڑی فوج میدانِ جنگ میں اترتی تھی، اور کشت و خون کے بعد اپنے فرزدگاہ پر واپس جاتی تھی۔ فوجِ کمان حضرت علیؑ خود کرتے تھے اور کبھی باری باری سے اشتراک تھی، حجر بن عدی، شبث بن ربعی، خالد بن المعمر، زیاد بن النضر، زیاد بن حصیف، النبی، سعید بن قیس، محمد بن حنفیہ، معقل بن قیس، ارقیس بن سعد اس فرض کو انجام دیتے تھے۔ یہ سلسلہ جمادیِ آخری کی آخر تاریخوں تک جاری رہا، لیکن جیسے ہی رجب کا ہلال طلوع ہوا، اشہر حرم کی عظمت کے خیال سے دفعہٴ دونوں طرف سے جنگ رک گئی اس التوا سے خیر خواہان امت کو پھر ایک مرتبہ مصالحت کی کوشش کا موقع مل گیا، چنانچہ حضرت

البردؤ اور حضرت ابوامامہ باہلی نے امیر معاویہ کے پاس جا کر ان سے حربِ ذیل گفتگو کی۔

حضرت ابودرداءؓ نے تم سے کیوں لڑتے ہو؟ کیا وہ امانت کے تم سے زیادہ مستحق نہیں ہیں؟

امیر معاویہ: "میں عثمان کے خونِ ناحق کے لیے لڑتا ہوں۔"

حضرت ابودرداءؓ: "کیا عثمان کو علیؑ نے قتل کیا ہے؟"

امیر معاویہؓ: "قتل تو نہیں کیا ہے، قاتلوں کو پناہ دی ہے، اگر وہ ان کو میرے سپرد کر دیں

تو سب سے پہلے بیعت کرنے کو تیار ہوں۔"

اس گفتگو کے بعد حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوامامہؓ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر

ہوئے، اور امیر معاویہؓ کی شرط سے مطلع کیا، اسے سن کر تقریباً بیس ہزار سپاہیوں نے علوی فوج سے

نکل کر کہا کہ ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں۔ حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوامامہؓ نے یہ رنگ دیکھا تو لشکر گاہ چھوڑ کر ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے، اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

غرض پہلی رجب سے اخیر محرم ۳۵ء تک طرینین سے سکوت رہا، اور کوئی قابل ذکر معرکہ پیش

نہ آیا۔ آغاز صفر سے پھر از سر نو جنگ شروع ہو گئی، اور اس قدر خون ریز لڑائیاں پیش آئیں کہ ہزاروں عورتیں

بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ پھر بھی اس خانہ جنگی کا فیصلہ نہ ہوا، حضرت علیؓ مکرّم اللہ وجہہ نے اس

طوالت سے تنگ آ کر اپنی فوج کے سامنے نہایت پرجوش تقریر کی، اور اس کو فیصلہ کن جنگ کے لیے

اجباراً تمام فوج نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ اس تقریر پر لبیک کہا اور اپنے حریف پر اس زور کا

حملہ کیا کہ شامی فوج کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکٹھے جمید کر گئے۔ حمید کرارؓ

خود فوج کے آگے تھے، اور اس جانبازی سے ٹر رہے تھے کہ حریف کی صفیں چیرتے ہوئے امیر معاویہؓ

کے مقصودہ تک پہنچ گئے، آپ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا۔

انمو بھدم ولا اسی معاویۃ الجاخط العین العظیم الحادیۃ

"قریب پہنچ کر پکا کر کہا: معاویہ، خلق خدا کا خون کیوں گرتے ہو، آدم تم باہم اپنے جملہ لوگوں

کا فیصلہ کر لیں۔"

اس مبارزت پر عمرو بن العاصؓ اور امیر معاویہؓ میں حسب ذیل مکالمہ ہوا۔

عمرو بن العاصؓ: بات انصاف کی ہے۔

امیر معاویہؓ: خوب! کیا انصاف ہے؟ تو جانتے ہو کہ جو اس شخص کے مقابلہ میں جانا

ہے پھر زندہ نہیں بچتا۔

امیر معاویہؓ کے اعراض پر عمرو بن العاصؓ خود شیر خدا کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ دیر

نک دونوں میں تیغ و سناں کا رد و بدل ہوتا رہا۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ایسا وار کیا کہ اس سے

سلامت پہنچانا ممکن ہو گیا، عمرو بن العاص اس بدحواسی کے ساتھ گھڑے سے گرے کہ بالکل برہنہ ہو گئے فاتح خمیر نے اپنے حریف کو برہنہ دیکھ کر منہ پھیر لیا اور زندہ چھوڑ کر واپس چلے آئے۔

اس جنگ کے بعد تھوڑی تھوڑی فوج سے مقابلہ ہونے کے بجائے پوری فوج کے ساتھ جنگ ہونے لگی چند دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک جمعہ کے روز عظیم الشان جنگ پیش آئی، جو شدت و خونریزی کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں آپ اپنی نظیر ہے۔ صبح سے شام اور شام سے دوسری صبح تک اس زور کارن پڑا، کہ نعروں کی گرج، گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلواروں کی جھنکاروں سے کوہ ارض تھرا رہا تھا۔ اسی مناسبت سے اس کو یلۃ الہریر کہتے ہیں۔

دوسری صبح کو مجروحین و مقتولین کے اٹھانے کے لیے جنگ ملتوی ہو گئی، حضرت علیؑ نے اپنے طرفداروں کو مخاطب کر کے نہایت جوش سے تقریر کی اور فرمایا: جاننا زبہ ہمارے کوششیں اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ انشاء اللہ کل اس کا آخری فیصلہ ہو جائے گا۔ پس آج کچھ آرام لینے کے بعد اپنے حریف کو آخری شکست دینے کے لیے تیار ہو جاؤ، اور اس وقت تک میدان سے منہ موڑو جب تک اس قطعی فیصلہ نہ ہو جائے۔

امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ نے اس وقت نہایت جان بازی، شجاعت اور پامردی کے ساتھ اپنی فوجوں کو سرگرم کارزار رکھا تھا، لیکن یلۃ الہریر کی جنگ سے انھیں بھی یقین ہو گیا تھا کہ اب لشکر حیدری کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔ قبیلوں کے سردار بھی ہمت ہار گئے۔ اشعث ابن قیس نے علانیہ دربار میں کھڑے ہو کر کہا، اگر مسلمانوں کی باہمی لڑائی ایسی ہی قائم رہی تو تمام عرب ویران ہو جائے گا۔ رومی شام میں ہمارے اہل و عیال پر قبضہ کر لیں گے۔ اسی طرح ایرانی و ہقان اہل کونڈ کی عورتوں اور بچوں پر متصرف ہو جائیں گے۔ تمام درباریوں کی نظریں امیر معاویہ کے چہرے پر گر گئیں، اور سب نے بالاتفاق اس خیال کی تائید کی۔

یہ رنگ دیکھ کر امیر معاویہ نے جناب مرتضیٰ کو لکھا کہ اگر ہم کو اور خود آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ جنگ اس قدر طول کھینچے گی تو غالباً ہم دونوں اس کو چھڑ پائیں نہ کرتے، بہر حال اب ہم کو اس تباہ کن جنگ کا خاتمہ کر دینا چاہیے۔ ہم لوگ نبی عید منان ہیں، اور آپس میں ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں، اس لیے مصالحت ایسی ہو کہ طرفین کی عزت و آبرو برقرار رہے۔ لیکن اب علیؑ کو اللہ جیب نے مصالحت سے انکار کر دیا، اور دوسرے روز علیؑ الصباح زندہ بکتر سے آراستہ ہو کر اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ میدان میں صاف آگاہ ہوئے، لیکن حریف نے جنگ ختم کر دینے کا ہمد کر لیا تھا، عمرو بن العاصؓ نے کہا، اب ایک

ایسی چال چلوں گا کہ یا تو جنگ کا خاتمہ ہو جائیگا، یا مٹی کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ چنانچہ دوسری صبح شامی فوج ایک عجیب منظر کے ساتھ میدانِ جنگ میں آئی۔ آگے آگے دمشق کا مصحفِ اعظم پانچ نیزوں پر بندھا ہوا تھا، اور اس کو پانچ آدمی بند کئے ہوئے تھے، اس کے علاوہ جس جس کے پاس قرآن پاک تھا، اس نے اس کو نیزے پر باندھ لیا تھا۔ حضرت علیؑ کی طرف سے اشتر نخعیؓ نے ایک جمعیتِ عظیم کے ساتھ حملہ کیا، تو قلب سے فضل بن اوسم، میمنہ سے شریح المجذامی اور سیرہ سے زرقاد بن تمہر بڑھے اور چپا کر کہہ کر وہ عرب خدارومیوں اور ایرانیوں کے ہاتھ سے تمہاری عورتوں اور بچوں کو بچائے تم فنا ہو گئے، دیکھو یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہے، اسی طرح ابوالاعور سلمیٰ اپنے سر پر کلامِ مجید لکھے ہوئے لشکرِ حیدری کے قریب آئے، اور بانگِ بلند کہا: اے اہل عراق! یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے۔ اشتر نخعی نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ حریف کی چال ہے اور جوشِ دلاکرنہایت زور و شور کے ساتھ حملہ کر دیا، لیکن شامیوں کی چال کامیاب ہو گئی۔

حضرت علیؑ کو اللہ و جہنم نے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ مصاحف کا بلند کرنا محض عیاری ہے، ہم کو اس دامِ تزییر سے بچنا چاہیے۔ کر دوس بن ہانی، سفیان بن یزید اور خالد بن العمر نے بھی امیر المؤمنین کی تائید کی، اور کہا کہ پہلے ہم نے ان کو قرآن کی طرف دعوت دی تو انھوں نے کچھ پرواہ نہ کی، لیکن جب ناکامی و ناسرمدی کا خوف ہوا تو اس مکاری کے ساتھ ہمیں دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ لیکن شامیوں کا جادو چل چکا تھا، اس لیے باوجود سعی و کوشش ایک جماعت نے نہایت سختی کے ساتھ اصرار کیا کہ قرآن کی دعوت کو رو نہ کرنا چاہیے، اور دھمکی دی کہ اگر قرآن کے درمیان آنے کے بعد بھی جنگ بند نہ ہوگی تو وہ نہ صرف فوج سے کنارہ کش ہو جائے گی بلکہ خود جناب امیر کا مقابلہ کرے گی۔ مصر بن فدک، لید بن خصین، سبئی اور ابن الکواء اس جماعت کے سرگروہ تھے۔ اسی طرح اشعث بن قیس نے عرض کی، امیر المؤمنین میں جس طرح کل آپ کا جان نثار تھا، اسی طرح آج بھی ہوں، لیکن میری رائے بھی یہی ہے کہ قرآن مجید کو حکم مان لینا چاہیے۔ غرض یہ چال ایسی کامیاب ہوئی کہ جناب مرتضیٰ کو مجبوراً اپنی فوج کو بازگشت کا حکم دینا پڑا۔ اشتر نخعی اس وقت نہایت کامیاب جنگ میں مصروف تھے، اس لئے واپسی کا حکم سن کر ان کو بڑا صدمہ ہوا، اور فرد گاہ پر واپس جانے کے بعد ان میں اور مصر بن فدک اور ابن الکواء وغیرہ میں جنھوں نے اتوائے جنگ پر مجبور کیا تھا، نہایت تلخ گفتگو ہوئی اور قریب

تھا کہ باہم کشت و خون کی نوبت پہنچ جائے، لیکن جناب امیر نے درمیان میں پڑ کے معاملہ کو رفت و گذشت کر دیا۔
 اتوائے جنگ کے بعد دونوں فریق میں خط و کتابت شروع ہوئی، اور طرفین کے علماء و فضلاء کا اجتماع ہوا اور بحث و مباحثہ کے بعد قرار پایا کہ خلافت کا مسئلہ دو حکم کے سپرد کر دیا جائے اور وہ جو کچھ فیصلہ کریں اس کو قطعی تصور کیا جائے۔ شامیوں نے اپنی طرف سے عمر بن العاص کا نام پیش کیا اہل عراق کی طرف سے اشعث بن قیس نے ابو موسیٰ اشعری کا نام لیا۔ حضرت علیؑ نے اس سے اختلاف کیا اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے بجائے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تجویز کیا۔ لوگوں نے کہا، عبداللہ بن عباسؓ اور آپ تو ایک ہی ہیں۔ حکم کو غیر جانب دار ہونا چاہیے۔ اس لیے جناب امیرؓ نے دوسرا نام اشتر نخعی کا لیا۔ اشعث بن قیس نے بلا فرقہ ہمو کر کہا۔ جنگ کی آگ اشتر نے ہی بھڑکائی ہے، اور ان کی رائے تھی کہ جب تک آخری نتیجہ نہ ظاہر ہو، ہر فریق دوسرے سے اڑتا رہے، اس وقت تک ہم اسی کی رائے پر عمل کرتے رہیں، ظاہر ہے کہ جسلی لائے یہ ہے اسکا فیصلہ بھی یہی ہوگا۔ حضرت علیؑ نے جب دیکھا کہ لوگ ابو موسیٰ کے علاوہ اور کسی پر رضامند نہیں تو تحمل و بردباری کے ساتھ فرمایا، جس کو چاہو حکم بناؤ مجھے بحث نہیں۔
 حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جنگ سے کنارہ کش ہو کر مکہ شام کے ایک گاؤں میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ لوگوں نے قاصد بھیج کر ان کو بلایا، اور دونوں فریق کے اہل حل و عقد ایک عہد نامہ ترتیب دینے کے لیے مجتمع ہوئے۔ کاتب نے لسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد لکھا ہذا ما قاضی علیہ امیر المؤمنین، امیر معاویہؓ نے اعتراض کیا کہ اگر میں امیر المؤمنین تسلیم کر لیتا تو پھر چھوڑا ہی کیا تھا۔ عمرو بن العاص نے مشورہ دیا کہ صرف نام پر اکتفا کیا جائے۔ لیکن احنف بن قیس اور حضرت علیؑ کے دوسرے جاں نثاروں کو اس لقب کا نحو ہونا نہایت شاق تھا۔ فدائے رسولؐ نے کہا، خدا کی قسم یہ سنت کبریٰ ہے صلح حدیبیہ (ذوقعدہ ۶۲۸ء) میں رسول اللہؐ کے فقرے پر ایسا ہی اعتراض ہوا تھا، اس لیے جس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے دست مبارک سے مٹایا تھا، اس طرح میں بھی اپنے ہاتھ سے مٹاتا ہوں۔ عرض معاہدہ لکھا گیا اور دونوں طرف کے سر پر آورہ آدمیوں نے دستخط کر کے اس کو موثق کیا، معاہدہ کا خلاصہ یہ ہے۔

علیؑ، معاویہؓ اور ان دونوں کے طرفدار باہمی رضامندی کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعریؓ) اور عمر بن العاص قرآن پاک اور سنت نبویؐ کے مطابق جو فیصلہ کریں گے، اس کے تسلیم کرنے میں ان کو پس و پیش نہ ہوگا۔ اس لیے دونوں حکم کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ قرآن

اور سنت نبوی کو نصب العین بنائیں، اور کسی حالت میں اس سے انحراف نہ کریں۔ حکم کی جان اور ان کا مال محفوظ رہے گا، اور ان کے حق فیصلہ کی تمام امت تائید کرے گی، ہاں اگر فیصلہ کتاب اللہ اور سنت نبوی کے خلاف ہوگا تو تسلیم نہیں کیا جائے گا اور فریقین کو اختیار ہوگا پھر از سر نو جنگ کو اپنا حکم بنائیں، خارجی فرقہ کی بنیاد معاہدہ تیرہویں صفر ۳۰ھ چہار شنبہ کے روز ترتیب پایا۔ اشعث بن قیس تمام قبائل کو اس معاہدہ سے مطلع کرنے پر مامور ہوئے، وہ سب کو سنا تے ہوئے جب غزہ کے فرد گاہ پر پہنچے، تو دو آدمیوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ خدا کے سوا اور کسی کو فیصلہ کا حق نہیں، اور غضب ناک ہو کر کہا کہ خدا کے سوا اور کسی کا فیصلہ کا حق نہیں، اور غضب ناک ہو کر شامی فوج پر حملہ کر دیا، اور لشکر مارے گئے، اسی طرح قبیلہ مراد اور نبوراست اور نبوتیم نے بھی اس کو ناپسند کیا۔ نبوتیم کے ایک شخص عروہ بن وہب نے اشعث سے سوال کیا کہ تم لوگ اللہ کے دین میں آدمیوں کا فیصلہ قبول کرتے ہو، اگر ایسا ہے تو بتاؤ کہ ہمارے مقول کہاں جاٹیں؟ اور غضب ناک ہو کر تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ اگر خالی نہ جاتا تو اشعث کا کام ہی تمام ہو جاتا۔ بہت سے آدمیوں نے خود حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس معاہدے کی نسبت اپنی بیزاری ظاہر کی۔ مخزوم بن قیس نے عرض کی، امیر المؤمنین! اس معاہدہ سے رجوع کر لیجئے، واللہ میں ڈرتا ہوں کہ شاید آپ کا انجام برانہ ہو۔ عرض ایک معتدبہ جماعت نے، مکو ناپسند کیا، اور انجام کار اسی ناپسندیدگی نے ایک مستقل فرقہ کی بنیاد قائم کر دی جس کا ذکر آگے آئے گا۔

حکیم کا نتیجہ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہؓ نے دومتہ الجندل کو جو عراق اور شام کے وسط میں تھا، بالاتفاق حکمین کے لئے اجلاس کا مقام منتخب کیا، اور ہر ایک نے اپنے اپنے حکم کے ساتھ چار چار سو آدمیوں کی جمعیت کر دی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو فوج گئی تھی، اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بن خطابؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ بھی ہوا اپنے درع و تقویٰ کے باعث اس خانہ جنگی سے الگ رہے تھے۔ حکیم کی خیر سن کر اس کا آخری فیصلہ معلوم کرنے کے لئے دومتہ الجندل میں آئے، حضرت میمونؓ بن شعبہ نے جو نہایت نکتہ رس اور معاملہ فہم بزرگ تھے پہنچنے کے ساتھ ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمر بن العاصؓ سے بیٹھ کر عینہ گھٹو کر کے ان کی رائے کا اندازہ کیا تو انھیں یقین ہو گیا کہ ان دونوں میں اتحاد رائے ممکن نہیں ہے، چنانچہ انھوں نے اسی وقت علانیہ پیشین گوئی کر اس حکیم کا نتیجہ خوش آئند ہو گا۔

بہر حال دونوں حکم حسب قرار داد گوشہ خلوت میں مجتمع ہوئے۔ عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو اپنا ہم خیال بنانے کے لیے ان کی غیر معمولی تعظیم و توقیر شروع کی۔ تعریف و توصیف کے پل بانہ دینے۔ اصل مسئلہ کے متعلق جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے:-

ابوموسیٰؓ! عمروؓ! تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو، جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونوں میسر آئے۔

عمرو بن العاصؓ۔ وہ کیا ہے؟

ابوموسیٰؓ! عبید اللہ بن عمرؓ نے ان خانہ جنگیوں میں کسی طرح حصہ نہیں لیا ہے۔ ان کو منصب خلافت پر کیوں نہ متمکن کیا جائے۔

عمرو بن العاصؓ۔ معاویہؓ میں کیا خرابی ہے؟

ابوموسیٰؓ۔ معاویہؓ نہ تو اس منصبِ جلیل کے لیے موزوں ہیں، اور نہ ان کو کسی طرح کا استحقاق ہے۔ ہاں اگر تم مجھ سے اتفاق کر دو فاروقِ اعظمؓ کا عہد لوٹ آئے، اور عبداللہؓ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کر دیں۔

عمرو بن العاصؓ۔ میرے لڑکے عبداللہؓ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں پڑتی فضل و منقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں۔

ابوموسیٰؓ۔ بیشک تمہارا لڑکا صاحب فضل و منقبت ہے، لیکن ان خانہ جنگیوں میں شریک کر کے تم نے ان کے دامن کو بھی ایک حد تک داغدار کر دیا ہے، برخلاف اس کے طیب ابن الطیب عبداللہؓ بن عمر کا لباس تقویٰ ہر قسم کے دھبوں سے محفوظ ہے، بس آؤ! ان ہی کو مسند خلافت پر بٹھا دیں۔ عمرو بن العاصؓ! ابوموسیٰؓ! اس منصب کی صلاحیت صرف اس میں ہو سکتی ہے، جس کے بعد اڑھاروں، ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے۔

ابوموسیٰؓ! عمروؓ! تمہارا برابر ہو، کشت و خون کے بند مسلمانوں نے ہمارا دامن پکڑا ہے اب ہم ان کو پھر فتنہ و فساد میں مبتلا نہیں کریں گے۔

عمرو بن العاصؓ۔ پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوموسیٰؓ! ہمارا خیال ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیں، اور مسلمانوں کی مجلس

شوریٰ کو پھر سے اختیار دیں کہ جس کو چاہے منتخب کرے۔
عمر بن العاصؓ مجھے بھی اس سے اتفاق ہے۔

مذکورہ بالا قرار داد کے بعد جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو عبداللہ بن عباسؓ نے ابو موسیٰ کے پاس جا کر کہا: خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ عمر نے آپ کو دھوکا دیا ہو گا، اگر کسی راتے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا۔ وہ نہایت غدار ہے۔ کیا عجب ہے کہ آپ کے بیان کی مخالفت کر بیٹھے۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ ہم لوگ ایسی راتے پر متحد ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں، غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا، حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت بن العاصؓ سے فرمایا کہ وہ منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنائیں۔ انھوں نے عرض کی: میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا، آپ فضل و منقبت میں، سن و سال میں، غرض ہر حیثیت سے ہم سے افضل اور ہمارے بزرگ ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ پر عمر بن العاصؓ کا جاوہ چل گیا، چنانچہ آپ بغیر پس و پیش کے کھڑے ہو گئے اور حمد و ثناء کے بعد کہا: صاحبو! ہم نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا، اور پھر تھے سرے سے مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا۔ وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے۔ ابو موسیٰ اپنا فیصلہ سنا کر منبر پر سے اترا آئے، تو عمر بن العاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا: صاحبو! علیؓ کو جیسا کہ ابو موسیٰ نے معزول کیا میں بھی معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہؓ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں، کیونکہ وہ امیر المؤمنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بہت نیک دل اور سادہ دل بزرگ تھے، اس خلاف بیانی سے شدید گئے۔ چلا کر کہنے لگے، یہ کیا غداری ہے، یہ کیسا ایمانی ہے۔ سچ یہ ہے کہ تمہاری سماعت بالکل اس کتے کی طرح ہے جس پر لاؤ جب بھی پانتا ہے اور چھوڑ دو تو بھی پانتا ہے۔ انہما مثلک کمثل الکلب ان تحمسل علیہ یلھث او تترکہ یلھث۔ عمر بن العاصؓ نے کہا اور آپ پر چار پائے بروکتا بے چند کی مثل صادق آتی ہے۔ مثلک کمثل المحماس یحمل اسفارا۔ عمر بن العاصؓ کے بیان سے مجمع میں سخت برہمی پیدا ہوئی۔ شریح بن ہانی نے عمر و ابن العاصؓ کو کوڑے سے ملانا شروع کیا۔ اس طرف سے ان کے ایک لڑکے نے شریح پر حملہ کر دیا، لیکن بات بڑھنے نہ پائی اور لوگوں نے بیچ بچاؤ کر کے رفت گزشت کر دیا حضرت ابو موسیٰ کو اس قدر ندامت ہوئی کہ اسی

وقت نگر روانہ ہو گئے اور تمام عمر گوشہ نشین رہے۔

تواریخ کی سرکشی | پہلے گزر چکا ہے کہ حکیم کو حضرت علیؑ کے اعوان و انصار میں سے ایک معتدبہ

جماعت نے ناپسند کیا تھا۔ چنانچہ جب آپ صنفین سے کوثر واپس تشریف لائے تو اس نے اپنی

ناپسندیدگی کا ثبوت اس طرح دیا کہ تقریباً ۱۲ ہزار آدمیوں نے لشکرِ حیدری سے کنارہ کش ہو کر

حرراء میں اقامت اختیار کی۔ حضرت علیؑ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو سمجھانے کے لیے بھیجا

انہیں ناکامی ہوئی تو خود تشریف لے گئے، اور مناظرہ و مباحثہ کے بعد راضی کر کے سب کو کوثر لے

آئے۔ یہاں یہ افواہ پھیل گئی کہ جناب امیرؑ نے ان کی خاطر داری کے لیے حکیم کو کفر تسلیم کر کے اس

سے توبہ کی ہے۔ حضرت علیؑ کے کان میں اس کی بھنک پہنچی تو آپ نے خطبہ دے کر اس کی تکذیب کی، اور

اب جانتے ہیں کہ عہد شکنی کر کے قبل از فیصلہ پھر جنگ شروع کر دوں۔ خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا،

حاضرین میں اس جماعت کے لوگ بھی موجود تھے۔ وہ سب ایک ساتھ چلتا اٹھے لا حکم الا للہ

یعنی فیصلہ کا حق صرف اللہ کو ہے، اور ایک شخص نے سامنے آ کر نہایت بلند آہنگی سے کہا،

دَلَقْنَا رِجْحَ الْيَلْبُوتِ وَالْحَبِيبِ
مَنْ قَبْلَكَ لَيْتُ أَشْرَكَتُ لِيُحِبُّنِي
عَمَلِكَ وَتَلَكُونَتْ مِنَ الْخَاسِرِينَ
(نمرہ ۷)

اے محمدؐ اوتھنا سے قبل انبیاء پر یہ وحی بھی گئی
کہ اگر تم نے خدا کی ذات میں دوسرے کو شریک
بنایا تو تمہارے سب اعمال بیکار ہو جائیں گے
اور تم خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گے۔

حضرت علیؑ نے پر حسبہ جواب دیا

فَأُصْبِرُ أَنْ وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا وَلَا
يُخَيِّفُنَاكَ الَّذِينَ لَا يَلُوكُ قِنُونُكَ

ترصبر کہ خدا کا وعدہ حق ہے، اور جو
لوگ یقین نہیں رکھتے، وہ تیرا استخفاف

نہ کریں۔ (روم ۴)

غرض رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک مستقل فرقہ کی صورت اختیار کر لی، وومۃ الجندل کی تنحکیم

کا افسوس ناک نتیجہ نک میں شائع ہوا، تو اس فرقہ نے جناب مرتضیٰؑ کی بیعت توڑ کر عبداللہ بن

وہب الراسی کے ہاتھ پر بیعت کی، اور کوثر، بصرہ، انبار اور مدائن وغیرہ میں جس قدر اس فرقہ

کے لوگ موجود تھے، وہ سب نہروان میں جمع ہوئے اور عام طور پر قتل و غارت گری کا بازار گرم کرنا

خارجیوں کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں سرے سے حکم مقرر کرنا کفر ہے، پھر ان دونوں حکم نے جس طریقہ پر اس کا فیصلہ کیا اس کے لحاظ سے خود وہ دونوں اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہیں، اور اس عقیدے سے جس کو اتفاق نہ ہو اس کا خون مباح ہے۔ چنانچہ انھوں نے عبداللہ بن خیباب اور ان کی اہلیہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔ اسی طرح ام سنان اور صلوسہ کو مشق ستم بنایا، اور جو انھیں ما اس کو یا تو اپنا ہم خیال بنا کر چھوڑا یا تو اس کے گھاٹ اتار دیا حضرت علیؑ کو ان جگہ خراش واقعات کی اطلاع ہوئی تو حادث بن مرہ کو دریافت حال کے لیے بھیجا جنہوں نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔

جناب مرتضیٰ اس وقت نئے سرے سے شام پر فوج کشی کی تیاری فرما رہے تھے، لیکن جب خارجیوں کی سرکشی اور قتل و غارت اس حد تک پہنچ گئی، تو اس ارادہ کو ملتوی کر کے ان خارجیوں کی تہنید کے لیے نہردان کا قصد کرنا پڑا۔

معرکہ نہروان | نہروان پہنچ کر حضرت ابوالیوب انصاریؓ اور قیس بن سعد بن عبادہ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ وہ بحث و مباحثہ کر کے ان کو ان کی غلطی پر متنبہ کریں۔ جب ان دونوں کو ناکامی ہوئی تو خارجیوں کے ایک سردار بن الکو ابلو کو خود ہر طرح سمجھایا، لیکن ان کے قلوب تاریک ہو چکے تھے اس لیے ارشاد و ہدایت کے تمام مسامحہ ناکام رہے، اور جناب امیر نے مجبور ہو کر فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ مہینہ پر بحر بن عدی، میسرہ پر شلیث بن ربیع، پیادہ پر حضرت ابوقتاڈہ انصاری اور سواروں پر حضرت ابوالیوب انصاریؓ کو متعین کر کے باقاعدہ صف آرائی کی۔

خارجیوں میں ایک بگڑتی تھی جس کو حیدر گڑ سے جنگ آزما ہونے میں پس و پیش تھا اس لیے جب لڑائی شروع ہوئی تو تقریباً ۵ سو آدمیوں نے الگ ہو کر بند بختین کی رادلی۔ ایک بڑا گروہ کو نہ چلا گیا، اور ایک ہزار آدمیوں نے توبہ کر کے علم حیدری کے نیچے پناہ لی۔ اور عبداللہ بن واہب الراسی کے ساتھ صرف چار ہزار خارجی باقی رہ گئے۔ لیکن یہ سب فتنب اور جانباز تھے، اس لیے انھوں نے سینہ اور مسیرہ پر اس زور کا حملہ کر دیا کہ اگر جہاں تھار ان علیؑ میں غیر معمولی ثبات و استقلال نہ ہوتا، تو ان کا روگنا سخت مشکل تھا۔ خارجیوں کی حالت یہ تھی کہ ان کے اعضاء کٹ کٹ کر جسم سے علیحدہ ہو جاتے تھے، لیکن ان کی حملہ آوری میں فرق نہیں آتا تھا۔ شریح بن ابی ادنیٰ کا

ایک پاؤں کٹ گیا، تو تنہا ایک ہی پاؤں پر کھڑا ہو کر لڑتا رہا۔ اسی طرح سے خارجی ایک ایک کر کے کٹ کر مر گئے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خارجی مقتولین میں اس شخص کو تلاش کرنا شروع کیا جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی چنانچہ تمام علامات کیساتھ ایک لاش برآمد ہوئی، تو فرمایا: اللہ اکبر! خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر صحیح ارشاد فرمایا تھا۔ جنگ نہروان سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؑ نے شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا لیکن بن قیس نے کہا: امیر المؤمنین! ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں، تلواروں کی دھاریں مڑ گئی ہیں، نیبروں کے پھل خراب ہو گئے ہیں، اس لیے ہم کو دشمن پر فوج کشی کرنے سے پہلے اسباب و سامان درست کر لینا چاہیے: جناب امیر نے اشعث کی رائے کے مطابق نخیلہ میں پڑاؤ کر کے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا لیکن لوگ تیار ہونے کے بجائے آہستہ آہستہ دس دس بیس بیس کو ذہ کھینکنے لگے۔ یہاں تک کہ آخر میں کل ایک ہزار کی جمیت ساتھ رہ گئی۔ حضرت علیؑ نے یہ رنگ دیکھا تو سروسٹ شام پر فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا۔

اور کوفہ واپس جا کر اقامت اختیار کی۔ www.KitaboSunnat.com

مصر کے لئے کشمکش | پہلے گزر چکا ہے کہ جناب مرتضیٰؑ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ ہمدرد عثمانی کے تمام عمال کو معزول کر کے نئے عمال مقرر کیے تھے چنانچہ مصر کی ولایت حضرت قیس بن سعد انصاری کے سپرد ہوئی تھی، انھوں نے حکمت علی سے تقریباً تمام اہل مصر کو جناب امیر کی خلافت پر راضی کر کے ان سے آپ کی بیعت لی۔ صرف قصبہ خربتہ کے لوگوں کو تامل ہوا اور انھوں نے کہا کہ جب تک معاملات یکسو نہ ہو جائیں، اس وقت تک ان سے بیعت کے لیے اصرار نہ کیا جائے، القبتہ والنہی مصر کی اطاعت فرمانبرداری میں کوتاہی نہ کریں گے، اور نہ مکہ کے امن و سکون کو صدمہ پہنچائیں گے۔ قیس بن سعد نہایت بختہ کار اور صاحب تدبیر تھے، انھوں نے اس بھڑکے چھتے کو چھڑنا خلافت مصلحت سمجھا اور اور انھیں امن و سکون کی زندگی بسر کرنے کی اجازت دیدی اس رواداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل خربتہ با مطیع و فرمانبردار ہو گئے اور خراج وغیرہ ادا کرنے میں انھوں نے کبھی کوئی جھگڑا نہیں کیا۔ جنگ صفین کی تیاریاں شروع ہوئیں تو امیر معاویہؓ کو خوف ہوا کہ اگر دوسری طرف سے قیس بن سعد اہل مصر کو شام پر چڑھانے کی قیادت کا سامنا ہوگا۔ اس لئے انھوں نے قیس بن سعد کو خط لکھ کر اپنا طوقدار بنانا چاہا۔ قیس بن سعد نے دنیا سازی کے طور پر نہایت گول

جواب دیکر ٹال دیا۔ امیر معاویہ فوراً اس کو مار گئے اور ان کو لکھا کہ تم مجھے دھوکا دینا چاہتے ہو مجھ جیسا شخص کبھی تمہارے دام فریب کا شکار نہیں ہو سکتا۔ افسوس تم اس کو فریب دیتے ہو جس کا ادنیٰ سا اشارہ مصر کو یا مال کر سکتا ہے۔ قیس بن سعد نے اس تحریر کا جواب نہایت سخت دیا اور لکھا کہ تمہاری دھمکی سے نہیں ڈرتا۔ خدانے چاہا تو خود تمہاری اپنی جان کے لئے پڑ جائیں گے۔

حضرت قیس بن سعد نہایت بلند پایہ اور ذی اثر بزرگ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکثر غزوات میں انصاف کے علم بردار تھے۔ امیر معاویہ نے حبیب کجا کر ان کے مقابلہ میں کچھ پیش نہ جانے کی تو انہوں نے ان کے مصر سے ہٹانے کی یہ تدبیر کی کہ ان کے متعلق مشہور کر دیا کہ قیس بن سعد میرے طرفدار ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ افواہ دربار خلافت پہنچی محمد بن ابی بکر وغیرہ نے اس کو اور بھی بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور اہل خرتیبا کو بیعت نہ کرنے کا واقعہ ثبوت میں پیش کیا۔

جناب امیر نے اسی افواہ سے متاثر ہو کر قیس بن سعد کو خرتیبا و اول سے بیعت کے لئے رٹنے کے لئے حکم دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ خرتیبا تقریباً دس ہزار نفوس کی آبادی ہے اس میں لبرین ارطاة، مسلم بن مخلد اور معاویہ بن خدیج جیسے جنگ آزمادہ بہادر موجود ہیں۔ ان سے لڑائی خریدنا مصلحت نہیں لیکن جب دربار خلافت سے مکر اور راز ہوگا تو انہوں نے استفادہ دیدیا قیس کو محمد بن ابی بکر و ابی عمر نے مصر مقرر نہیں کیا۔ یہ کس ناتجربہ کا تھے، ان کے طرز عمل نے مصر میں شور و بھڑک مچا کر آگ بھڑکادی اور انہوں نے خرتیبا و اول سے پھیر کر کے ان کو آمادہ بیفاشی کر دیا حضرت علی گو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے معرکہ صفین کے بعد اشرع نخعی کو مصر روانہ کیا، کہ وہ محمد بن ابی بکر کو سبکدوش کر کے ملک کے حالات درست کریں، لیکن امیر معاویہ نے راستہ میں زہر دلا کر اشرع نخعی کا کام تمام کر دیا اور عمرو بن العاص کے ماتحت ایک زبردست ہم مصر روانہ کی محمد بن ابی بکر کے لئے اس فوج کا مقابلہ نہایت دشوار تھا، تاہم دونوں کی جمیعت فرسہم کرا کے وہ اس جاناہادی سے رٹے اور عمرو بن العاص کو معاویہ بن خدیج رئیس خرتیبا کی مدد طلب کرتی پٹری، لیکن اس دوران میں امیر معاویہ نے ایک پٹری جمیعت کے ساتھ آ کر پیچھے سے گھیر لیا، اور محمد بن ابی بکر کے ساتھ مار گئے یا جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ محمد بن ابی بکر نے بھی ایک دیر ان کھڑکڑ میں پناہ لی، لیکن عمرو بن العاص کے جاسوسوں نے ڈھونڈ نکالا اور معاویہ بن خدیج نے نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کر کے

لاش کو ایک مردہ گدھے کے پیٹ میں ڈال کر جلا دیا۔ اس افسوس ناک طریقہ پر شیعہ میں مہر کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا، اور حضرت علیؑ اپنی مجبوریوں کے باعث محمد بن ابی بکرؓ کی کوئی مدد نہ کر سکے۔

اسی سال یعنی ۳۵ھ میں امیر معاویہؓ نے اہل بصرہ کو جناب مرتضیٰؑ کی اطاعت سے برگشتہ کر کے اپنی حکومت کا طرہ قرار بنانے کے لیے عبداللہ بن حضرمی کو بصرہ بھیجا۔ عبداللہ کو اس مہم میں بڑی کامیابی ہوئی۔ قبیلہ بنو تمیم اور تقریباً تمام اہل بصرہ نے اس دعوت کو لبیک کہا، اور حضرت علیؑ کے مائل زیاد کو بصرہ چھوڑ کر حمدان میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ بارگاہِ خلافت کو اس کی اطلاع ہوئی تو حضرت علیؑ نے امین بن ضبیعہ کو ابن حضرمی کی ریشہ دوانیوں کے انسداد پر مامور کیا، لیکن قبل اس کے کہ انھیں کامیابی ہو، امیر معاویہؓ کے ہوا خواہوں نے ناگہانی طور پر قتل کر دیا۔

امین بن ضبیعہ کے بعد جناب امیرؓ نے جبار بن قدامہ کو ابن حضرمی کی سرکوبی پر مامور کیا، انھوں نے نہایت حکمت عملی کے ساتھ بصرہ پہنچ کر ابن حضرمی اور اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا اور ان کی پناہ گاہ کو تدارک نش کر کے خاک سیاہ کر دیا، اور اہل بصرہ نے دوبارہ اطاعت قبول کر لی، امیر المؤمنینؑ کے ترجمہ نے عفو عام کا اعلان کیا۔ **بناؤ تلوں کا استیصال** | جنگ نہروان میں گویا خارجیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا، تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں ملک میں موجود تھیں، اور اپنی ریشہ دوانیوں سے روز ایک نہ ایک فتنہ برپا کرتی رہتی تھیں، چنانچہ ایک خارجی حریت بن راشد کا صورت یہ کام تھا کہ وہ مجوسیوں، مرتدوں اور نو مسلموں کو اپنے دام تزدیر میں پھنسا کر ملک میں اس طرف لوٹ مار کرتا پھرتا تھا، اور ہر جگہ ذمیوں کا بھڑکا کر لغبات کو لادیتا تھا، حضرت علیؑ نے زیاد بن حصہ اور ایک روایت کے مطابق مفضل بن قیس کو اس کی سرکوبی پر مامور کیا۔ انھوں نے مسلسل تعاقب کے بعد رامہ مرنزی کی پٹاریوں میں مقابلہ کر کے اس سے اور اس کی جماعت سے ملک کو پاک و صاف کر دیا اور باغی ذمیوں سے پھر اطاعت کا عہد لیکر ان کیساتھ نہایت لطف و ترحم کا سلوک کیا۔ مرتدوں کیساتھ بھی ان کے قبول اسلام کے بعد بہت اچھا برتاؤ کیا جس کا اثر ان پر بہت اچھا پڑا، چنانچہ مفضل بن قیس جب رامہ مرنزی سے روانہ ہوئے تو ان لوگوں نے دھڑ تک مشایعت کی، ایرانی مردوں اور عورتوں نے خدا حافظ کہا اور ان کی جدائی پر بے اختیار لاکھوں سے آنسو نکل آئے۔

امیر معاویہؓ کا چار حارہ طریق عمل | جنگ صفین کے اتواء اور منہ حکیم نے ایک طرف تو حضرت علیؑ کی جماعت میں تفریق و اختلاف ڈال کر خارجیوں کو پیدا کر دیا اور دوسری طرف اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوا کہ آپ کے

مخصوص ہمدوموں اور جہاں شاموں کے عزم و ارادے پست ہو گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جنگ سے پہلوتی کرنے لگے جناب امیر معاویہؓ نے بارہا شام پر چڑھائی کا قصد کیا، پرجوش خطیبوں سے اپنے ساتھیوں کو حمایت حق کی دعوت دی، اور طعن آمیز جملوں سے ان کی رگ غیرت کو جوش میں لانے کی کوشش کی، لیکن شیعیان علی کے دل ایسے پشیمردہ ہو گئے تھے، اور ان کی ہمتیں ایسی پست ہو چکی تھیں کہ پھر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے، اس سلسلے کے جو خطبے حضرت علیؓ کی طرف منسوب اور نہج البلاغہ میں موجود ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے حضرت علیؓ کو اپنے نظمداروں اور حامیوں کی مسرد مہری کا کتنا صدمہ تھا، امیر معاویہؓ اس حقیقت حال سے ناواقف نہ تھے انھوں نے شیعیان علیؓ کی پست ہمتی سے فائدہ اٹھا کر مداخلت کے بجائے اب جارحانہ قدم اٹھایا، اور ۳۰ سالہ میں فوج کے چھوٹے چھوٹے دستہ حجاز، عراق اور جزیرہ میں پھیلا دیئے کہ وہ بدامنی پھیلا کر جناب مرتضیٰ کی پریشانیوں میں اضافہ کریں۔ چنانچہ نعمان بن بشر نے دو ہزار کی جمعیت سے عین التمر پر سفیان ابن عوف نے چھ ہزار کی فوج سے انبار اور مدائن وغیرہ پر عبد اللہ بن مسعود فزاری نے ایک ہزار سات سو آدمیوں سے تیمارہ، ضحاک بن ثیس نے واقعہ کے نشیبی حصہ پر، اور خود امیر معاویہؓ نے جبلہ کے ساحلی علاقوں پر حملہ کر کے بیت المال لوٹ لیا، اور شیعیان علیؓ کو تہ تیغ کر کے لوگوں کو اپنی حکومت کے سامنے گردن اٹھانے پر مجبور کر دیا۔

کرمان و فارس کی بغاوتوں کو فرو کرنا حیدر کرڑ کی ہمت مردانہ نے گو بہت جلد امیر معاویہؓ کے حملہ اور دستوں کو ممالک مقبوضہ سے نکال دیا، تاہم اس سے ایک عام بدامنی اور بے رحمی پیدا ہو گئی، کرمان و فارس کے عجمیوں نے بغاوتوں کر کے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ اکثر صوبوں نے اپنے یہاں کے علوی نکال دیئے، اور ذمیوں نے خود سری اختیار کر لی۔ حضرت علیؓ نے اس عام بغاوت کے فرو کرنے کے متعلق مشورہ طلب کیا، لوگوں نے عرض کی: زیادہ بن ابیہ سے زیادہ اس کام کے لیے کوئی شخص موزوں نہیں ہو سکتا۔ اس لیے زیادہ اس مہم پر مامور ہوئے۔ انھوں نے بہت جلد کرمان، فارس اور قہم ایران میں بغاوت کی آگ فرو کر کے امن و سکون پیدا کر دیا۔

بغاوت فرو ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے ایرانی باغیوں کے ساتھ اس لطف و مدارت کا سلوک کیا کہ ایران کا بچہ بچہ منت پذیر سری کے جذبات سے بے نیاز ہو گیا۔ ایرانیوں کا خیال تھا کہ... امیر المؤمنین علیؓ بن ابی طالب کے طریق جہاں بانی نے نوشیروانی طرز حکومت کی یاد بھلا دی۔

فتوحات گزشتہ حالات سے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرت علی مرتضیٰ کو اندرونی شورشوں اور خانگی جھگڑوں کے دبانے سے اتنی فرصت نہ مل سکی کہ وہ اسلام کے فتوحات کے دائرہ کو بڑھا سکتے، تاہم آپ بیرونی امور سے غافل نہ رہے۔ چنانچہ سیستان اور کابل کی سمت میں بعض عرب خود مختار ہو گئے تھے، ان کو قابو میں کر کے آگے قدم بڑھایا۔ اور شہرہ میں بعض مسلمانوں کو بحری راستے سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اجازت دی۔ اس وقت کو کنجی کا علاقہ سندھ میں شامل تھا۔ مسلمان رضا کار سپاہیوں نے سب سے پہلے اسی بہرہ میں کوکن پر حملہ کیا۔

حجاز اور عرب کے قبضہ کے لیے کشمکش | امیر معاویہ نے شہر میں پھراڑ سر نو چھیر مچھاڑ شرع کی، اور بسرن ارطاة کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حجاز روانہ کیا۔ اس نے بغیر کسی مزاحمت اور جنگ کے مکہ و مدینہ پر قبضہ کر کے یہاں کے باشندوں سے زبردستی امیر معاویہ کے لیے بیعت لی، پھر وہاں سے یمن کی طرف بڑھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے پہلے سے پوشیدہ طور پر یمن کے عامل عبید اللہ بن عباس کو امیر بن ابی ارطاة کے حملہ کی اطلاع کر دی، اور یہ بھی لکھ دیا کہ جو لوگ معاویہ کی حکومت تسلیم کرنے میں بیت واصل کرتے ہیں وہ ان کو نہایت بے دردی سے تہ تیغ کر دیتا ہے۔ عبید اللہ بن عباس نے اپنے کو اس کے مقابلہ سے عاجز دیکھ کر عبد اللہ بن عبد اللہ کو اپنا قائم مقام بنایا، اور خود دربارِ خلافت سے مدد طلب کرنے کے لیے کوفہ کی راہ لی۔ بسرن ابی ارطاة نے یمن پہنچ کر نہایت بے دردی کے ساتھ عبید اللہ بن عباس کے دو صحیر السن پچوں اور شیعینان علی کی ایک بڑی جماعت کو قتل کر دیا۔

دوسری طرف شامی سواروں نے سرحد عراق پر تڑکناز شرع کر دی، اور یہاں کی محافظ سپاہ کو شکست دے کر انبار پر قبضہ کر لیا۔ حضرت علی کو بسرن ابی ارطاة کے مظالم کا حال معلوم ہوا، تو آپ نے چار یہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے یمن و حجاز کی ہم پر مامور کیا۔ اور کوفہ کی جامع مسجد میں پر جوش خیلے دے کر لوگوں کو حد و حرات سے شامی فوج نکال دینے پر ابھارا، اور یہ تقریریں ایسی موثر تھیں کہ اہل کوفہ کے سرزدہ قلوب میں بھی فوری طور پر روج پیدا ہو گئی، اور ہر گوشہ سے صدائے لبیک بلند ہوئی لیکن جب کوچ کا وقت آیا، تو صرف تین سو آدمی رہ گئے۔ جناب مرتضیٰ کو اہل کوفہ کی اس بے بسی پر نہایت صدمہ ہوا، پھر بن عدی اور

۱۔ فتح البلدان بلاذی، باب سیستان و کابل۔

سید بن قیس ہمدانی نے عرض کی، امیر المؤمنین! بغیر تشدد کے لوگ راہ پر نہ آئیں گے۔ عام منادی کوادیئے کہ بلا استناد ہر شخص کو میدان جنگ کی طرف چلنا پڑے گا، اور جو اس میں تساہل یا اعراض سے کام لے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ اب صورت حال ایسی تھی کہ اس مشورہ پر عمل کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ اس لیے حضرت علیؑ نے اس کا اعلان عام کر دیا، اور معقل بن قیس کو رسامق بھیجا کہ وہاں سے جس قدر سپاہی بھی مل سکیں جمع کر کے لے آئیں، لیکن یہ تیاریاں ابھی حد تکمیل کو نہیں پہنچی تھیں کہ ابن بلجم کی زہر آلود تلوار نے جام شہادت پلا دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِہٖ رٰجِعُوْنَ۔

اس جاگہ از واقعا اور اندرونی ہنگامہ سازگی کی تفصیل یہ ہے کہ واقعہ نہردان کے بعد چیتند خاریوں نے حج کے موقع پر مجتمع ہو کر مسائل حاضرہ پر گفتگو شروع کر دی، اور بحث و مباحثہ کے بعد بلا اتفاق یہ رائے پائی کہ جب تک تین آدمی علیؑ، معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ صفحہ ہستی پر موجود ہیں دنیا سے اسلام کو خاندن جنگیوں سے نجات نصیب نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ تین آدمی ان تینوں کے قتل کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ عبد الرحمن بن بلجم نے کہا کہ میں علیؑ کے قتل کا ذمہ لیتا ہوں، اسی طرح نزال نے معاویہؓ اور عبد اللہ نے عمرو بن العاصؓ کے قتل کا بیڑا اٹھایا، اور تینوں اپنی اپنی ہم پر روانہ ہو گئے۔ کوفہ پہنچ کر ابن بلجم کے ارادہ کو قطام نامی ایک خوبصورت خارجی عورت نے اور زیادہ مستحکم کر دیا۔ اس نے ہم میں کامیاب ہونے کے بعد اس سے شادی کا وعدہ کیا اور جناب مرتضیٰ کے خون کو مہر قرار دیا۔

عرض رمضان ششمہ میں تینوں نے ایک ہی روز صبح کے وقت تینوں بزرگوں پر حملہ کیا۔ امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ اتفاقاً طور پر بچ گئے۔ امیر معاویہؓ سپرد دار اور اچھا پڑا، عمرو بن العاصؓ اس دن خود نامت کے لیے نہیں آئے تھے، ایک اور شخص ان کا قائم مقام ہوا تھا، وہ عمرو بن العاصؓ کے دھوکے میں مارا گیا، جناب مرتضیٰ کا پیمانہ حیات بے زہر ہو چکا تھا، آپ مسجد میں تشریف لائے اور ابن بلجم کو جو مسجد میں آکر سو رہا تھا، جگایا، جب آپ نے نماز شروع کی، اور سر کبوتر میں اور دل راز و نیاز الہی میں مصروف تھا کہ اس حالت میں شعیب بن بلجم نے تلوار کا نہایت کاری وار کید سر پر زخم کیا، اور ابن بلجم کو لوگوں نے گرفتار کر لیا۔ حضرت علیؑ اتنے سخت زخمی

ہوئے تھے کہ زندگی کی کوئی امید نہ تھی۔ اس لیے حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو بلا کر نہایت مفید نصائح کیے، اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ لطف و مدارات کی تاکید کی۔ جناب بن عبد اللہ نے عرض کی، امیر المؤمنین! آپ کے بعد ہم لوگ امام حسنؑ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ فرمایا، اس کے متعلق میں کچھ کہنا نہیں چاہتا، تم لوگ خود اس کو طے کرو۔ اس کے بعد مختلف وصیتیں کیں، قاتل کے متعلق فرمایا، کہ معمولی طور پر قصاص لینا لہ۔

تلوار زہر میں بھی بوٹی تھی، اس لیے نہایت تیزی کے ساتھ اس کا اثر تمام جسم میں سرایت کر گیا، اور اسی روز یعنی ۲۰ رمضان ۶۰ھ جمعہ کی رات کو یہ فضل و کمال اور رشد و ہدایت کا آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ حضرت امام حسنؑ نے خود اپنے ہاتھ سے تجہیز و تکفین کی، نماز جنازہ میں چار تکبیروں کے بجائے پانچ تکبیریں کہیں، اور عزری نام کوفہ کے ایک قبرستان میں سپرد خاک کیا۔

کارنامے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا پورا زمانہ خانہ جنگی اور شورش کی نذر ہوا، اور اس پنج سالہ مدت میں آپ کو ایک لمحہ بھی سکون و اطمینان کا نصیب نہ ہوا، اس لیے آپ کے زمانہ میں فتوحات کا سلسلہ یکسر بند ہو گیا، ملی انتظام کی طرف بھی توجہ کرنے کی فرصت ان کو نہ مل سکی، لیکن ان گونا گوں مشکلات کے باوجود جناب مرتضیٰ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے مملو ہے، لیکن ان کارناموں پر نظر پڑنے سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ خلافت مرتضوی میں اس قدر افتراق اختلاف اور شر و فساد کے اسباب کیا تھے؟ حضرت علیؑ نے کس تھل، استقلال اور سلامت روی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔

خلافت مرتضوی پر ایک نظر حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جناب مرتضیٰؑ نے جس وقت مت خلافت پر قدم رکھا ہے، اس وقت نہ صرف دارالخلافہ بلکہ تمام دنیا اسلام پر آشوب تھی، حضرت عثمانؓ کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس نے مسلمانوں کے جذبہ غیظ و غضب کو مشتعل کر دیا، یہاں تک کہ جو لوگ آپ کے طرز حکومت کو ناپسند کرتے تھے، انھوں نے بھی مفسدین کی اس جسارت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا، چنانچہ حضرت زبیرؓ، طلحہؓ اور خود ام المومنین حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کی حکومت سے شاکہ ہونے کے باوجود قصاص کا علم بلند کیا۔

دوسری طرف شام میں نبوا میر امیر معاویہؓ کے زیر سیادت خلافت راشدہ کو اپنی سلطنت میں تبدیل کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے، ان کے لیے اس سے زیادہ بہتر موقع کیا ہو سکتا تھا چنانچہ امیر معاویہؓ نے نبیر کسی تامل کے ہر ملکن ذریعہ سے تمام شام میں خلیفہ ثالث کے انتقام کا جوش پیدا کر کے حضرت علیؑ کے خلاف ایک عظیم الشان قوت پیدا کر لی اور حسب ذیل وجہ کو آڑ بنا کر میدان میں اترے۔

(۱) حضرت علیؑ نے مفسدین کے مقابلہ میں حضرت عثمانؓ کو مدد نہیں دی۔

(۲) اپنی خلافت میں قاتلین عثمانؓ سے قصاص نہیں لیا۔

(۳) ہمارہ کرنے والوں کو قوت بازو بنایا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔

یہ وجہ تمام جگیوں کی بناء قرار پائے، اس لیے غور کرنا چاہیے کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے، اور جناب مرتضیٰؑ کس حد تک اس میں معذور تھے، پہلا سبب یعنی مفسدین کے

مقابلہ میں مدد نہ دینے کا الزام صرف حضرت علیؑ پر نہیں، بلکہ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ و قاصؓ اور تمام اہل مدینہ پر عائد ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو یہ منظور ہی نہ تھا کہ ان کے عہد میں خانہ جنگی کی ابتداء ہو، چنانچہ انصار کرام، بنو امیہ اور دوسرے وابستگانِ خلافت نے جب اپنے کو جان نثاری کے لیے پیش کیا تو حضرت عثمانؓ نے نہایت سختی کے ساتھ کشتِ خون سے منع کر دیا۔

جناب مرتضیٰؑ نے اس باب میں جو کچھ کیا، ان کے لیے اس سے زیادہ ممکن نہ تھا چنانچہ پہلے مرتبہ آپ ہی نے مفسدین کو راضی کر کے واپس کیا تھا، لیکن جب دوسری مرتبہ وہ پھر لوٹے تو مردان کی غداری نے ان کی آتشِ نینت و غضب کو اس قدر بھڑکا دیا تھا کہ کسی قسم کی سفارش کا کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔ ام المؤمنین ام جیبہؓ نے محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمانؓ کے پاس کھانے پینے کا کچھ سامان پہنچانا چاہا تو مفسدین نے ان کا بھی پاس و لحاظ نہ کیا، اور گستاخانہ مزاحمت کی۔ اسی طرح حضرت علیؑ نے سفارش کی کتاب و دان کی بندش نہ کی جائے، تو ان شوریدہ سردوں نے نہایت سختی سے انکار کر دیا، جناب امیرؓ کو اس کا اس قدر صدمہ ہوا کہ ہمامہ بھینک کر اسی وقت واپس چلے آئے۔ اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے عزالت نشین ہو گئے، پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اگر حضرت عثمانؓ محصور تھے، تو دوسرے بڑے بڑے صحابہؓ بھی آزاد نہ تھے اور مفسدین نے ان لوگوں کی نقل و حرکت پر نہایت سخت نگرانی قائم کر دی تھی، چنانچہ ایک دفعہ حضرت امام حسنؓ نے اپنے پدر گرامی سے عرض کی کہ اگر آپ میری گزارش پر عمل کر کے محاصرہ کے وقت مدینہ چھوڑ دیتے تو مطالبہٴ قصاص کا جھگڑا آپ کے سر نہ پڑتا۔ اس وقت جناب امیرؓ نے ہی جواب دیا تھا کہ تمہیں کیا معلوم کہ میں اس وقت آزاد تھا یا مقید نہ۔

البتہ قاتلوں کو سزا نہ دینے کا الزام ایک حد تک لائقِ بحث ہے اصل یہ ہے کہ اگر قاتل سے مراد وہ مخصوص اشخاص ہیں جنہوں نے براہِ راست قتل میں حصہ لیا، تو بے شک انہیں کیفر کر دار تک پہنچانا حضرت علیؑ کا فرض تھا، لیکن جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، بوری تفتیش و تحقیقات کے باوجود ان کا سراغ نہ ملا، اگر قاتل کا لفظ تمام محاصرہ کرنے والوں پر مشتعل ہے جیسا کہ امیر سعادتؓ وغیرہ کے مطالبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک شخص کے قصاص میں ہزاروں آدمیوں کا خون نہیں

بہایا جاسکتا تھا۔ اور نہ شریعت اس کی اجازت دیتی تھی۔ اس بڑی جماعت میں بعض صحابہ کرام اور بہت سے صحابہ روزگار بھی شامل تھے۔ جنکا مطرح نظر صرف طلب اصلاح تھا۔ ان لوگوں کو قتل کر دینا امیر معاویہؓ کے منجر انتقام کے بیچے دے دینا صریحاً ظلم تھا۔

اس رسم یعنی محاصرہ کرنے والوں کو قوت بازو بنانے اور ان کو بڑے بڑے عہدے دینے کا الزام ایک حد تک صحیح ہے، لیکن حضرت علیؓ اس میں مجبور تھے۔ اس وقت دینائے اسلام میں تین فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ شیعہ عثمانؓ، یعنی شامی فرقہ جو علانیہ جناب امیرؓ کا مخالف اور اپنی ایک مستقل سلطنت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا، دوسرا وہ گروہ اکابر صحابہؓ کا تھا، جو اگرچہ حضرت علیؓ کو برحق سمجھتا تھا، لیکن اپنے دروغ و تقویٰ کے باعث خانہ جنگی میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا تھا، چنانچہ جب علیؓ نے مدینہ سے کوفہ کا قصد کیا، اور صحابہ کرام سے چلنے کے لیے کہا، تو بہت سے صحابہ صحابہ نے معدرت کی، حضرت سعدؓ قاص نے کہا، مجھے ایسی تلوار دیجئے جو مسلم و کافر میں امتیاز رکھے میں صرف اسی صورت میں جانبداری کے لیے حاضر ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا، خدا کے لیے مجھے ایک ناپسندیدہ فعل کے لیے مجبور نہ کیجئے، حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ قبل اس کے کہ میری تلوار کسی مسلم کا خون بہائے اس زور سے اسے جبل احد پر ٹپک ماروں گا کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی، حضرت اسامہ بن زیدؓ نے عرض کی: امیر المؤمنین! مجھے معاف کیجئے میں نے عہد کیا ہے کہ کسی کلمہ گو کے خون سے اپنی تلوار رنگین نہ کروں گا۔ غرض یہ گروہ عملی اعانت سے قطعی کنارہ کش تھا۔ تیسرا گروہ شیخان علیؓ کا تھا، جس میں ایک بڑی جماعت ان لوگوں کی تھی، جو یا تو خود محاصرہ میں شریک تھے، یا وہ ان کے زیر اثر تھے، اس لیے جناب امیرؓ خواہ مخواہ بے رخی کر کے اس بڑی جماعت کو قصداً اپنا دشمن نہیں بنا سکتے تھے، تاہم آپ نے ان ہی لوگوں کو مقرب خاص بنا یا جو درحقیقت اس کے اہل تھے، حضرت عمارؓ بن یاسر ایک بلند پایہ صحابی اور مقبول بارگاہ نبوت تھے، محمد بن ابی بکرؓ خلیفہ اول کے صاحبزادہ اور آنوش حیدر کے تربیت یافتہ تھے، اسی طرح اشترؓ غنی ایک صالح، نیک سیرت اور جانثار تابعی تھے۔

غرض اسباب و علل جو بھی رہے ہوں، اور ان کی حقیقت کچھ بھی ہو، لیکن یہ واقعہ ہے کہ جناب مرتضیٰ کی مندرشتی کے ساتھ ہی یکایک دینائے اسلام میں افتراق و اختلاف کی آگ بھٹک اٹھی اور شیرازہ ملی اس طرح بکھر گیا کہ جناب مرتضیٰ کی سعی اور جدوجہد کے باوجود پھر اوراق کی شیرازہ بندی

نہ ہو سکی، اور روز بروز مشکلات میں اضافہ ہوتا ہی گیا، اور اسلام کے سررشتہ نظام میں فرقہ آرائی اور جماعت بندی کی ایسی گرہ پڑ گئی جو قیامت تک کسی کے ناخن تدبیر سے حاصل نہیں ہو سکتی، اس میں شک نہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق نے جب عنانِ خلافت ہاتھ میں لی تھی تو اس وقت دنیا نے اسلام نہایت پر آشوب تھی، لیکن دونوں حالتوں میں بین فرقہ ہے۔ صدیق اکبر کے سامنے کو مصیبت کا طوفان اٹھ رہا تھا، لیکن کفر و ارتداد اور اسلام کا مقابلہ تھا، اس لیے سارے مسلمان اس کے مقابلہ میں متحد تھے، کل صحابہ ان کے معین و مددگار تھے، پھر خود حریف طاقتوں میں ہوا دوس اور باطل پرستی کی وجہ سے کوئی استقلال نہ تھا اس لیے ان کو زیر کر لینا نسبتاً آسان تھا۔ اس کے برخلاف جناب امیر کے مقابلہ میں جو لوگ تھے، وہ نہ صرف مسلمان تھے بلکہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب حرم حضرت عائشہ صدیقہ، آپ کے بھوپھی زاد اور ہم زلف و خواری رسول حضرت زبیر بن العوامؓ، مبشر الجنہ صحابی اور غزوہ احد کے ہیرو جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں سارا بدن چھلنی ہو گیا ہو گیا، اور اس صلہ میں انھیں بارگاہِ نبوت سے خیر کا لقب ملا تھا، جیسے اکابر امت تھے۔ ان کے علاوہ امیر معاویہؓ والی شام جیسے مدبر تھے، جنھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کا بھی شرف حاصل تھا، اور عربوں کا عاصم قاری مہر جیسے سیاست دان تھے، جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں، اور ان میں سے ہر ایک اپنے کو برسرِ حق سمجھتا تھا، ساتھ ہی ان کو ایسے جان نثار و وفا شعار ملے تھے جن کی مثالیں شیخانِ علیؓ میں کم تھیں اس لیے ان کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کا ہمد برد ہونا بہت دشوار تھا۔ حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ وہ جس زبرد و واقعا، دیانتداری، امانت عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے، اور لوگوں کو جس راستہ پر لے جانا چاہتے تھے، زمانہ کے تغیر اور حالات کے انقلاب سے لوگوں کے قلوب میں اس کی صلاحیت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ایک طرف امیر معاویہؓ اپنے مہم فداؤں کے لیے بیت المال کا خزانہ ٹٹار رہے تھے، دوسری طرف حضرت علیؓ ایک ایک خرچہ کا حساب لیتے تھے، یہی سبب تھا کہ حضرت علیؓ کے مہم فداؤں ان کے بعض اعزہ تک دل برداشتہ ہو کر ان سے جدا ہو گئے تھے، لیکن بہر حال حق حق ہے اور باطل باطل باطل کے مقابلہ میں حق کی شکست سے اس کی عظمت میں فرق نہیں آتا۔ اگر حضرت علیؓ ایسا نہ کرتے اور سیاسی حیثیت سے وہ کامیاب بھی ہو جاتے تو زبرد و تقویٰ، اور دیانت و امانت

کی حیثیت میں وہ ناکام ہی ٹھہرتے۔ ان کی سیاسی ناکامی کا دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ ان کے طرف داروں اور حامیوں میں پورا اتحاد خیال اور کمال غموض نہ تھا۔ اس جماعت میں ایک بڑا طبقہ عبداللہ بن سبا کے پیروؤں کا تھا، جس کا عقیدہ تھا کہ جناب مرثضیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں، پھر اس خیال نے یہاں تک ترقی کی کہ سبائی فرقہ کے لوگ حضرت علیؑ کو انسان سے بالاتر ہستی، بلکہ بعض خدا تک کہنے لگے۔ حضرت علیؑ نے ان لوگوں کو عبرت انگیز سنرائیں دیں، لیکن جو بڑا پھیل چکا تھا اسکا دور کرنا آسان نہ تھا، اس فرقہ نے مذہب کے علاوہ سیاسی حیثیت سے بھی مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچایا۔ واقعہ جمل میں ممکن تھا کہ صلح ہو جاتی لیکن اسی جماعت نے پیش دستی کر کے جنگ شروع کر دی۔

دوسری جماعت قرآن اور حدیث قرآن کی تھی، جو سمر معاہدہ میں قرآن پاک کی لفظی پابندی چاہتی تھی معنی اور مفہوم سے اس کو خیراں سہہ کار نہ تھا، چنانچہ واقعہ شکیم کے بعد یہی جماعت خسار جی فرقہ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

حضرت علیؑ کے حاشیہ نشینوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو درحقیقت جاں نثار و نثار تھے لیکن معرکہ صفین میں کامل جدوجہد کے بعد درمقصود تک پہنچ کر غنیم کی چال سے محروم واپس آنا ہی ہمت شکن واقعہ تھا۔ اس نے تمام جاں نثاروں کے حوصلے اور ارادے پست کر دیئے تھے، غرض ان تمام مشکلات اور مجبوریوں کے باوجود جناب مرثضیٰ نے غیر معمولی ہمت و استقلال اور عظیم انظیر عزم و ثبات کے ساتھ آخری لمحہ حیات تک ان مشکلات و مصائب کا مقابلہ کر کے دنیا کے سامنے بے نظیر تحمل و سلامت رزی کا نمونہ پیش کیا، اور اپنی ناکامی کے اسباب کا مشاہدہ کرنے کے باوجود دیانت داری اور شریعت سے سڑو تجاؤز کرنا پسند نہ فرمایا، اگر آپ تھوڑی سی دنیا داری سے کام لیتے تو کامیاب ہو جاتے لیکن دین ضائع ہو جاتا، جس کا بچاؤ ناپاک خلیفہ راشد اور حاشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا بلکہ اصلی فرض تھا۔

علیؑ لظم و نسق حضرت علیؑ رحمہ اللہ و جہد انتظام مملکت میں حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے اور اس زمانہ کے انتظامات میں کسی قسم کا تغیر کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک دفعہ نجران کے یہودیوں نے (جن کو فاروق اعظمؓ نے حجاز سے جلا وطن کر کے نجران میں آباد کرایا تھا) نہایت لجاجت کے ساتھ درخواست کی کہ ان کو پھر اپنے قدیم وطن میں واپس آنے کی اجازت دی جائے، حضرت علیؑ نے صاف انکار کر دیا، اور فرمایا کہ عمرؓ سے زیادہ کون صحیح ہو سکتا ہے؟

۱۔ کتاب الخراج قاضی ابوالوفاء و مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الغزوات

عمال کی نگرانی اعلیٰ نظم و نسق کے سلسلہ میں سب سے اہم کام عمال کی نگرانی ہے حضرت علیؑ نے اس کا خاص اہتمام مد نظر رکھا، وہ جب اور گراں بہا نصاب کرتے تھے لہ وقتاً فوقتاً عمال و حکام کے طرز عمل کی تحقیقات کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ جب حضرت کوئٹہ بن مالک کو اس خدمت پر مامور کیا تو یہ ہدایت فرمائی۔

انخرج فی طائفۃ من اصحابک تم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ لے کر روانہ ہو جاؤ
 حتی تمہیں بارض السواد کو روانہ فرمادیں
 عن عمالہم و منظر فی سیرتہم الخ کرداران کی روش پر غائر نظر ڈالو۔

عمال کے اسراف اور مالیات میں ان کی بے غورانیوں کی سختی سے باز پرس فرماتے تھے۔ ایک دفعہ اردشیر کے عامل مصقلہ نے بیت المال سے قرض لے کر پانچ سو ٹنٹی اور غلام خرید کر آزاد کیے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت علیؑ نے سختی کے ساتھ اس رقم کا مطالبہ کیا۔ مصقلہ نے کہا خدا کی قسم، عثمانؓ کے نزدیک اتنی رقم کا چھوڑ دینا کوئی بات نہ تھی، لیکن یہ تو ایک ایک جبہ کا تقاضا کرتے ہیں، اور ناداری کے باعث مجبور ہو کر امیر معاویہؓ کی پناہ میں چلے گئے۔ جناب امیرؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا۔

برحہ اللہ فعل السید و ذوقہ العبد خدا اس کا برابر کرے اس نے کام تو سید کا کیا لیکن غلام
 و خان حیاتیۃ الفا جلا ما للہ لوانہ کدھج بھاگا، اور عاجز کی طرح خیانت کی خدا کی قسم
 اقام عجز ما زنا علی جس فان وجدنا لہ اگر وہ مقیم رہتا تو قید سے زیادہ اس کو سزا دیتا، اور
 شیفاً اخذناہ وان لہ نقد علی مال ترکا لہ اگر اس کے پاس کچھ ہوتا تو تیار روز معاش کر دیتا

اس باز پرس سے آپ کے مخصوص اعزاء و اقارب بھی مستثنیٰ نہ تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے چہرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ شامل بصرہ نے بیت المال سے ایک ہیش قرار رقم لینی، حضرت علیؑ نے چشم نمائی فرمائی، تو جواب دیا کہ میں نے ابھی اپنا پورا حق نہیں لیا ہے، لیکن اس عذر کے باوجود وہ خائف ہو کر بصرہ سے مکر چلے گئے۔

صیغہ محاصل حضرت علیؑ نے محاصل کے صیغہ میں خاص اصلاحات جاری کیں، آپ سے پہلے جنگل سے کسی قسم کا مالی فائدہ نہیں لیا جاتا تھا، آپ کے عہد میں جنگلات کو بھی محاصل علی کے ضمن میں داخل کیا گیا، چنانچہ برص کے جنگل پر چار ہزار درہم مال گزارے کی تشخیص کی گئی تھی۔

کتاب الخراج ص ۷۹، کتاب الخراج ص ۷۷، تاریخ طبری ص ۳۲۱، لکھ ایضاً ۳۷۵۳، کتاب الخراج ص ۵۰

مہذب نبویؐ میں گھوڑے سے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے، لیکن عہد فاروقی میں جب عام طور سے اس کی تجارت ہونے لگی تو اس پر بھی زکوٰۃ مقرر کر دی گئی۔ حضرت علیؑ کے نزدیک تمدنی اور جنگی فوائد کے لحاظ سے گھوڑوں کی افزائش نسل میں ہولت ہم پہنچا ضروری تھا، اس لیے آپ نے اپنے زمانہ میں زکوٰۃ موقوف کر دی۔ گو آپ محاصل ملکی وصول کرنے میں نہایت سخت تھے، لیکن اسی کے ساتھ رعایا کی فلاح و بہبود کا بھی خاص خیال تھا، چنانچہ مندور اور تادار آدمیوں کے ساتھ کسی قسم کی سختی نہیں کی جاتی تھی۔

رعایا کے ساتھ شفقت حضرت علیؑ کا وجود رعایا کے لیے آئیہ رحمت تھا بیت المال کے دروازے غریب اور مساکین کے لیے کھلے ہوئے تھے، اور اس میں جو رقم جمع ہوتی تھی، نہایت فیاضی کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ ذمیوں کے ساتھ بھی نہایت شفقت آمیز برتاؤ تھا۔ ایران میں منہی سازشوں کے باعث بار بار بغاوتیں ہوئیں، لیکن حضرت علیؑ نے ہمیشہ نہایت رحم سے کام لیا، یہاں تک کہ ایرانی اس لطف و شفقت سے متاثر ہو کر کہتے تھے خدا کی قسم اس عربی نے نو شیراں کی یاد مزہ کر دی۔

فوجی انتظامات حضرت علیؑ خود ایک بڑے تجربہ کار جنگ آزمائے اور جنگی امور میں آپ کو پوری بصیرت حاصل تھی۔ اس لیے اس سلسلہ میں آپ نے بہت سے انتظامات کیے۔ چنانچہ شام کی سرحد پر نہایت کثرت کے ساتھ فوجی چوکیاں قائم کیں۔ ۱۱ھ میں جب امیر معاویہؓ نے عراق پر عام پورش کی تو پہلے ان ہی سرحدی فوجوں نے ان کو آگے بڑھنے سے روکا۔ اسی طرح ایران میں مسلسل شورش اور بغاوت کے باعث بیت المال اور عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے نہایت مستحکم قلعے بنوائے۔ اصطخر کا قلعہ حصن زیاد اسی سلسلہ میں بنا تھا۔ جنگی تعمیرات کے سلسلہ میں دریائے فرات کا پل بھی جو معاویہؓ نے بنوایا تھا، لائق ذکر ہے۔

مذہبی خدمات امام وقت کا سب سے اہم فرض مذہب کی اشاعت اور تبلیغ اور خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین ہے۔ حضرت علیؑ عہد نبوت سے ہی ان خدمات میں ممتاز تھے۔ چنانچہ کین میں صلوات کی روشنی ان ہی کی کوشش سے پھیلی تھی۔ سورۃ ہرآۃ نازل ہوئی، تو اس کی تبلیغ و اشاعت کی خدمت بھی ان ہی کے سپرد ہوئی۔

مسند خلافت پر قدم رکھنے کے بعد سے آخر وقت تک گونا گونا گونا گویوں نے فرمت نہ دی

تاہم اس فرض سے بالکل غافل نہ تھے۔ ایران اور آرمینیہ میں بعض نو مسلم عیسائی مرتد ہو گئے تھے حضرت علیؑ نے نہایت سختی سے ان کی سرکوبی کی، اور ان میں سے اکثر تائب ہو کر پھر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ خارجیوں کی سرکوبی اور ان سبائیوں کو جو شدت غلو میں جناب مرتضیٰؑ کو خدا کہنے لگے تھے ہنرا دینا بھی دراصل مذہب کی ایک بڑی خدمت تھی۔

حضرت علیؑ نے مسلمانوں کی اخلاقی نگرانی کا بھی نہایت سختی کے ساتھ خیال رکھا مجرموں کو عبرت انگیز سزائیں دیں، جرم کی نوعیت کے لحاظ سے نئی سزائیں تجویز کیں، جو ان سے پہلے اسلام میں رائج نہ تھیں۔ مثلاً زندہ جلانا، مکان مساکر کر دینا، چوری کے علاوہ دوسرے جرم میں بھی ہاتھ کاٹنا وغیرہ لیکن اس سے قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت علیؑ حدود کے اجراء میں کسی اصول کے پابند نہ تھے زندہ جلادینے کی سزا صرف چند زندہ یقوں کو دی تھی، مگر جب حضرت ابن عباسؓ نے آپ کو تباہ کیا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سزا کی ممانعت فرمائی ہے تو آپ نے اس فعل پر ندامت فرما کر فرمائی کہ شراب نوشی کی سزا میں کوڑوں کی تعداد متعین نہ تھی، حضرت علیؑ نے اس کے لیے انھی کوڑے تجویز کیے تھے۔ درے مارنے والوں کو ہدایت تھی کہ چہرہ اور شرمگاہ کے علاوہ تمام جسم پر کوڑا مار سکتے ہیں۔ عورتوں کے لیے حکم تھا کہ ان کو بٹھا کر سزا دیں، اور کپڑے سے تمام جسم کو اس طرح چھپادیں کہ کوئی عضو بے ستر نہ ہونے پائے۔ اسی طرح رجم کی صورت میں عورت کو نات تک زمین میں گاڑ دینا چاہیے۔

اقرار جرم کی حالت میں صورت ایک دفعہ کا اقرار کافی نہ سمجھتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی "امیر المؤمنین میں نے چوری کی ہے" حضرت علیؑ نے غضب آورہ رنگاہ ڈال کر اس کو واپس کر دیا، لیکن جب اس نے پھر مکرر حاضر ہو کر اقرار جرم کیا تو فرمایا، اب تم نے اپنا جرم آپ ثابت کر دیا، اور اس وقت اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا۔

تباہ جرم کا ارادہ اور اس کے لیے اقدام بغیر جرم کیے ہوئے مجرم بنانے کے لیے کافی نہیں ہے چنانچہ ایک شخص نے ایک مکان میں نقب لگائی، اور چوری کرنے سے قبل پکڑ لیا گیا حضرت علیؑ کے سامنے پیش کیا گیا، تو آپ نے اس پر کسی قسم کی حد جاری نہیں کی۔

۱۔ ترمذی حدود مرتد کتاب الخراج ص ۹۹ اور سنن ابی داؤد کتاب الحدود ص ۹۹
۲۔ کتاب الخراج ص ۹۹
۳۔ کتاب الخراج ص ۹۹

دس درہم سے کم چوری میں ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ تھا، اسی طرح اگر مجرم نشہ کی حالت میں ہو تو نشہ اترنے کا انتظار کیا جاتا تھا۔

جو عورتیں ناجائز حمل سے حاملہ ہوتی تھیں، ان پر حد جاری کرتے کے لیے وضع حمل کا انتظار کیا جاتا تھا، تاکہ بچہ کی جان کو نقصان نہ پہنچے، جس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔

عام قیدیوں کو بیت المال سے کھانا دیا جاتا تھا، لیکن جو لوگ محض اپنے فسق و فجور کے باعث نظر بند کیے جاتے، وہ اگر مال دار ہوتے تھے تو خود ان کے مال سے ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا، ورنہ بیت المال سے مقرر کر دیا جاتا تھا۔

تعزیری سزا | حضرت علیؑ نے جو غیر معمولی سزائیں تجویز کیں، وہ دماغی تعزیری سزائیں تھیں۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس قسم کی تعزیری سزائیں جاری کی تھیں۔ چنانچہ ان کے عہد میں ایک شخص نے رمضان میں شراب پی، تو اسی کوڑوں کے بجائے سو کوڑے لگوائے، کیونکہ اس نے بارہ نوشی کے ساتھ رمضان کی بھی بے حرمتی کی تھی۔

۱۔ کتاب الفرائض ص ۱۰۰ ۲۔ ایضاً ص ۸۸ ۳۔ ایضاً ص ۱۰۰

فضل و کمال

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بچپن ہی سے درسگاہ نبوت میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا، جس کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا۔ منہ میں خود ان سے روایت ہے کہ میں روزانہ صبح کو معمولاً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ اٹھ اور تقریباً گیارہ درجہ میرے سوا کسی اور حاصل نہ تھا۔ ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رات دن میں دو بار اس قسم کا موقع ملتا تھا۔ ایک اکثر سفر میں بھی آپ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا تھا، اور اس سلسلہ میں نصر سے متعلق شرعی احکام، سے واقف ہونے کا موقع ملتا تھا، ایک مرتبہ شرح بن ہانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسیح علی الخفین کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس کے لیے حضرت علیؑ کا نام بتایا، اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ وہ آپ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔ لہذا شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفایں بارگاہ رسالت میں جواب امیرؑ کے اس تقرب و تربیت کو ان کے فضائل کی اصلی بنیاد قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل کی ایک روایت نقل کر کے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جس قدر فضائل مذکور ہیں، کسی صماں کے نہیں ہیں۔ اس کی تشریح یہ کی ہے کہ،

”عبد ضعیف گوید سبب اس معنی اجتماع ذوجہت است، در ترضی رضی اللہ عنہ کے روح اودہ سوائی اسلامیہ دوم قرب قرابت او یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وآل جناب علیہ الصلوٰۃ والسلام او صل ناس بارحام و اعرت ناس بحق قرابت بودند باز چوں عنایت الہی، مساعدت نمود، حضرت مرتضیٰ را در کنار تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انداخت مرتبہ قرابت دو بلا شد و کرامت دیگر و کار او کردند رضی اللہ عنہ باز چوں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا عقدا و او اند مزید فضیلت یاد یار شد۔“

آپ کے تقرب و اختصاص کی بنا پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے۔ بعض موقعوں پر قرآن مجید کی آیتوں کی بھی تفسیر فرماتے تھے، لہذا چند مخصوص حدیثیں

۱۔ مسند جلد اول ص ۷۷، ۷۸ ایضاً ص ۸۵، ۸۶ ایضاً ص ۸۰، ۸۱ مسند جلد اول ص ۱۲۶

۲۔ ازالۃ الخفایں جلد ۲ ص ۶۲۰، ۶۲۱ مسند جلد اول ص ۸۳، ۸۴ ایضاً ص ۸۵ -

بھی قلم بند کر لی تھیں بلکہ عرض حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابتداء ہی سے علم و فضل کے گہوارہ میں تربیت پائی تھی۔ اسیلئے صحابہ کرام میں آپ غیر معمولی تجربہ اور فضل و کمال کے مالک اور دارالامدینۃ العلم و علی بابہا، (ز میں علم کا گہروں اور علی اس کا دروازہ ہیں) کے طفیل سے خاص سے ممتاز ہوئے تھے۔

نوشت و خواندگی تعلیم بچپن ہی میں حاصل کی تھی چنانچہ ظہور اسلام کے وقت جب کہ آپ کی عمر بہت کم تھی، آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے لہذا اسی لیے ابتداء ہی سے بعض دوسرے صحابہ کی طرح آپ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تحریری کام انجام دیتے تھے۔ چنانچہ کاتبان وحی میں آپ کا بھی نام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو مکاتیب و فرامین لکھے جاتے تھے، ان میں بعض آپ کے دست مبارک کے لکھے ہوئے تھے، چنانچہ حدیث صحیحہ کا صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا۔

تفسیر اور علوم القرآن | اسلام کے علوم و معارف کا اصل سرچشمہ قرآن پاک ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ تفسیر اور علم قرآن سے پوری طرح سیراب اور ان صحابہ میں سے تھے، جنہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں نہ صرف پورا قرآن زبانی یاد کر لیا تھا، بلکہ اس کی ایک ایک آیت کے معنی اور شان نزول سے واقف تھے۔ ابن سعد میں ہے کہ ایک موقع پر خود آپ نے اس کا اظہار فرمایا کہ میں ہر آیت کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ یہ کہاں اور کیوں اور کس کے حق میں نازل ہوئی۔ لہذا چنانچہ حضرت علی کا شمار مفسرین کے اعلیٰ طبقہ میں ہے اور صحابہ میں حضرت ابن عباس کے سوا اس کمال میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ چنانچہ ان تمام تفسیروں میں فن کا مدار روایتوں پر ہے مثلاً ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، ابن کثیر وغیرہ میں بکثرت آپ کی روایت سے آیات کی تفسیریں منقول ہیں۔ ابن سعد میں ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چھ مہینے تک جو گوشہ نشینی اختیار کی اس میں آپ نے قرآن مجید کی تمام سورتوں کو نزول کی ترتیب سے مرتب کیا تھا۔ ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں سورتوں کی اس ترتیب کو نقل کیا ہے۔

قرآن پاک سے اجتہاد اور مسائل کے استنباط میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، چنانچہ حکیم کے مسئلہ میں جب خوارج نے اعتراض کیا کہ فیصلہ کا حق خدا کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں، ان اشکھ و

لہذا ایضاً ص ۷۹ سے جامع ترمذی مناقب علی رضی اللہ عنہ ہے: "انا دار الحکمة وعلی بابہا۔ لیکن امام ترمذی نے اس کو منکر کہا ہے، حاکم نے (مشترک ج ۳ ص ۶۹۲) اس روایت کے متعدد ماہویوں کو جمع کیا ہے اور اس کو صحیح ثابت کرنے کا کوشش کی لیکن امام ذہبی نے ان کے صحیح کہنے کو تسلیم نہیں کیا ہے لہذا توحی اللہ ان ملاذی ص ۷۷، ابن سعد ثنائی رقم ثانی ص ۱۰۱

اللہ، تو آپ نے قرآن کے تمام حفاظ اور اس کے عالموں کو جمع کر کے فرمایا کہ کیاں نبوی میں جب اختلاف رائے ہو تو اللہ تعالیٰ حکم بنانے کی اجازت دے۔ **وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَأُلْحِقُوا** **حُكْمًا مِنْ آهْلِهِ وَحُكْمَ مِثْلِ أَهْلِهِمَا**، اور امت محمدیہ میں جب اختلاف رائے ہو جائے تو حکم بنانا جائز ہو! کیا تمام امت محمدیہ کی حیثیت ایک مردانہ ایک عورت سے بھی خدا کی نگاہ میں کم ہے بلکہ علم تاریخ اور منسوخ میں آپ کو کمال حاصل تھا، اور اس کو آپ بڑی اہمیت دیتے تھے اور بعض لوگوں کو اس میں درک نہ ہوتا، ان کو درس دو عطا سے روک دیتے تھے۔ چنانچہ کوفہ میں جامع مسجد میں جو شخص دو عطا و تذکیر کرنا چاہتا تھا، اس سے پہلے آپ دریافت فرماتے تھے کہ تم کو تاریخ و منسوخ کا بھی علم ہے، اگر وہ نفی میں جواب دیتا تھا تو اس کو زجر و توبیخ فرماتے تھے، اور دراصل غلطی کی اجازت نہ دیتے۔ آیات کی تفسیر و تاویل کے متعلق آپ سے اس کثرت سے روایتیں ہیں کہ اگلان کا استقصا کیا جاسے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے، اس لیے یہاں ان کو نقل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو ان ظاہری علوم کے علاوہ کچھ خاص باتیں اور بھی بتائی ہیں، ان کے شاگردوں نے ان سے پوچھا کہ کیا قرآن کے سوا کچھ اور بھی آپ کے پاس ہے؟ فرمایا قسم ہے! اس کی جو دانہ کو بچھا کر درخت لگاتا ہے، اور جو جان کو جسم کے اندر پیدا کرتا ہے، قرآن کے سوا میرے پاس کچھ اور نہیں، لیکن قرآن کو سمجھنے کی قوت (فہم) یہ دولت خدا جس کو چاہے دے سکے ان کے علاوہ چند حدیثیں میرے پاس ہیں۔ اس موقع پر حضرت علی مرتضیٰ نے جو قسم کھائی ہے۔ اس میں بھی ایک خاص نکتہ ہے۔ یعنی قرآن کی آیتوں کی مثال تم اور حیم کی ہے، اور اس کے معنی و مقصود کی مثال درخت کی ہے جو اسی تخم سے پیدا ہوتا ہے، اور جان کی ہے جو جسم میں پوشیدہ رہتی ہے، یعنی جس طرح ایک چھوٹے سے تخم سے اتنا بڑا غلیم انسان درخت پیدا ہو جاتا ہے، جو درحقیقت اس کے اندر مخفی تھا، اور روح سے جو جسم میں چھپی رہتی ہے۔ تمام اعمال انسانی کا ظہور ہوتا، اسی طرح قرآن پاک کے الفاظ سے جو نمونہ حیم کے ہیں، معنی و مطالب نکلتے ہیں۔

علم حدیث | جناب مرتضیٰ نے بچپن سے لے کر وفات نبوی تک کمال تیس سال آنحضرت صلعم کی

خدمت و رفاقت میں بسر کیے۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ کو چھوڑ کر اسلام علیہ السلام اور ارشادات نبویؐ کے سب سے بڑے عالم آپ ہی تھے۔ پھر تمام اکابر صحابہ میں وفات نبویؐ کے بعد سب سے زیادہ آپ نے عمر پائی۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقریباً تیس برس تک ارشادات و افادات کی مسند پر جلوہ گر رہے۔ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم میں بھی یہ خدمت آپ ہی کے سپرد رہی۔ ان کے بعد خود آپ کے زمانہ خلافت میں بھی یہ فیض بدستور جاری رہا، اس لیے تمام خلفاء میں احادیث کی روایت کا دامن آپ کو سب سے زیادہ ملا۔ اسی لیے خلفائے سابقین کے تعالیٰ میں آپ کی روایتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ لیکن احادیث کی روایت میں آپ بھی اپنے پیشرو و خلفائے اور اکابر صحابہ کی طرح محتلا اور متشدد تھے۔ اس لیے دوسرے کثیر الروایۃ صحابہ کے مقابلہ میں آپ کی روایتیں بہت کم ہیں۔ چنانچہ آپ سے کل ۵۸۶ حدیثیں مروی ہیں، جن میں سے ۲۰ حدیثوں پر بخاری و مسلم دونوں کا اتفاق ہے، اور ۹ حدیثیں صرف بخاری میں ہیں، مسلم میں نہیں اور دس حدیثیں مسلم میں ہیں بخاری میں نہیں، غرض صحیحین میں آپ کی کل اثنالیس حدیثیں ہیں۔

آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اپنے رفقاء اور معصوموں میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت مقداد بن الاسودؓ، اور اپنی حرم محترمہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے روایتیں کی ہیں۔ آپ کی سترت مطہرہ اولاد و امجاد میں حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، محمد بن حنفیہ، عمر، فاطمہ زہرا، صاحبزادے اور صاحبزادیاں، محمد بن عمر بن علی بن حسین بن علی، پوتے، عبدالشنان، جعفر بن ابی طالب، یحییٰ بن جعفر بن ابی طالب، محمد بن ابی طالب، عام اصحاب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، براء بن عازبؓ، ابو ہریرہؓ، ابو سعید خدریؓ، بشر بن شمیم غفاریؓ، زید بن ارقم سفینہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صہیبؓ، رومیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، عمرو بن حریثؓ، تزال بن سمرہ ہلالؓ، جابر بن سمزہؓ، جابر بن عبد اللہؓ، ابو جحیفہؓ، الوامثہؓ، ابویسٰیٰ انصاریؓ، ابوموسیٰؓ، مسعود بن حکم زرقیؓ، ابوالطفیلؓ، عامر بن واہلہؓ، عبید اللہ بن ابی رافعؓ (کاتب) اور ام موسیٰؓ (جاریہ)

تابعین میں زید بن جیشؓ، زید بن وہبؓ، ابوالاسود دؤلیؓ، حارث بن سوبد الیمیمیؓ، حارث بن عبد اللہ العموریؓ، حرطہ مولیٰ اسامہ بن زیدؓ، ابوسان مہین بن منذر قاشیؓ، حمیر بن عبد اللہ الکندیؓ، ربیع بن حرامشؓ، شریح بن بانیؓ، شریح بن النعمان الصامدیؓ، ابو وائل شقیق بن سلمہؓ،

شیث بن ربیع، سوید بن غنہ، عامر بن مضر، عامر بن سرحیل الشیبی، عبداللہ بن سلمہ مرادی عبداللہ بن شداد بن الہاد، عبداللہ بن شقیق، عبداللہ بن معقل بن مرقن، عبدخیر بن زید المدانی، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، عبیدہ سلمانی، علقمہ بن قیس النخعی، عمرو بن سعید النخعی، قیس بن عباد البصری، مالک بن اوس بن حدثان، مردان بن حکم اموی، مصرف بن عبداللہ، ابن شخیہ، نافع بن جبیر بن مطعم، ہانی بن ہانی بن زید بن شریک، ابو بردہ بن ابی الموسیٰ الاشعری، ابو حمزہ داعی، ابو الخلیل المحضرمی، ابو صالح المحضرمی ابو صالح الخنسی، ابو عبدالرحمن السلمی، ابو عبیدہ مولیٰ ابن ادہل، ابو الہیاج الاسدی وغیرہ سلسلے نے آپ سے فیض پایا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت علی مرتضیٰ کی تمام حدیثوں پر ایک اجمالی نظر ڈالی ہے۔ اس پر یہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیث اقدس، آپ کی نماز و مساجد و دعا و لوازل کے متعلق سب سے زیادہ روایتیں حضرت علی مرتضیٰ ہی سے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت رفاقت نبوی میں رہتے تھے، اور ان کو عبادتوں سے خاص شفقت تھا۔

احادیث کو قلمبند کرنے کا شرف جن چند صحابہ کو حاصل ہے، ان میں حضرت علی مرتضیٰ بھی داخل ہیں۔ فہم قرآن کے سلسلہ میں جو روایت ادھر گزری ہے، اس میں چند حدیثوں کا ذکر ہے۔ یہ وہی ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر آپ نے ایک لمبے کاغذ پر لکھ لیا تھا۔ یہ تحریر پٹی ہوئی آپ کی تلوار کی نیام میں لٹکی رہتی تھی۔ اس کا نام آپ نے صحیفہ رکھا تھا۔ اس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے، یہ حدیثیں چند فقہی اسکام سے متعلق تھیں۔

فقہ واجتہاد اشتر علی مرتضیٰ کو فقہ و اجتہاد میں بھی کامل دستگاہ حاصل تھی، بلکہ علم و اطلاع کی حیثیت وسعت سے دیکھا جائے تو آپ کی مستحضرانہ قوت سب سے اعلیٰ مانتی پڑے گی۔ بڑے بڑے صحابہ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کو بھی کبھی کبھی حضرت علی مرتضیٰ کے فضل و کمال کا ممنون ہونا پڑا تھا۔ فقہ واجتہاد کے لیے کتاب و سنت کے علم کے ساتھ سرعت فہم، دقیقہ سمجھی، استقلال ذہنی کی برتری ضرورت ہے، اور حضرت علی مرتضیٰ کو یہ کمالات خدا داد حاصل تھے، مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کی تہہ تک آپ کی نکتہ رس نگاہ آسانی سے پہنچ جاتی تھی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے

سہ یہ فہرست تہذیب التہذیب سے منقول ہے۔ سہ ازالہ الخفاء ص ۴۵۵ بحاری کتاب العلم باب کتاب العلم ج ۲ و کتاب الاعتصام و مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۷۰۶

انارۃ الخفاء میں آپ کی طبیعت اور امتعالِ ذہنی کے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں، لیکن ہم طوالت کے خوف سے ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔ مثلاً ایک واقعہ یہ ہے کہ،

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مجنون زانیہ عورت پیش کی گئی، حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا، حضرت علیؓ نے فرمایا یہ ممکن نہیں کہ مجنون حدودِ شرعی سے مستثنیٰ ہیں، یہ سن کر حضرت عمرؓ اپنے ارادہ سے باز آگئے۔

ایک دفعہ حج کے موسم میں حضرت عثمانؓ کے سامنے کسی نے شکار کا گوشت پکا کر پیش کیا، لوگوں نے احرام کی حالت میں اس کے کھانے کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف کیا، حضرت عثمانؓ اس کے جواز کے قائل تھے، انھوں نے کہا حالتِ احرام میں خود شکار کر کے کھانا منع ہے، لیکن جب کسی دوسرے غیر محرم نے شکار کیا ہے تو اس کے کھانے میں کیا حرج ہے؟ دوسروں نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عثمانؓ نے دریافت کیا کہ اس مسئلہ میں قطعی فیصلہ کس سے معلوم ہوگا، لوگوں نے حضرت علیؓ کا نام لیا۔ چنانچہ انھوں نے ان سے جا کر دریافت کیا۔ حضرت علیؓ عرض فرمایا جن لوگوں کو یہ واقعہ یاد ہو وہ شہادت دیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب آپ احرام کی حالت میں تھے۔ ایک گوز خرنشکار کر کے پیش کیا گیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا تھا کہ ہم لوگ تو احرام کی حالت میں ہیں۔ یہ ان کو کھلا دو جو احرام میں نہیں ہیں۔ حاضرین میں سے بارہ آدمیوں نے شہادت دی اسی طرح آپ نے ایک دوسرے واقعہ کا حوالہ دیا جس میں کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حالتِ احرام میں مرغ کے ایک پیش کیے تھے، تو آپ نے ان کے کھانے سے بھی امتراز فرمایا تھا۔ اس کی بھی کچھ لوگوں نے گواہی دی۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ اور ان کے رفقاء نے اس کھانے سے پرہیز کیا۔

ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک بار پاؤں دھونے کے بعد کے دن تک نموزوں پر مسح کر سکتے ہیں؟ فرمایا علیؓ نے جاکر دریافت کر دو۔ ان کو معلوم ہوگا۔ کیونکہ وہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے، چنانچہ وہ سائل حضرت علیؓ عرض فرمایا

لے سند ابن خبزی ج ۱ ص ۱۲۰ سند امام ابی عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل جلد ۱ ص ۱۰۰ فقہاء میں یہ مسئلہ مختلف ہے، بہت سے لوگ حضرت عثمانؓ کے استدلال کو صحیح سمجھتے ہیں اور دیگر احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ بہر حال حضرت علیؓ کا فتویٰ زیادہ محتاطانہ ہے۔ اس لیے حضرت عثمانؓ نے اس کو قبول کر لیا۔

پس گیا، انھوں نے تیار کیا کہ مسافر تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک رات تک۔ ۱۰
 حضرت علیؑ کے علم اور ان کی اجتہادی قوت اور دت نظر کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے
 حریف بھی دین اور مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کے لیے مجبور ہوتے تھے، چنانچہ ایک
 دفعہ امیر معاویہؓ نے لکھ کر دریافت کیا کہ خنی مشکل کی وراثت کی کیا صورت ہے؟ یعنی وہ مرد قرار دیا
 جائے یا عورت؟ حضرت علیؑ نے فرمایا، خدا کا شکر ہے کہ ہمارے دشمن بھی علم دین میں ہمارے
 محتاج ہیں، پھر جواب دیا کہ پیشاب گاہ سے اندازہ کرنا چاہیے کہ وہ مرد یا عورت۔ ۱۱
 فقہی مسائل میں حضرت علیؑ کی دست نظر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ جو بات نہیں جانتے
 تھے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے۔ بعض ایسے مسائل جو کسی دوسرے کے
 ذریعے پوچھو لیتے تھے، چنانچہ مدی کا ناقص و منور ہونا آپ نے اسی طرح بالواسطہ دریافت کر لیا تھا۔ ۱۲
 حضرت علیؑ نے رضی اپنے علم و کمال کی بناء پر متعدد مسائل میں عام صحابہ سے مختلف رائے رکھتے
 تھے، خصوصاً حضرت عثمانؓ سے بعض خاص مسائل میں زیادہ اختلاف تھا۔ مثلاً حضرت عثمانؓ حج تمتع
 کو جائز نہیں سمجھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ صورت لڑائی اور
 امنی کی وجہ سے جائز تھا، اب وہ حالت نہیں ہے۔ اس لیے اب جائز نہیں ہے۔ حضرت علیؑ
 اور دوسرے صحابہ ہر سال جائز سمجھتے تھے۔ اسی طرح حالت احرام میں مذکح اور حالت عدت
 میں عورت کی وراثت وغیرہ کے مسائل میں بھی اختلاف تھا۔ ۱۳
 حضرت علیؑ نے رضی کو تمام عمر مدینہ منورہ میں رہنے، لیکن آپ کی مخالفت کا زمانہ تمام ترکونہ
 میں گزارا اور احکام اور مقدمات کے فیصلے کا زیادہ موقع وہیں پیش آیا۔ اس لیے آپ کے مسائل و
 اجتہادات کی زیادہ تر اشاعت ملاق میں ہوئی۔ اسی بناء پر حنفی فقہ کی بنیاد حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ
 کے بعد حضرت علیؑ نے رضی ہی کے ارشادات اور فیصلوں پر ہے۔ ۱۴

قضا اور فیصلے | حضرت مرتضیٰ ان ہی خصوصیات کی بناء پر مقدمات کے فیصلوں اور قضا کے لئے
 ہایت موتوں تھے، اور اس کو صحابہ عام طور پر سے تسلیم کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے
 تھے کہ اقصانا علی و اقوانا ابی۔ یعنی ہم میں مقدمات کے فیصلے کے لیے سب سے موزوں

۱۰ مستدین جنہ، ج ۱ ص ۶۹، ۱۹۶ ص ۵۵، تاریخ الخلفاء، بیروتی، ج ۱ ص ۱۰۰، حدیث منورہ، سندھ، ص ۱۰۰، صحیح بخاری، کتاب الوضوء

علیؑ ہیں، اور سب سے بڑے قاری ابی ہیں۔ ۱۰

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم دصحابیہ کہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں کو میں سب سے زیادہ

مجمع فیصلہ کرنے والے علیؑ ہیں۔ ۱۱

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو ہر شے اس نگاہ نے حضرت مرتضیٰ کی اس استعداد و قابلیت کا

پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا، اور آپ کی زبان فیض ترجمان سے حضرت علیؑ کو، اقتضا ہم علیؑ کی سند

دل چکی تھی، اور ضرورت کے اوقات میں قضا کی خدمت آپ کے سپرد فرماتے تھے، چنانچہ جب اہل مین

نے اسلام قبول کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے عہدہ قضا کے لیے آپ کو منتخب فرمایا، حضرت

علیؑ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نئے نئے مقدمات پیش ہوں گے، اور مجھے قضا

کا تجربہ اور علم نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو راہ راست اور تمہارے دل کو نابت و استقلال بخنے

گا، حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مقدمات کے فیصلہ میں تندیب نہ ہوا۔ ۱۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو قضاء اور فضل مقدمات کے بعض اصول بھی تعلیم فرمائے چنانچہ

ایک مرتبہ فرمایا: علیؑ جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چکھنے لگو تو صورت ایک آدمی کا بیان سن کر فیصلہ دو۔

اس وقت تک اپنے فیصلہ کو روکو جب تک دوسرے کا بیان بھی نہ سن لو۔ ۱۳

مقدمات میں علم یقین کے لیے اہل مقدمہ اور گواہوں سے جرح اور ان سے سوالات کرنا بھی

آپ کے اصول تضا میں داخل تھا، ایک مرتبہ ایک عورت نے آپ کی عدالت میں اپنی نسبت جرم ناما

کا اعتراف کیا۔ آپ نے اس سے پے درپے متعدد سوالات کیے۔ جب وہ آخر تک اپنے بیان

پر قائم رہی تو اس وقت سزا کا حکم دیا۔ اسی طرح لوگوں نے ایک شخص کو چوری کے الزام میں

پکڑ کر پیش کیا، اور دو گواہ بھی پیش کر دیے۔ آپ نے گواہوں کو دھمکی دی کہ اگر تمہاری گواہی جھوٹی

نہلی تو میں یہ سزا دوں گا اور یہ کروں گا اور وہ کروں گا اس کے بعد کسی دوسرے کام میں مصروف

ہو گئے، اس سے فراغت کے بعد دیکھا تو دونوں گواہ متوجہ پارچل دیے۔ آپ نے ملزم کو یہ تصور پارچھوڑ دیا۔

میں میں آپ نے در عجیب و غریب مقدمات کا فیصلہ کیا۔ میں نیا نیا مسلمان ہوا تھا، پر ان

۱۰ طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ ۱۱ مسند رک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۳۵ ۱۲ مسند ابن حنیبل ج ۱ اول

ص ۸۳ ۱۳ حاکم جلد ۳ صفحہ ۳۵ ۱۴ مسند ابن حنیبل ج ۱ اول صفحہ ۱۷۳، ۱۷۴ - ۱۷۵ ایضاً ص ۲۰

۱۵ تاریخ الخلفاء بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ۔

ہائیں ابھی تازہ تھیں، ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا، جس سے ایک ماہ کے اندر تین مرد خلوت کر چکے تھے۔ نو ماہ بعد اس کے لڑکا ہوا، اب یہ نزاع ہوئی کہ وہ لڑکا کس کا قرار دیا جائے۔ ہر ایک نے اس کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا۔ حضرت علیؑ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس لڑکے کی دیت کے تین حصے کیے۔ پھر فرمایا کہ خالہؓ جس کے نام قرظہ نکلا، اس کے حوالہ کیا، اور بقیہ دو نوں کو دیت کے تین حصوں میں سے دو حصے اس سے لے کر دو ادینے۔ گویا غلام کے مسئلہ پر اس کو تیس کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت علیؑ کا یہ فیصلہ سنا تو آپ نے تبسم فرمایا۔ ۱۵

دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ چند لوگوں نے شیر پھسانے کے لیے ایک کنواں کھودا تھا شیر اس میں گر گیا، چند اشخاص ہنسی میں ایک دوسرے کو ڈھکیں رہے تھے، اتفاق سے ایک کا پیر بھسلا اور اس کنوئیں میں گرا، اس نے اپنی جان بچانے کے لیے بدحواسی میں دوسرے کی کمر کھڑی، وہ بھی سنبھل دسکا اور گرتے گرتے اس نے تیسرے کی کمر تھام کی، تیسرے نے چوتھا کو کھڑکیا، غرض چاروں اس میں گر پڑے، اور شیر نے چاروں کو مار ڈالا۔ ان مقتولین کے ورثہ باہم آمادہ جنگ ہوئے حضرت علیؑ مرتضیٰ بننے ان کو اس ہنگامہ و فساد سے روکا، اور فرمایا کہ ایک رسول کی موجودگی میں فتنہ و فساد نہ ماسب نہیں، میں فیصلہ کرتا ہوں، اگر وہ پسند نہ ہو تو دربار نبوت میں جا کر تم اپنا مقدمہ پیش کر سکتے ہو۔ لوگوں نے رضامندی ظاہر کی۔ آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے یہ کنواں کھودا ان کے قبیلوں سے ان مقتولین کے خوں بہا کی رقم اس طرح وصول کی جائے کہ ایک پوری، ایک ایک تھائی، ایک ایک چوتھائی، اور ایک آدھی پہلے مقتول کے ورثہ کو، ایک چوتھائی خوں بہا دوسرے کو ملے، تیسرے کو نصف اور چوتھے کو پورا خوں بہا دلایا۔

لوگ اس بظاہر عجیب و غریب فیصلہ سے راضی نہ ہوئے، اور حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر ہو کر اس فیصلہ کا خلاف (اپل) علالت نبویؐ میں پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فیصلہ کو برقرار رکھا۔ ۱۶ روایت میں مذکور نہیں کہ یہ فیصلہ کس اصول پر کیا گیا تھا، صرف پہلے شخص کے متعلق اتنا ہے کہ وہ مقتول ایسٹھلا کہ فوراً اوپر سے گرا تھا، ہمارا خیال ہے کہ حضرت علیؑ مرتضیٰ نے اس فیصلہ میں اس اصول کو پیش نظر رکھا ہے کہ یہ حادثے بالقصد قتل اور اتفاق قتل کے درمیان ہیں۔ غرض تصد اور عدم تصد

کے بیچ کی شکل ہے، اس لیے عدم قصد و اتفاق اور قصد و ارادہ ان دونوں میں اس کا حصہ جس مقولہ میں زیادہ ہے، اتنا ہی اس کو کم و بیش دلایا۔ اس کے بعد وراثت میں اس کا حصہ جس مقولہ میں زیادہ ہے، اتنا ہی اس کو کم و بیش دلایا گیا۔ اس کے بعد وراثت کا اصول پیش نظر رہا، چونکہ یہ معاملہ پار آدمیوں کا تھا، اس لیے کم سے کم رقم ایک چوتھائی مقرر کی، اس کے نکل جانے کے بعد تین آدمی رہ گئے، تو اس کو تہائیوں پر تقسیم کر کے تیسرا حصہ یعنی ایک تہائی اس کو دلایا۔ باقی دو بچے، تو دو حصے کر گئے نصف تیسرے کا مقرر کیا۔ اب غور کیجئے کہ اصل جرم ان لوگوں کا تھا جنہوں نے آبادی کے قریب کنواں کھود کر شیر پھنسانے کی غلطی کی تھی، اس لیے کسی متعین قاتل نہ ہونے کے سبب سے قسامت کے اصول سے خوں بہا کر ان کے کھودنے والوں اور ان کے ہم قیدیوں پر عائد کیا، پہلا شخص کو اتفاقاً گرا، مگر ایک دوسرے کے دھکیلنے کے نتیجہ کو بھی اس میں دخل تھا۔ اس لیے پہلے شخص کے گرنے میں اتفاق کا زیادہ اور قصد کا بہت کم دخل تھا، اس لیے وہ خوں بہا کا کم سے کم مستحق ٹھہرا یعنی ایک چوتھائی پہلے نے دوسرے کو گرایا، قصد کھینچا، مگر غایت بدحواسی میں اس کو اپنے فعل کے نتیجہ کے سوچنے سمجھنے کا موقع ملا، اس لیے پہلے کے مقابلہ میں اس میں اتفاق کا عنصر کم اور قصد کا کچھ زیادہ ہے، اس لیے وہ تہائی کا مستحق ہوا۔ دوسرے کو پہلے نتائج کو دیکھ کر اپنے فعل کے نتیجہ کے سوچنے سمجھنے کا موقع زیادہ ملا، اس لیے اس میں اتفاق کے مقابلہ میں قصد کا عنصر زیادہ تھا، اس لیے اس کو نصف دلایا گیا۔ تیسرے نے چوتھے کو کھینچا، حالانکہ وہ سب سے دور تھا، اور گزشتہ نتائج کو تیسرے نے خوب غور سے دیکھ لیا تھا، اس لیے وہ تمام تر قصد و ارادہ سے گرایا، نیز یہ کہ اس نے اپنے رفقاء کی طرح کسی اور کے گرانے کا جرم بھی نہیں کیا، اس لیے وہ پوری بدیت کا مستحق تھا۔ واللہ اعلم ایک اور مقدمہ کا اس سے بھی زیادہ دلچسپ فیصلہ آپ نے فرمایا۔ دو شخص دعوائاً مسافر تھے ایک کے پاس تین روٹیاں تھیں، اور دوسرے کے پاس پانچ روٹیاں تھیں، دونوں مل کر ایک ساتھ کھانے کو بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک تیسرا مسافر بھی آگیا۔ وہ بھی کھانے میں شریک ہوا۔ اسے جب فراغت ہوئی تو اس نے آٹھ درہم اپنے حصہ کی روٹیوں کی قیمت دے دی۔ اولیٰ ایک بڑھ گیا۔ جس شخص کی پانچ روٹیاں تھیں اس نے سید صاحب یہ کیا کہ اپنی پانچ روٹیوں کی قیمت پانچ درہم لے، اور دوسرے کو ان کی تین روٹیوں کی قیمت تین درہم دینے چاہیے، مگر وہ اس پر راضی

دہوا، اور نصف کا مطالعہ کیا یہ معاملہ عدالت مرقضوی میں پیش ہوا۔ آپ نے دوسرے کو نصیحت فرمائی کہ تمہارا رفیق جو فیصلہ کر رہا ہے، اس کو قبول کرو، اس میں زیادہ تمہارا نفع ہے، لیکن اس نے کہا کہ حق کے ساتھ جو فیصلہ ہو مجھے منظور ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ حق تو یہ ہے کہ تم کو صرف ایک درہم اور تمہارے رفیق کو سات درہم ملنے چاہئیں۔ اس عجیب فیصلہ سے وہ متحیر رہ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم تین آدمی تھے، تمہاری تین روٹیاں تھیں اور تمہارے رفیق کی پانچ، تم دونوں نے برابر کھائیں، اور ایک تیسرے کو بھی برابر کا حصہ دیا۔ تمہاری تین روٹیوں کے حصے تین جگہ جائیں تو وہ ٹکڑے ہوتے ہیں۔ تم اپنے ۹ ٹکڑوں اور اس کے پندرہ ٹکڑوں کو جمع کرو تو ۲۴ ٹکڑے ہوتے ہیں۔ تینوں میں سے ہر ایک نے برابر ٹکڑے کھائے، تو فی کس آٹھ ٹکڑے ہوتے ہیں تم نے اپنے ۹ میں سے آٹھ خود کھائے، اور ایک تیسرے مسافر کو دیا، اور تمہارے رفیق نے اپنے پندرہ ٹکڑوں میں سے آٹھ خود کھائے اور سات تیسرے کو دینے، ایسے آٹھ درہم میں ایک کے تم اور سات کا وہ مستحق ہے۔ کبھی کبھی کوئی نفع مقدمہ پیش ہوتا تو آپ زندہ دلی کا ثبوت بھی دیتے تھے۔ ایک شخص نے ایک شخص

کو یہ کہہ کر پیش کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس نے میرے ماں کی آبروریزی کی ہے، فرمایا کہ ملازم کو دھوپ میں سے جا کر کھڑا کرو، اس کے سایہ کو سو کوڑے مار دو۔ حضرت علی مرتضیٰ نے فیصلے قانون کے تغائر کی حیثیت رکھتے تھے، اس لیے اہل علم نے ان کو تحریری صورت میں مندرج کر لیا تھا، مگر اس عہد میں اختلاف آراء اور فرقہ آرائی کا ناسخ شروع ہو چکا تھا، اس لیے ان میں تحریف بھی ہونے لگی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس کے سامنے جب ان کے فیصلوں کا تحریری مجموعہ پیش ہوا تو اس میں کے ایک حصہ کا اٹھوں نے جعلی بتلایا، اور فرمایا کہ عقل و ہوش کی سلامتی کے ساتھ علیؑ کبھی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔

علم اسرار و حکم | دنیا میں اہل حکمت اور متکلمین کے دو گروہ ہیں۔ ایک وہ جو اپنی عقل و قہم اور علم کی بنا پر ہر شرعی حکم کی جزئی مصلحتوں پر نگاہ رکھتا ہے اور اس کے اسرار و حکم کی تلاش میں رہتا ہے۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو ایک ایک حکم کے جزئی مصالح سے دلچسپی نہیں رکھتا بلکہ وہ کلی طور پر پوری شریعت پر ایک مبصرانہ نگاہ ڈال کر ایک کلی اصول لے کر لیتا ہے۔

لہ تاریخ الخلفاء سیوطی بروایت زرین حبیب اللہ ایضاً بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ۳۷ مقدمہ صحیح مسلم۔

اور اللہ تعالیٰ نے ان احکام میں جو جزئی مصلحتیں رکھی ہیں۔ ان کی تلاش اور جستجو کی ضرورت نہیں سمجھا صحابہ میں حضرت عائشہ صدیقہ کا مذاق علم پہلی قسم کا اور حضرت علی مرتضیٰ کا ذوق فکری و فہمی قسم کا معلوم ہوتا ہے۔ ان کی نظر احکام کی نظری کیفیت پر اتنی نہیں پڑتی جتنی ان کی عملی کیفیت پر اسی لیے کسی حکم کا انسان کی ظاہری عقل کے خلاف ہونا ان کے نزدیک چنداں اہم نہیں کہ انسان عقل خود ناقص ہے، وہ کسی حکم شرعی کے لیے صحت اور بوجہ کا معیار نہیں بن سکتی۔ صحیح بخاری کی تعلیقات میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا :-

حد ثواناس بما یعرفون اتجوتوا

ان یکن باللہ ورسولہ (کتاب العلم)

لوگوں سے وہی کہو جو سمجھ سکتے ہوں، کیا تم یہ

پسند کرتے ہو کہ خدا یا خدا کا رسول بھلا یا بچا

مقصود یہ ہے کہ اگر ان سے ایسی باتیں کی جائیں جو ان کے فہم سے بالاتر ہوں تو لا محالہ اپنی کوتاہی عقل سے وہ ان باتوں کو غلط سمجھیں گے، اور اس طرح وہ نادانستگی میں خدا اور رسول کی کلمہ کے جرم کے مرتکب ہوں گے۔ اسی لیے لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق گفتگو کرنی چاہیے کہ مصالح الہی ہر شخص کی سمجھ میں یکساں نہیں آسکتے ہیں۔

احکام اور روایات کے الفاظ اگر متعدد معنوں کو مختل ہوں تو آپ کا یہ فیصلہ ہے کہ ان میں سے وہی معنی صحیح ہوں گے جو رسالت اور نبوت کی شان کے شایان ہوں۔ منہا محمد بنی کے مطابق اس روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں، آپ نے فرمایا :-

اذا حدتکم عن رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم جحدیث فظنوا بہ الذی

ہما ہدیٰ والذی ہوا لقی

والذی ہوا ہاتماً (منہا)

جب تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث

بیان کی جائے تو اس کے معنی وہ

سمجھو جو زیادہ قرین ہدایت زیادہ پر سیر

گارانہ اور زیادہ بہتر ہوں۔

مومنوں پر مسح کرنا سنت ہے، لیکن یہ مسح نیچے توڑوں پر نہیں، بلکہ اوپر پاؤں پر کیا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں، جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے -

لوکان الذین بالارای کان باطن

القبوہین احق بالمسح من ظاہر

اگر دینی مسائل کا انحصار مضم رائے پر ہوتا تو

تو اوپر کے پاؤں سے زیادہ مسح کے

ہما وقد مسح النبي صلى الله عليه وسلم مستحق ہوتے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 علی ظہر خفيه (باب کیف المسح) نے موزوں کی پشت پا پر مسح فرمایا۔

حضرت علی مرتضیٰ کا مقصود یہ ہے کہ چلنے کی وجہ سے اگر گرد و نثار کے دور کرنے اور صفائی کی
 غرض سے یہ مسح ہوتا تو نیچے کے ٹوؤں پر مسح ہوتا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے نہیں اوپر
 مسح فرمایا، اس لیے احکام الہی کے مصالح کی تعیین میں محض ظاہری عقل و دماغ کو دخل نہیں ہے،
 یہی روایت مسند ابن جنبل و جلد اول ص ۱۱۴ میں اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو مسح کرتے ہوئے نہ دیکھتا تو سمجھتا کہ نیچے مسح کرنا اوپر کرنے سے زیادہ بہتر ہے یعنی
 ظاہری قیاس کا مقتضی یہی تھا، مگر حکم الہی محض ظاہری قیاس پر مبنی نہیں۔

تصوف | اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت علی مرتضیٰ کو اسرار شریعت پر عبور نہ تھا بلکہ ان کا
 مسک یہ تھا کہ عوام کے لیے یہ موزوں نہیں ہیں، اور یہ بالکل سچ ہے کہ اس سے عوام کے طبائع
 میں احکام الہی کی اتباع اور پیروی کے بجائے عدم عمل کے لیے حیلہ سازی اور ان فلسفیانہ بانہ
 جوئی پیدا ہوتی ہے۔ خواص اس فرق کو سمجھتے ہیں، اس لیے ان ہی کے لیے یہ علم موزوں ہے۔
 چنانچہ تصوف جو مذہب کی جان، شریعت کی روح اور جو خاصان امت کا حصہ ہے، حضرت علی
 مرتضیٰ نے اس کے حقائق و معارف بہت خوبی سے بیان کیے ہیں۔

تصوف کے اکثر سلسلے سیدہ مرتضوی پر جا کر ختم ہوتے ہیں، حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول
 ہے کہ اصول آرائش و امتحان میں ہمارے شیخ الشیوخ علی مرتضیٰ نہیں، شاہ ولی اللہ صاحب نے
 انالہ الخلفاء میں لکھا ہے کہ خلافت سے پہلے حضرت مدوح کو اس میں بیدار نہاں تھا، مگر خلافت
 کے بعد اس کی مصروفیت نے ان کو اس فن کی تفصیل بیان کرنے کی فرصت نہ دی۔

محدثین کے اصول روایت کے مطابق حضرت علی مرتضیٰ کے یہ صونیاہ احوال یا بیہ صحت
 کو نہیں پہنچتے، اور نہ سلسلہ صحبت کی کڑیاں ثابت ہوتی ہیں کہ یہ اکثر سلسلے حضرت حسن بصری پر
 جا کر تمام ہوتے ہیں، ان کو حضرت علی مرتضیٰ کا فیض اور صحبت یا نہ سمجھا جاتا ہے، مگر حضرت حسن
 بصری کی صحبت اور تعلیم محدثین کی روایتوں سے ثابت نہیں ہوتی، بلکہ امام ترمذی نے تو اس سے

بھی انکار کیا ہے کہ انھوں نے بلا واسطہ حضرت علی مرتضیٰ سے کچھ سنا بھی ہے، بہر حال اتنا بالاتفاق ثابت ہے کہ انھوں نے حضرت علی مرتضیٰ کو خلافت سے پہلے مدینہ میں دیکھا تھا، اور ان کے دیدار سے شرف تھے، اور اس وقت ان کی عمر غالباً ۱۷، ۱۵ برس کی تھی۔

تقریر و خطابت | تقریر و خطابت میں حضرت علی مرتضیٰ کو خدا وادامکہ حاصل تھا، ہاشمک مسائل پر بڑے بڑے مجوں میں فی البدیہہ تقریر فرماتے تھے۔ تشریحیں نہایت خطیبانہ، مدلل اور موثر ہوتی تھیں۔ ۲۳۹ء میں جب امیر معاویہ نے مدافعت کے بجائے جارحانہ طریق عمل اختیار کیا تو جمعہ کے روز اٹنی جماعت کو ابھارنے کے لیے جو خطبہ دیا تھا، اس سے زور تقریر میں خطیب کا انداز ہر گاہ

اما بعد فان الجهاد باب من ابواب الجنة من تنكره ايسه الله الذلة وشمله بالصغار وسيم الخسف وسيل الضيم والحق قد دعوتكم الى الجهاد وهو لاد القوم بيلا و نهارا وسرا وجهارا وقلت لكم اعزهم قبل ان يغزواكم فما غزى قوم في عقوداهم الا اولوا واجتمع عليهم عدوهم هذا اخونى ما سر قد وروا انبار رقتل اب حسان البكرى وازال صاحبكم عن مواضعها وقتل رجال منكم صالحين وقد بلغتم انهم كانوا يدخلون بيت المرأة المسلمة فالاحدى المعاهدة فينزح نخلها من جلها وقلادها من عنقها

حمد و نعت کے بعد، جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس نے اس کو چھوڑا خدا اس کو ذلت کا لباس پہناتا ہے، اور رسوائی کو شامل حال کرتا ہے اور ذلت کا مزہ چکھایا جاتا ہے، اور دشمنوں کی دست درازی میں گرفتار ہوتا ہے۔ میں نے تم کو شب و روز علانیہ اور پوشیدہ، ان لوگوں سے رٹنے کی دعوت دی، اور میں نے کہا کہ اس سے پہلے کہ وہ حملہ کریں، میں حملہ کروں، کوئی تو تم میں پر اس کے گھر میں آکر حملہ کیا جائے، وہ ذلیل و رسوا ہوتی ہے، اس کا دشمن اس پر جری ہوتا ہے، دیکھو کہ ہماری نے انبار میں آکر ابن حسان بکری کو قتل کر دیا، تمہارے سوچوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا، تمہاری فوج کے چند نیکیوں کا بہادریوں کو قتل کر ڈالا، اور مجھے یہ خبر معلوم ہوئی ہے۔

يا عجباً من امر ميديت القلوب ويجلب
 النعم وليسترا الاخذ ان من اجتماع
 القوم على باطلهم وتفردكم عن
 حقاكم نبعداً انكم وسحقاً قد ردم
 غرماً ترون ولا ترون ولا يعار
 عليكم ولا تعيدون وليصي الله
 فترضون اذا قلت لكم سيدروا في
 الشاء قلتم كيف لغو في هذا
 القروا الصروا ان قلت لكم سيدروا
 في الصيف قلت حتى يضر مدعنا
 حرارة القيتظوكل هذا افرا من
 المحدث ما اذ لكتتم من الحر والقو
 لفرود فاشتم والله من السيف
 افروا الذي نفسي بيده ما من
 ذلك تحريون ولكن من السيف
 تحيدنن يا اشباة الرجال ولا
 الرجال ويا احلام اطفال و
 عقول ربات الجمال اما والله
 لو روت ان الله اخبرني من بين
 اظهركم قبضتي الى رحمة من
 بينكم ووردت الى لماركم ولم
 اعرفكم والله صلاتكم صدري
 غيظاً وجر عتوق الامرين انفاً

کہ وہ مسلمان اور ذمی عورتوں کے گھڑوں میں گھے
 اور ان کے پاؤں سے ان کے پیادے، ان کے
 گلے سے ان کے ہاتھ لے لیں، ایک قوم کا
 باطل پر اجتماع اور تمہارا مرتق سے برگشتہ
 ہونا کس قدر تعجب انگیز ہے جو لوگوں کو مرد کرتا
 ہے اور تم ورنہ کو بٹھاتا ہے۔ تمہاری یہ دوری
 و ہلاکت ہو تم نشا دہین گئے ہو اور تم پر تیرا بیباک جاتا
 ہے لیکن تم خود تیرے نہیں پھا سکتے۔ تم پر غارتگری
 کی جاتی ہے لیکن تم غارتگری نہیں کرتے۔ خدا کی
 نافرمانی کی جاتی ہے اور تم اس کو پسند کرتے ہو۔
 جب تم سے کہتا ہوں کہ موسم سردی میں ڈھلکشی
 کرو تو تم کہتے ہو کہ اس قدر سردی اور ہائے میں
 کس طرح لڑ سکتے ہیں اور اگر کہتا ہوں کہ موسم
 گرمی میں چلو تو کہتے ہو کہ گرمی کی شدت کم ہو جائے
 تب اہل مکہ کی سب موت سے بھاگنے کا حیلہ
 ہے پس جب تم گرمی سردی سے بھاگتے ہو تو
 خدا کی قسم تمہارے اور بھی بھاگو گے تم ہے۔
 اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے
 تم اس نہیں بھاگتے، بلکہ تمہارے سے جان چرٹا
 ہوا ہے اور میں بلکہ مرد کی تصویر اور اسے
 بچوں اور عورتوں کی سی عقل اور سمجھ رکھنے والا
 خدا کی قسم میں پسند کرتا ہوں کہ خدا تمہاری جانت
 سے مجھے نکال لے جائے اور (موت دیکھ)

د افسد تم علی دانی بالصیان
اپنی رحمت نصیب کرے میری تمنا تھی کہ تم سے جان
پیمان شہر قحط کی تم نے میرا سینہ زینہ و غضب سے
والحدیث کا ت -

بھر دیا ہے، تم نے مجھ وہ تمبیوں کا گھونٹ پائے ہیں اور
عیان نامزدانی کر کے میری رائے کو برباد کر دیا ہے۔

آپ کے طرفداروں کے دل اگر چہ پشورہ ہو چکے تھے اور قوائے عمل نے جواب دے دیا تھا، تاہم اس
پر جوش اور لہر انگیز تقریر نے تھوڑی دیر کے لیے پل پیدا کر دی اور ہر طرف سے پر جوش ملاؤں نے لبیک کہا۔
شریف رضی نے حضرت علیؑ کے تمام خطبوں کو بیچ البلاغہ کے نام سے چار جلدوں میں جمع کر دیا ہے اور بیخ
مقرر بنا دیا۔ لیکن بیچ البلاغہ کے تمام خطبوں کا صحیح ہونا ایک مشتبہ امر ہے، کیونکہ ان میں ایسے اصطلاحات و خیالات
مبھی ہیں جو تیسری صدی میں یونانی فلسفہ کے ترجمہ کے بعد سے عربی میں رائج ہوئے ہیں، اور ان میں حضرت
علیؑ کی زبان میں ایسی باتیں بھی ہیں، جن کو کوئی صاحب ایمان ان کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔

شاعری جناب مرفعیؑ کی طرف بہت سے اشعار بھی منسوب ہیں جن میں سے دو چار احادیث صحیحہ میں
بھی مذکور ہیں، مثلاً آپ کا وہ رجز یہ شعر جو معرکہ خیبر میں آپ نے پڑھا تھا،

انا الذی ستمنی ام حیدرہ ۛ کلیت عبادت کدیہ المنظر کا

لیکن بہت سے جعلی اشعار بنا کر آپ کی طرف منسوب کر دیئے ہیں، بلکہ ایک پورا دیوان، دیوان علیؑ کے نام سے
موجود ہے، جس کو افسوس ہے کہ طلیہ اور علماء نہایت شوق سے پڑھتے پڑھاتے ہیں، حالانکہ اس کی زبان
اس ذات بھی نہیں کہ کسی عربی شاعر کی طرف منسوب کی جائے، چہ جائیکہ افضح الفصحاء حضرت علیؑ کرم اللہ
وجہہ الشریف کی طرف۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت فاطمہ زہراؑ کے مرثیہ میں آپ کی زبان مبارک سے
دو شعر نقل کیے ہیں۔

علم نحو کی ایجاد | علم نحو کی بنیاد خاص حضرت علیؑ کے دست مبارک سے رکھی گئی ہے، ایک ذوق ایک
شخص کو قرآن شریف غلط پڑھتے سنا، اس سے خیال پیدا ہوا کہ کوئی ایسا قاعدہ بنا دیا جائے جس سے
اعراب میں غلطی واقع نہ ہو سکے۔ چنانچہ ابوالا سودہؓ نے کو چند قواعد کلیہ بتا کر اس فن کی تدوین پر مامور
کیا۔ اس طرح علم نحو کے ابتدائی اصول بھی آپ ہی کی طرف منسوب ہیں۔

لہ نبرست ابن الندیم

اخلاق و عادات اور ذاتی حالات

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایام طفولیت ہی سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ عافیت

میں تربیت پائی تھی، اس لیے وہ قدرۃً محاسن اخلاق اور حسن تربیت کے نمونہ تھے، آپ کی زبان

کبھی کلمہ شرک کفر سے آلود نہ ہوئی، اور نہ آپ کی پیشانی غیر خدا کے آگے جھکی، جاہلیت کے فترم کے

گناہ سے بڑا اور پاک رہے۔ شراب کے خالق سے جو عرب کی گھٹی میں تھی اسلام سے پہلے بھی آپ کی

زبان آشنا نہ ہوئی اور اسلام کے بعد تو اس کا کوئی خیال ہی نہیں کیا جاسکتا ہے

امانت و دیانت: آپ ایک امین کے تربیت یافتہ تھے، اس لیے اہتمام ہی سے امین تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کی امانتیں جمع رہتی تھیں جب آپ نے ہجرت فرمائی تو

ان امانتوں کی واپسی کی خدمت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی گئی اپنے عہدِ خلافت میں آپ نے مسلمانوں

سے پہلے دستوں کے ایک جلسہ میں فرمایا کہ شراب کی حرمت سے پہلے دو سونے کے ایک جلسہ میں حضرت

علی نے شراب پی اور اسی حالت میں نماز پڑھی تو سورۃ قل یا ایہا الکافرین کلمہ سے کچھ پڑھ دی اس پر

شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی۔ گو شراب کی حرمت کے نازل ہونے سے پہلے شراب پینا مذہباً گناہ

نہیں تھا۔ تاہم ظاہر ہے کہ کمال تقویٰ کے خلاف ضرور تھا اور دوسری روایتوں سے یہ بالکل ثابت نہیں ہوتا

کتاب کا دہن مبارک کبھی اس سے آلودہ ہوا ہو اسی لئے اس روایت کے قبول کرنے میں ہم تردد ہے اصل یہ ہے

کہ اس کا اخیر رادی گپیلے علوی تھا، مگر آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مخالف (عثمانی) ہو گیا تھا اس

لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں اس کی شہادت معتبر نہیں ہو سکتی اب حاکم کی مستدرک صحیح چلی ہے اس کی روایت

سے اصل واقعہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ ایک اور شخص کا بیان کیا تھا عثمانی راوی نے خود حضرت

علی رضی اللہ عنہ کا نام رکھ دیا حاکم نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ مجھ اللہ اس روایت سے حضرت علی

رضی اللہ عنہ کے مخالفین جو آپ پر اعتراض کرتے تھے وہ اٹھ گیا۔

کی امانت بیت المال کی جیسی امانتداری فرمائی، اس کا اندازہ حضرت ام کلثومؓ کے اس بیان سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ نازنگیاں آئیں، امام حسنؑ، امام حسینؑ نے ایک تاریکی اٹھائی جناب امیرؑ نے دیکھا تو حسینؑ کو لوگوں میں تقسیم کر دیں۔

مالِ عنیت تقسیم فرماتے تھے تو برابر حصے لگا کر غایت احتیاط میں قرعہ ڈالتے تھے، کہ اگر کچھ کسی بیٹی کو گنج تو آپ اس سے بری ہو جائیں ایک دفعہ اصفہان سے مال آیا۔ اس میں ایک ٹی بھی تھی حضرت علیؑ نے تمام مال کے ساتھ اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے رکھے، اور قرعہ ڈال کر تقسیم فرمایا۔ ایک دفعہ بیت المال کا تمام اندوختہ تقسیم کر کے اس میں جھاڑو دی اور دو رکعت نماز ادا فرمائی کہ وہ قیامت میں ان کی امانت و دیانت کی شاہد رہے۔

نہ جلد — آپ کی خاتہ گدھی نہد فی الدنیا کا نمونہ تھی، بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کی ذات سے زہد کا خاتمہ ہو گیا۔ آپ کے کاشانہ فقر میں دنیاوی شان و شکوہ کا گزند تھا۔ کوہ تشریف لائے تو دارالامارت کے بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے اور فرمایا کہ عمر بن الخطابؓ نے عیش ہی ان عالمی شان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا، مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میدان ہی میرے لئے بس ہے۔

بچپن سے چھبیس چھبیس برس کی عمر تک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور شہتہ اقلیم زید و قناعت کے یہاں دنیاوی عیش کا کیا ذکر تھا۔ حضرت فاطمہؑ کے ساتھ شادی ہوئی تو علیؑ کا مکان میں رہنے لگے اس نئی زندگی کے سانسو سانس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سیدہ حبت جو سانسو سامان اپنے میکے سے لائی تھیں اس میں ایک چیز کا بھی اضافہ نہ ہو سکا چکی پیستے پیستے حضرت فاطمہؑ کے ہاتھوں میں گھنے پٹہ گئے تھے۔ گھر میں اوڑھنے کی صرف ایک چادر تھی وہ بھی اس قدر مخمق کہ پاؤں چھپاتے تو سر پر بہنہ ہو جاتا اور سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتے، معاش کی یہ حالت تھی کہ ہفتوں گھر سے وصول نہیں آتھا تھا سبھوک کی شدت ہوتی تو پیٹ سے پتھر باتھ لیتے۔ ایک دفعہ شدت گرسنگی میں کاشانہ اقدس سے باہر نکلے کہ مزدوری کر کے کھر کما لائیں۔ عوا لیؑ مدینہ میں دیکھا کہ ایک ضعیف کچھ انٹ پتھر جمع کر رہی ہے۔ خیال ہوا کہ شاید اپنا باغ میرا بنا چاہتی ہے اس کے پاس پہنچ کر اجرت ملے گی۔

۱۷؛ انار الخفاء، بحوالہ ابن ابی شیبہ، ص ۲۶۶

۱۸؛ مدینہ کے قرب و جوار کی آبادی کا نام عوا لی تھا۔

اور پانی سینچے گئے۔ یہاں تک کہ ہاتھوں میں کبلے پڑ گئے غرض اس محنت و مشقت کے بعد ایک مٹھی کھجوریں اجرت میں ملی، لیکن تنہا خوری کی عادت نہ تھی بجلیس لئے ہوئے یا گاہے نبوت میں حاضر ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیفیت سن کر نہایت شوق کے ساتھ کھانے میں ساتھ دیا۔

ایام خلافت میں بھی نہد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، آپ کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا، موٹا چھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا ان کے لئے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی ایک دفعہ عبداللہ بن زبیر نامی ایک صاحب شریک طعام تھے۔ دسترخوان پر کھانا نہایت معمولی اور سادہ تھا انہولتے کہا!

امیر المؤمنین آپ کو سہندے کے گوشت کا شوق نہیں ہے؟ فرمایا ان زبیر خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال میں صرف دو پیالوں کا حق ہے ایک خود کھائے اور اہل کو کھلاتے اور دوسرا خلقِ خدا کے سائے پیش کرے سٹھ

دعوت پر کوئی حاجب تھا نہ دربان، نہ امیر لڑ کر و فرزند شاہانہ نہ تڑکھ اقسام اور عین اس وقت جب قیصر و کسریٰ کی شہنشاہی مسلمانوں کے لئے زبرد جو اہر اگلی رہی تھی۔ اسلام کا خلیفہ ایک سولی غریب کی طرح زندگی بسر کرتا تھا، اور اس پر نیا صلی کا یہ حال تھا کہ داد و درش کی بدولت کبھی نقر و قاتر کی بھی نبوت آجاتی تھی۔ ایک دفعہ مہنہ بڑھتے دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ میری تلوار کا کون خریدار ہے؟ خلیفہ کی قسم اگر میرے پاس ایک تہ بند کی قیمت ہوتی تو اس کو فروخت نہ کرتا ایک شخص نے گھڑے ہو کر کہا

”امیر المؤمنین! میں تہ بند کی قیمت قرض دیتا ہوں سٹھ“

گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی، شہنشاہ دو عالم کی بیٹی گھر کا سالا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ شفیق باپ کے پاس اپنی مصیبت بیان کرنے گئیں سو وہ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھے۔ اس لئے داپس آکر سو رہیں تو طوطی دیر کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اطلاع پر آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے اور فرمایا کیا تم کو ایک ایسی بات نہ بتا دوں جو ایک خادم سے کہیں زیادہ تمہارے لئے مفید ہو۔ اس کے بعد آپ نے تسبیح کی تعلیم دی تھی

عبادات — حضرت علی کرم اللہ وجہہ خدا کے نہایت عبادت گزار بندے تھے، عبادت کا مشغلہ حیات تھا جس کا شاہد خود قرآن ہے۔ کلام پاک کی اس آیت

لہ منہا بن صنبل ص ۱۳۵ سٹھ سند احمد علیہ ص ۷۸ سٹھ انہ لفظاً، بمراد الخیر کے بخاری کتاب الدعوات باب التسبیح والتکبیر عند المنام۔

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ
أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ وَهَمَّاءُ بِنِيهِمْ
سَوَّاءٌ لَهُمْ ذُكْعًا سَجِدًا لِيَتَّخِذَ
مِنْ اللَّهِ وَرِضْوَانًا

محمد رسول اللہ وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں کافروں
پر سخت ہیں، باہم رحمت ہیں تم ان کو دیکھتے ہو کہ بہت
رکوع اور بہت سجدہ کر کے خدا کا فضل لدا اس کی
رضا مندی کا جستجو کرتے ہیں۔

کی تفسیر میں مفسرین نے نکتہ لکھا ہے کہ وَالَّذِينَ مَعَهُ سے ایبیکہ صدیق اشداء او علی الکفار سے عمر
ابن الخطاب و هماء بکفرکم سے عثمان بن عفان۔ ذکعا سجدا سے حضرت علی ابن ابی طالب۔
اور یَتَّخِذُونَ فِضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سے یقینہ صحابہؓ مراد ہیں اس سے عبادت میں تمام
تمام صحابہؓ پر حضرت علیؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ رکوع و سجدہ تمام صحابہؓ کا مشترک وصف تھا
پھر اس اشراک میں تخصیص سے معلوم ہوا کہ اس اشتراک کے باوجود ان کو اس باب میں کچھ
مزید امتیاز بھی حاصل تھا۔

قرآن مجید کے اس اشارہ کے علاوہ خود صحابہؓ کی زبان سے ان کے اس امتیازی وصف کی شہادت
مذکورہ ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

كان ما علمت صوما قواما له
زيد بن سعيد قرشي كتمت
له ادها شميا قط كان اعبد الله
منه له

جہا تک مجھے معلوم ہے وہ بیٹھ روزہ دار اور عباد گزار تھے
زید بن سعید قرشی کہتے ہیں:
لہ ادها شمیا قط کان اعبد اللہ
منہ لہ
خدا کا عبادت گزار ہو۔

ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبادات میں جس چیز کا التزام کر لیتے تھے اس پر ہمیشہ قائم
رہتے تھے، ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم دونوں ہم
نمانے کے بعد دس بار تسبیح، دس بار تحمید اور دس بار تکبیر پڑھ لیا کرو۔
جب سوو کر تم ۳۲ بار تسبیح، ۳۲ بار تحمید اور ۳۲ تکبیر پڑھ لیا کرو حضرت علیؓ رحمہ اللہ وہ
فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس کی تلقین کی میں نے اس کی نہیں چھوڑی۔

لہ تفسیر فتح البیان ج ۴ ص ۷۶ ترمذی کتاب المناقب فضل فاطمہؓ کے مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۸

ابن کوائن نے کہا کہ "صفین کی شرب میں بھی نہیں؟" فرمایا "صفین کی شرب میں بھی نہیں ہے"

الفان فی سبیل اللہ — حضرت علیؑ کو دنیاوی دولت سے ہی دامن تھے، لیکن دل غمتی تھا

بجھی کوئی سائل ایک در سے ناکام واپس نہیں ہوا حتیٰ کہ قوت لایموت تک دے دیتے۔ ایک نعرہ آتا

بھر باغ بیج کرھوڑے سے جو مزدوری میں حاصل کئے، صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو ایک

ثلث پودا خریدہ پکوانے کا انتظام کیا۔ ابھی پک کر تیار ہی ہوا تھا کہ ایک مسکین نے صدا دی۔

حضرت علیؑ نے سب اٹھا کر اس کو دیدیا اور پھر لقیہ میں دوسرے ٹلٹھ کے پکنے کا انتظار کیا، لیکن

تیار ہوا کہ ایک مسکین یتیم نے دست سوال بڑھایا اسے بھی اٹھا کر اس کی تذر کیا، غرض اسی طرح

تیسرا حصہ بھی بیچ رہا تھا، پکنے کے بعد ایک مشرک قیدی کے نذر ہو گیا، اور یہ مرد خدا لات جبرک

کے باوجود دن کو ناقہ مست رہا، خدائے پاک کو یہ اشار کچھ ایسا بھیجا کہ بطور ستائش اس کے صلہ

میں ویطعمون اللعالم علیٰ حبیبہ فیکینا ویتمناؤ آسینوا آ لایۃ الیٰ نانا ہوئی ہے

تواضع — سادگی اور تواضع حضرت علیؑ کی دستاویزیت کا سب سے خوشنما طرہ ہے۔ اپنے

ہاتھ سے محنت مزدوری کرنے میں کوئی عار نہ تھا۔ لوگ مسائل دیکھنے آتے تو آپ کبھی جوتا ٹانگتے کبھی اونٹ

چراتے اور کبھی زمین کھودتے ہوئے پائے جاتے۔ مزاج میں بے تکلفی اتنی تھی کہ فرش خاک پر بے تکلف

سو جاتے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ڈھونڈتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے ہوئے

کہ بے تکلفی کے ساتھ زمین پر سو رہے ہیں۔ چادر پیٹھ کے نیچے سے سرک گئی ہے اور جسم انور گردن

کے اندر گھس گیا کی طرح دمک رہا ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سادگی نہایت پسند آئی۔ خود

دست مبارک سے ان کا بدن صاف کر کے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا "اجلس یا ابا تراب"

مٹی والے اب اٹھ بیٹھ، زبان نبویؐ کی عطا کی ہوئی یہ کیفیت حضرت علیؑ کو اس قدر محبوب تھی

کہ جب کوئی اس سے مخاطب کرتا تو خوشی سے ہونٹوں پر تسم کی لہر دوڑ جاتی۔

ایام خلافت میں بھی یہ سادگی قائم رہی، عموماً چھوٹی آستین اور اونچے دامن کا کرتہ پہنتے اور

معمولی کپڑے کی تہ بند باندھ یا نار میں گشت کتے پھرتے، اگر کوئی تعظیماً پوچھے ہوتا تو منع

سہ مندا ماہ بن جنبل ج ۱ ص ۱۰۱ - ابو داؤد کتاب اللہ ربیعہ غیری کتاب مناقب علیؑ علیہ السلام

فرماتے اس میں دالمی کے لئے نقتہ اور مومن کے لئے ذات ہے لہ

شجاعت۔ شجاعت و بہاوت حضرت علیؑ کا مخصوص وصف تھا جس میں کوئی معاصر آپ کا حریف

نہ تھا، آپ تمام اہم غزوات میں شریک ہوئے، اور سب میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔

اسلام میں سب سے پہلا غزوہ بدر پیش آیا، اس وقت حضرت علیؑ کا عنفوان شباب تھا،

لیکن اس عمر میں آپ نے جنگ آزما بہادروں کے دوش بدوش ایسی داد شجاعت دی کہ آپ

اللہ کے بھوت قرار پائے۔

آغاز جنگ میں آپ کا مقابلہ لیدر سے ہوا ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا، پھر

شیشب کے مقابلہ میں حضرت عبیدہ بن حارث آئے اور اس نے ان کو تہ فہمی کیا، تو حضرت حمزہؑ اور

حضرت علیؑ نے حملہ کر کے اس کا کام بھی تمام کر دیا، غزوہ احد میں کفار کا جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کے

ہاتھ میں تھا۔ اس نے مبارزت طلب کی، تو حضرت علیؑ نے تفضی ہی اس کے مقابلہ میں آئے اور سر

پر ایسی تلوار ماری کہ سر کے دو ٹکڑے ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو

ذریعہ مسرت میں نعرہ تکبیر بلند کیا اور مسلمانوں نے بھی نعرے لگائے۔

غزوہ خندق میں بھی پیش پیش رہے۔ چنانچہ عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود نے جب

مبارزت طلب کی تو حضرت علیؑ نے تفضی ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میدان میں جانے کا اجازت

چاہی، آپ نے ان کو اپنی تلوار عنایت فرمائی خود اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عامرہ بانو کا

اورد عاکی کہ خداوند! تو اس کے مقابلہ میں ان کا مددگار ہو اس اہتمام سے آپ ابن عبدود کے مقابلہ

میں تشریف لے گئے اور اس کو زیر کر کے تکبیر کا نعرہ مارا جس سے مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ انھوں

نے اپنے حریف پر کامیابی حاصل کر لی۔

غزوہ خیبر کا موقع حضرت علیؑ نہ ہی کی شجاعت سے سر ہوا حبیب خیبر کا قلعہ کئی دن تک فتح

نہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں تھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو خدا اور خدا کے

رسول کو محبوب رکھتا ہے خدا اور خدا کے رسول اس کو محبوب رکھتے ہیں چنانچہ دوسرے دن آپ

نے حضرت علیؑ کو تھنڈا عنایت فرمایا اور خیبر کا رئیس مرحب تلوار ہلاتا ہوا اور جہز پر تھنڈا

مقابلہ میں آیا۔ اس کے جواب میں حضرت علیؓ نے تضحیٰ و تہنؤاں لگے بڑھے اور درحسب کے سر پہ اسی تلوار مار دی کہ سر پھٹ گیا، اور خیر فتح ہو گیا خیر کی فتح کو آپ کے جنگی کارناموں میں خاص امتیاز حاصل ہے۔ غزوات میں غزوة ہوازن خاص اہمیت رکھتا ہے اس میں تمام قبائل عرب کی متحدہ طاقت مسلمانوں کے خلاف اُمتدائی تھی، لیکن اس غزوة میں بھی حضرت علیؓ نے تضحیٰ و تہنؤاں پر ممتد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اکابر صحابہ کو جھنڈے عنایت فرمائے ان میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے آغاز جنگ میں جب کفار نے دفعۃً تیر دن کا مہینہ برساتنا شروع کیا، تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور صرف چند خیمات صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے، ان میں ایک حضرت علیؓ بھی تھے۔ عہدِ نبوت کے بعد خود ان کے زمانہ میں جو معرکے پیش آئے ان میں کبھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔

دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک — حدیث میں آیا ہے کہ بہار وہ نہیں ہے جو دشمن کو کھانا دے، بلکہ وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے، یہ حضرت علیؓ نے میدان کے صحیح وقت کی زندگی کا اکر حصہ مخی لہین کی معرکہ اٹلی میں گزرا، لیکن بائیں ہاتھوں نے ہمیشہ دشمنوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا ایک دفعہ ایک رطائی میں جب ان کا حریف گر کر رہ نہ ہو گیا تو اس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے کہ اس کو شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔ جنگِ جمل میں حضرت عائشہؓ ان کی حریف تھیں، لیکن جب ایک اہلی نے ان کے اوتار کو زخمی کئے کہ گرایا تو خود حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر ان کی خیریت دریافت کی، اور ان کو ان کے طرفدار بصری رئیس کے گھر میں اتارا حضرت عائشہؓ کی فوج کے تمام زخمیوں نے بھی اسی گھر کے ایک ایک گوشے میں پناہ لی تھی حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے، لیکن ان پناہ گزین زخمی دشمنوں سے کچھ تعرض نہیں کیا۔

جنگِ جمل میں جو لوگ شریک جنگ تھے ان کی نسبت بھی عام منادی کرادی کہ جاگئے دانوں کا نقاب دکھایا جائے، زخمیوں کے اوپر گھوڑے نہ دوڑائیں جائیں، مالِ غنیمت نہ لوٹا جائے، جو ہتھیار بڑال دے اس کو امان ہے۔

حضرت زبیرؓ نے ایک حریف کی حیثیت سے ان کا مقابلہ کیا تھا، اور جنگِ جمل کے سپاہیوں میں تھے، مگر جب ان کا قاتل ابن جرموزان کا مقتول ہوا تو اسے کہ حضرت علیؓ کو کھانا دیا۔

تو وہ آبدیدہ ہو گئے، اور فرمایا، فرزند صغیفہ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو، پھر حضرت زبیرؓ کی تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا، یہ وہی تلوار ہے جس نے کئی دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ سے مشکلات کا بادل ہٹایا ہے۔

مستدرک میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ان کا سر آیا کہ فرزند صغیفہ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیرؓ ہے۔

جنگ جمل کے میدان میں جب آپ فریق مخالف کی لاشوں کا معائنہ کر رہے تھے تو ایک ایک لاش کو دیکھ کر انہوں نے کہتے تھے جب حضرت طلحہؓ کے صاحبزادے محمد کی لاش پر نظر پڑا تو آہ سرد بھر کر فرمایا "اے قریش کا شکرہ۔"

ان کا سب سے بڑا دشمن ان کا قاتل ابن بلجم ہو سکتا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کے متعلق جو آخری وصیت کی تھی وہ یہ تھی کہ اس سے معمولی طور پر قصاص لینا، شدتہ کرنا، یعنی اس کے ہاتھ پاؤں اور ناک کاٹنا۔ ابن سعد میں ہے کہ جب وہ آپ کے سامنے لایا گیا تو فرمایا کہ اس کو اچھا کھانا کھلاؤ، اور اس کو نرم پتھر پر سلاؤ، اگر میں زندہ بچ گیا تو اس کے معاف کرنے یا قصاص لینے کا مجھے اختیار حاصل ہوگا، اور اگر میں مر گیا تو اس کو مجھ سے ملادینا، میں خدا کے سامنے اس سے صلہ لوں گا لگہ۔ دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس سے اعلیٰ مثال کیا ہو سکتی ہے۔

اصابت رائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ صائب الرائے بھی تھے او آپ کی اصابت رائے پر عہد نبوی ہی سے اعتماد کیا جاتا تھا چنانچہ آپ تمام بہات امور میں شریک مشورہ کیلئے جاتے تھے واقعہً ایک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے رازداروں میں جن لوگوں سے مشورہ طلب کیا ان میں سے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے، غزوہ طائف میں آپ نے ان سے اتنی دیر تک سرگوشی فرمائی کہ لوگوں کو اس پر رشک ہونے لگا۔ خلافت راشدہ کے زمانہ میں وہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ دو نولہ کے مشیر تھے۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے ہاجرین و انصار کی جو مجلس شوری قائم کی تھی، اس کے رکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے حضرت

لہ: مستدرک ج ۳ ص ۴۷۷ سے لطیقات تذکرہ علیؓ ابن ابی طالب

حضرت عمر فاروقؓ نے اس مجلس کے ساتھ مہاجرین کی جو مخصوص مجلس شوریٰ قائم کی تھی، اس کے راہبین کے نام اگرچہ ہم کو معلوم نہیں ہیں، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ لازمی طور پر اس کے ایک رکن رہے ہوں گے کیونکہ حضرت عمرؓ کو ان کی لائے پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کوئی مشکل معاملہ پیش آجاتا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مشورہ کرتے تھے ایک موقع پر انہوں نے فرمایا تھا

لولا علی لهلك عمر
اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا

اس اعتماد کی بنا پر بعض امور میں حضرت عمرؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رائے کو اپنی رائے پر ترجیح دی ہے۔ معرکہ نہاوند میں جب ایرانیوں کی کثرت نے حضرت عمرؓ کو سید مشوش کر دیا تو انہوں نے مسجد نبویؐ میں تمام صحابہ کو جمع کر کے لائے طلب کی۔ حضرت طلحہؓ نے کہا ایہ المؤمنین آپ خود ہم سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں، البتہ ہم لوگ تعمیل حکم کے لئے تیار ہیں حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ شام و یمن وغیرہ سے فوجیں جمع کر کے آپ خود سپہ سالار ہو کر میدان جنگ تشریف لے جائیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاموش تھے حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا تو وہ لے کر شام سے آگے فوجیں بھیجیں تو مفتوحہ مقامات پر دشمنوں کا تسلط ہو جائے گا اور آپ نے مدینہ چھوڑنا تو عرب میں ہر طرف قیامت برپا ہو جائے گی۔ اس لئے یہ میری رائے ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہٹیں اور شام و یمن وغیرہ میں فرمان بھیج دیئے جائیں کہ جہاں جہاں جس قدر فوجیں ہوں ایک ایک کشت اور روانہ کر دی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور کہا کہ میرا بھی یہی خیال تھا حضرت عثمانؓ نے بھی ان سے اہم معاملات میں مشورہ لئے اور اگر ان کے مشورہ پر عمل کیا جاتا تو ان کا عہد نہ صرف فتنہ و فساد سے محفوظ رہتا، بلکہ قبائل عرب میں ایک ایسا توازن قائم ہو جاتا کہ آئندہ جھگڑے کی صورت ہی نہ پیدا ہوتی۔

آپ کی اصابت لائے کا سب سے بڑا ثبوت آپ کے فیصلوں میں ملتا ہے احادیث کی کتابوں میں بہت سے ایسے سچیدہ مقامات مذکور ہیں جن کا فیصلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا اور جب وہ فیصلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے تو آپ نے انہیں قائم رکھا چنانچہ اس قسم کا ایک مقدمہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا

ما وجدنا الا ما قال علی
میرے نزدیک بھی اس کا فیصلہ وہی ہے جو علیؓ نے کیا

ان کے ایک اور فیصلہ کا ذکر کیا گیا تو آپؐ بہت خوش ہوئے اور فرمایا
 الحمد للہ الذی جعل فینا الحکمة اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم اہل بیت
 اہل البیتؑ کو حکمت سکھائی۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے انالذات الخفا میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے محاسن اخلاق پر لکھا

نہایت جامع بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہاں دنیا مناسب ہوگا وہ لکھتے ہیں:

” بڑے بڑے لوگوں کی سرشت میں جو عظیم اشان اخلاق داخل ہوتے ہیں، مثلاً شجاعت

قوت، محبت اور وفادہ سب ان میں موجود تھے، اور فیض ربانی نے ان سب کو اپنی مرضی میں صرف

کیا، اور ان کے ایک ایک خلق کے ساتھ اس فیض ربانی کی آمیزش سے ایک ایک مقام پیدا ہوا

ریاض النضرہ میں ہے کہ جب وہ چلتے تھے تو ادھر ادھر تک پہنچتے تھے، اور جب کسی کا

ہاتھ پکڑ لیتے تھے۔ تو وہ سانس تک نہیں لے سکتا تھا۔ وہ تقریباً فریہ اندام تھے۔ ان کی کلامی

اور ان کے ہاتھ مضبوط تھے، قوی اور دل کے مضبوط تھے جس شخص سے کشتی لڑتے تھے اس کو

بچھا ڈیتے تھے بہادر تھے اور جس سے جنگ میں مقابلہ کرتے تھے اس پر غالب آتے تھے۔

ان کے تمام محاسن اخلاق میں ایک وفا تھی، اور جب فیض ربانی نے اس کو موہبت

کیا تو تمام محبت ان کے لیے ایک مسلمہ چیز بن گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ متواتر

طور پر ثابت ہے، فرمایا کہ میں کل ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ

محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ بھی اس سے محبت کرتے ہیں، بالآخر آپؐ نے

جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیا۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق، دشمنوں کی مدافعت و مبارزت تھی جیسے فیض ربانی

نے ان کے سوا بق اسلامہ میں صرف کیا اور آخرت میں اس سے عجیب نتیجہ پیدا ہوا اور یہ آیت

هَذَا اِنْ خَصَمَانِ اخْتَصِمُوا

ان کی اور ان کے رفقاء کی شان میں نازل ہوئی۔ امام بخاری نے حضرت علی ابن ابی طالبؑ

روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں پہلا شخص ہوں گا جو قیامت کے دن خدا کے

سامنے خصوصیت کے لئے دو زانو بیٹھے گا قیس کہتے ہیں کہ یہ آیت

هَذَا اِنْ خَصَّمَانِ اخْتَصَمَا فِي دِينِهِمْ ان دونوں نزلت نے اپنے رب کے بارے میں باہم مخالفت کی
ان ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بدر کے دن باہم مبارزت
کی یعنی حمزہؓ، علیؓ، عبیدہؓ، البرعبیدہ بن الحارث، شیبہ بن ربیع، عبیدہ اور ولید بن عقبہ۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلو ان کی غیر معمولی دلیری تھی وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے
تھے، لوگوں کی خاطر بدالوات میں اپنی خواہش سے باز نہیں آتے تھے فیض ربانی نے ان کے ان
اخلاق سے بھی المنکر اور سبت المال کی حفاظت کا کام لیا۔ حاکم نے حضرت ابوسعید خدریؓ

سے روایت کی ہے۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کی شکایت کی تو آپ نے ہم لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا کہ لوگو! علی رضی اللہ عنہ کی شکایت نہ
کرو خدا کی قسم خدا کی ذات اور اس کی راہ کے معاملہ میں وہ کسی قدر سخت ہے حضرت عمرؓ سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کی ذات کے معاملہ میں علیؓ سخت ہیں

ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق اپنی قوم اور اپنے چچا زاد بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
حمیت تھی۔ وہ ان کے کام کی تکمیل میں نہایت اہتمام کرتے تھے اور ان کی مدد میں نہایت ہمت
سے کام لیتے تھے۔ یہ وہ وصف ہے جو اکثر شریفوں میں پیدا ہوتا ہے جب فیض ربانی

نے اعلیٰ کلمۃ اللہ کا جذبہ ان کے دل میں پیدا کیا تو اس خلق سے کام لیا اور اس عقلی سنی
کی شرح و تفسیر جس سے ایک ایسا عجیب مقام پیدا ہوا، جس کی تعبیر آخرت رسول مولا
رسول، وصی اور وارث وغیرہ متعدد الفاظ سے کی جاتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے بھائیوں میں سے ہر ایک سے فرمایا کہ دنیا
آخرت میں تم میں سے کون میرا ولی ہوگا۔ لیکن ان سب نے اس بار کے تحمل سے انکار کیا
اس وقت آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم دنیا و آخرت میں میرے ولی ہوئے۔ حاکم نے حضرت

ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
زندگی میں فرماتے تھے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے

اِنَّا نَمَاتُ اَوْ قَبْلَ الْقَبْلِمْ عَلٰی اَعْتَابِنَا اگر وہ مرگئے یا مارے گئے تو کیا تم اللہ پاؤں پھر جاؤ گے

لے مستدرک کی روایت اور از انہذا لفظ کی روایت میں فقہوں نے سافق ہے اسی ترجمہ میں اصل مستدرک کی روایت
کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مستدرک ج ۲ ص ۱۳۱۔

خدا کی قسم حبیب ہم کو خدا نے ہدایت دے دی تو اس کے بعد ہم بیٹھ نہ پھریں گے، خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا یا آپ شہید ہو گئے تو جس چیز کے لیے آپ جنگ کرتے تھے ہم بھی اس کے لئے لڑیں گے، میں تک کہ مر جائیں۔ خدا کی قسم میں آپ کا بھائی ہوں آپ کا ولی ہوں آپ کے چچا کا لڑکا ہوں، اور آپ کے علم کا وارث ہوں۔ ایسی صورت میں مجھے سے زیادہ آپ کا حقدار کون ہے۔ اسی سے ان دونوں فریق کا جو افراط و تفریط کرتے ہیں۔ غلطی بھی ظاہر ہو گئی۔ ایک کہتا ہے کہ قوم کی حمایت کے لیے غلبہ کا خواستہ نہ ہونا مخصوص نہیں۔ دوسرا کہتا ہے کہ استحقاقِ خلافت کے لیے اخوتِ نسبتی شرط ہے۔

ان کے محاسنِ اخلاق میں ایک زہد اور شہواتِ انسانی سے احتیاب ہے۔ حضرت امیر معاویہ نے ہزار اسدی سے کہا کہ مجھ سے حضرت علیؓ کے اوصاف بیان کرو۔ انہوں نے کہا کہ امیر المؤمنین! اس سے مجھے صاف فرطیئے، معاویہ نے اصرار کیا، ضرار بڑے اگر اصرار ہے تو سنیئے، وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے، فیصد کن بات کہتے تھے عادلانہ فیصلہ کرتے تھے ان کے ہر عیب سے علم کا پتہ چھوٹتا تھا۔ ان کے تمام اطراف سے حکمت ٹپکتی تھی۔ دنیا کی دلفریبی اور شادابی سے وحشت کرتے، راتِ نجات کی وحشت ناک سے انس رکھتے تھے بڑے رومنے والے اور بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے۔ چھوٹا لباس اور موٹا چھوٹا کھانا پسند تھا ہم میں بالکل ہماری طرح رہتے تھے۔ حبیب ہم ان سے سوال کرتے تھے تو وہ ہمارا جواب دیتے تھے، اور حبیب ہم ان سے انتظام کی درخواست کرتے تھے، تو وہ ہمارا انتظام کرتے تھے، باوجودیکہ اپنی خوش خلقی سے ہم کو اپنے تریب کر لیتے تھے اور وہ خود ہم سے قریب ہو جاتے تھے، لیکن اس کے باوجود خدا کی قسم ان کی ہیبت سے ہم ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اہل دین کی عزت کرتے تھے، غریبوں کو مقرب بناتے تھے۔ قوی کو اس کے باطل میں حرص و طمع کا موقع نہیں دیتے تھے۔ ان کے انصاف سے ضعیف ناامید نہیں ہوتا تھا میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ان کو بعض موکوں میں دیکھا کہ رات گزر چکی ہے ستارے ڈر رہے چکے ہیں اور وہ اپنی دارلحی پکڑے ہوئے ایسے مضطرب ہیں جیسے مار گزیدہ مضطرب ہوا ہے اور اس حالت میں وہ غمزدہ آدمی کی طرح رو رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے دنیا مجھ کو زینت ہے

دوسرے کو دے، تو مجھ سے چھپا چھاڑ کرتی ہے، یا میری مشتاق ہوتی ہے۔ افسوس افسوس میں نے تجھ کو تین طلاقیں دیدی ہیں جس سے رجعت نہیں ہو سکتی۔ تیری عمر کم اور تیرا مقصد حقیر ہے آہ! ذرا راہ کم اور سفر دراز کا ہے۔ راستہ دشت خیز ہے۔ یہ سن کر امیر معاویہ رو پڑے اور فرمایا خدا ابو الحسن پر رحم کرے خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک چیز شبہات سے اجتناب ہے ان کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے روایت ہے کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لیموں آجاتے تھے اور حسن و حسین ان میں کوئی لیمو لے کر کھانے لگتے تو وہ ان کے ہاتھ سے چھین لیتے اور اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیتے تھے۔ ابو عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ نے کی تقسیم میں حضرت ابو بکرؓ کا طریقہ اختیار کرتے تھے۔ یعنی جب ان کے پاس مال آتا تھا تو سب تقسیم کر دیتے تھے اور بیتا اعمال میں صرف اس قدر باقی رہ جاتا تھا جس کی تقسیم اس روز نہ کر سکتے تھے اور فرماتے، اے دنیا میرے سوا کسی اور کو دھوکا دے، اور خود اس میں سے اپنے لئے کوئی چیز انتخاب نہ کرتے تھے اور نہ تقسیم میں اپنے کسی رشتہ دار یا اور عزیز کی تخصیص کرتے تھے۔ حکومت اور امانت صرف متدین لوگوں کے سپرد کرتے تھے، اور جب یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے اس میں خیانت کی ہے تو اس کو کھتے کہ:

قَدْ هَانَكَ مَوْعِدَةُ مَنٍّ سَبَّكَ
فَاذْهَبْ وَانْكِسْ زَالِمِيَّانَ بِالْقِسْطِ
وَلَا تَجْسُرُوا النَّاسَ أَشْيَاءَ هُمْ
وَلَا تَقْشُرُوا فِي الْأَرْضِ مِنْ صَفِيدٍ
بِقِيَّةِ اللَّهِ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
مُؤْمِنِينَ وَمَا نَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظَةٍ
تہمدے پاس تمہارے رب کی جانب سے
نصیحت آچکی ہے تو ناب جو کھو انصاف
کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی
نہ کرو اور زمین میں مسادہ نہ پیدا کرو خدا کا
ثواب تہمدے لئے بہتر ہے اگر تم ایماندار ہو
اور میں تمہارا نگراں نہیں ہوں۔

جب تمہارے پاس میرا خط پہنچے تو تمہارے ہاتھ میں جو کام ہے اس وقت تک تم اس کی پورا حفاظت کرو جب تک کہ ہم تمہارے پاس دوسرے شخص کو نہ بھیجیں، جو تمہارے ہاتھوں سے لے۔ پھر نئی نگاہ کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور کہتے کہ خداوند تو جانتا ہے کہ میں نے

ان کو تیری مخلوق پر ظلم کرنے اور ترے حق کو چھوڑنے کا حکم نہیں دیا ہے۔

جمع التیمی سے روایت ہے کہ بیت المال میں جو کچھ تھا۔ اس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر حکم دیا کہ اس میں تھما رو دیدی جائے اور اس میں تھما پڑھی تاکہ قیامت کے دن ان کی گواہ رہے۔

حضرت کلیب سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس اصفہان سے مال آیا تو انھوں نے اس کے سات حصے کئے، اس میں ایک روٹی بھی تھی، اس کے بھی سات ٹکڑے کئے اور ہر حصے پر ایک ایک ٹکڑا تقسیم کیا، پھر قرعہ ڈالا کہ ان میں کس کو کون سا حصہ دیا جائے ان کے محاسن اخلاق میں ایک چیز یہ تھی کہ وہ مساش کی تنگی پر صبر کرتے تھے، اور اس کو اپنے لئے گوارا کر لیتے تھے۔ خود ان سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ ہمارے گھر میں آئیں تو ہمارے بچانے کے لئے صرف منیڈھے کی ایک کھال تھی۔ صنم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کا کام اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ کے متعلق کیا تھا اور بیرونی انتظامات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کئے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حضرت فاطمہ کا نکاح کیا، تو جہیز میں ایک چادر، چمڑے کا ایک گدا جس میں کھجور کی پتیاں بھری ہوئی تھیں۔ ایک چکی، ایک مشک اور دو گھرب دیئے۔ ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہ سے کہا کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لونڈی غلام آتے ہیں آپ سے ایک خادم کی درخواست کرو۔ انھوں نے کہا آٹا پیتے پیتے میرے ہاتھوں میں بھی آیلے پڑ گئے۔ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ نے پوچھا بیٹی کس غرض سے آئی ہو بولیں، سلام عرض کرنے۔ لیکن سوال کرنے سے ان کو شرم آئی اور پاس چلی گئیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پوچھا تم نے کیا کیا؟ بولیں سوال کرنے میں مجھے شرم آئی، دوبارہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا۔ کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا اور حضرت فاطمہ نے کہا کہ آٹا پیتے پیتے میرے ہاتھوں میں چھلے پڑ گئے۔ خدا نے آپ کے پاس لونڈی غلام اور مال بھیجا ہے

ہم کو بھی ایک خادم غنایت ہو۔ آپ نے فرمایا، نہیں، یہ نہیں ہو سکتا، کہ میں تم کو دوں، اور اہل صفہ کو فاقہ مستی کی حالت میں چھوڑ دوں۔ میں ان لونڈی غلاموں کو فروخت کر کے ان کی قیمت ان پر صرف کروں گا۔ یہ جواب پا کر دونوں لوٹ آئے۔ ان کی واپسی کے بعد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہ زہرا اور حضرت سہیل کی کہیں۔ یہ چار راتیں چھوٹی تھی کہ جب سر ڈھکنے تھے تو پاؤں اور جب پاؤں ڈھکنے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے پر دونوں اٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا کیا تم کو میں ایسی چیز نہ بتلا دوں جو اس چیز سے بہتر ہے، جس کو تم مجھ سے مانگتے ہو۔ دونوں نے کہا، ہاں، فرمایا، مجھ کو جبرئیل نے چند کلمے سکھائے اور کہا کہ دونوں ہر نماز کے بعد دس بار سبح اور دس بار تحمید اور دس بار تکبیر کہہ لیا کرو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ کلمے سکھائے اس وقت سے میں نے ان کو نہیں چھوڑا۔ ابن کما نے کہا کہ صفین کی رات میں بھی نہیں؟ فرمایا، نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ مدینہ میں ایک مرتبہ مجھ کو سخت بھوک لگی، کھا کھا کر کچھ نہ تھا اس لیے عوامی مدینہ میں مزدوری کی تلاش میں نکلا، ایک عورت ملی جس نے ڈھیٹے اکٹھے کئے تھے میں نے خیال کیا کہ غالباً ان کو وہ بھگونا چاہتی ہے چنانچہ میں نے ہر ڈول پر ایک کھجور اُجرت طے کی اور سولہ ڈول پانی بھرے، جس سے میرے ہاتھوں میں چھلے بڑ گئے اس نے مجھے سولہ کھجوریں گنی کر دیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے ان کھجوروں کو میرے ساتھ کھایا۔

خائفگی زندگی۔ حضرت علیؑ کی مستقل خانداری کی زندگی اس وقت سے شروع ہوئی جب کہ سیدہ جنت حضرت فاطمہ کے ساتھ ایک علیحدہ مکان میں رہنے لگے۔ اس سے پہلے آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ اس لئے کسب معاش کے لئے آپ کو کسی جدوجہد کی ضرورت نہ پڑتی تھی، ہجرت کے بعد جب حضرت فاطمہ سے شادی قرار پائی تو مدینہ کی نگر دامن گیر ہوئی چنانچہ قرب و حوا کے جنگل سے اونٹ پر گھاس لاکر بیچنے کا مادہ کیا۔

۱۰۰: ازالۃ الخفا کا خلاصہ ختم ہوا۔

حضرت حمزہؓ نے ایک روز ان کی اجازت کے بغیر اس اونٹ کو ذبح کر کے لوگوں کو کھلا دیا۔ حضرت علیؓ نے دیکھا تو نہایت صدمہ ہوا، کیونکہ آپ کے پاس صرف دو اونٹ تھے لہٰذا آخر ذرہ بیج کر سامان کیا اس زردہ کی قیمت بھی سو، سو اسورویہ سے زیادہ نہ تھی۔

شادی کے بعد جب علیؓ کو مکان میں رہنے لگے تو حصولِ معاش کی فکر لاحق ہوئی چونکہ شروع سے اس وقت تک آپ کی زندگی سپاہیانہ کاموں میں بسر ہوئی تھی، اس لیے کسی قسم کا سرمایہ یا کس نہ تھا، محنت مزدوری اور جہاد کے مالِ عنینت پر گزارا وقت تھی۔ خیرِ فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک قطعہ زمین جاگیر کے طور پر عنایت فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں باغِ ندک کا انتظام بھی ان کے حوالے کر دیا اور دوسرے صحابہؓ کی طرح ان کے لئے بھی باغ تیار کروائے (ایک ہزار روپیہ) سالانہ کا وظیفہ مقرر فرمایا۔ خلیفہ ثالث کے بعد جب منہ نیشن خلافت ہوئے تو بیتِ امال سے بقدر کفاف روزیہ مقرر ہو گیا جس پر آخری لمحہ حیات تک قانع رہے۔

مسند کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ مرتضیٰ نے فرمایا ایک وہ زمانہ تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیوکا شدت سے سیٹ پر پتھر باندھتا تھا اور آج میرا یہ حال ہے کہ چالیس ہزار سالانہ میری زکوٰۃ کا رقم ہوتی ہے لہٰذا اس واقفہ میں اور آپ کی عمرت اور فقر و فاقہ کی روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ کی اس آمدنی کا بیڑا حصہ خدا کی راہ میں خرچ ہوتا تھا۔ اور قبول کے دور میں بھی ذاتی اور خانگی فقر و فاقہ کا وہی عالم رہتا تھا۔

کبھی کبھی خانداری کے معاملات میں حضرت فاطمہؓ سے رنجش بھی ہو جاتی تھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ درمیان میں پڑ کر صفائی گرا دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر چلیں، پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی آئے۔ حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی تو آپ نے فرمایا، بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہیے کہ کون شہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے؟ حضرت علیؓ نے نہایت متاثر ہوئے، اور انہوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ اب میں تمہارا خلاف مزاج کوئی بات نہ کروں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضرت فاطمہؓ کو اس قدر غم ہوا کہ اس کے بعد صرف

چہرہ ہینے زندہ رہیں، اور اس عرصہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی ان کا دل پڑ مردہ سنگتہ نہ ہوا۔ حضرت علیؑ بھی ان کی دلہنسی اور تسلی کے خیال سے غامہ نشین رہے اور جب تک وہ زندہ رہیں گھر سے باہر قدم نہ رکھا۔

حضرت فاطمہؑ کے بعد مقدہ و شادیاں کیں اور ان بیویوں سے بھی لطف و محبت کے ساتھ پیش آیا۔ دوسری بیویوں سے جو اولادیں تھیں ان میں حضرت محمد بن حنفیہؑ سے بھی نہایت محبت تھی چنانچہ وفات کے وقت حضرت امام حسنؑ سے ان کے ساتھ لطف و محبت سے پیش آنے کی خاص طبع پر ہدایت فرمائی۔ غنڈ اولیاس۔ حضرت علیؑ کے غیر معمولی زہد و رعب نے ان کی معاشرت کو نہایت سادہ بنا دیا تھا کمانا عموماً روکھا پھیکا کھاتے تھے عمدہ پوشاک اور قیمتی لباس سے بھی شوق نہ تھا۔ عمامہ بہت پسند کرتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے العالم تجان العرب، یعنی علمائے عربوں کے تاج ہیں کبھی کبھی سپید لڑھی بھی پہنتے تھے کڑے کی آستین اس قدر چھوٹی ہوتی کہ اکثر ہاتھ آدھے کھلے ہوتے تھے۔ تہبند بھی نصف ساق تک ہوتی تھی کبھی صرف ایک تہبند اور ایک چادر پر ہی قناعت کرتے اور اس وقت میں فرائض خلافت ادا کرنے کے لئے کوٹارے کرنا یا میں گشت کرتے نظر آتے۔ غرض آپکو ظاہری طمطراق کا مطلق شوق نہ تھا پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے لوگوں نے اس کے متعلق عرض کیا تو فرمایا، یہ دل میں خشوع پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں کے لئے ایک اچھا نمونہ ہے وہ اس کی پیروی کریں۔ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور اس پر بَلَدُ الْمَلِكِ "نقش تھا۔

حضرت علیؑ پر سردی و گرمی کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا، کیونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر میں ان کے لئے دعا فرمائی تھی اللہم اذہب عنہ الخبز والبرد یعنی اس سے گرمی و سردی دور کر، اس کا یہ اثر تھا کہ وہ جاڑے کا کپڑا گرمی میں لودر گرمی کا کپڑا جاڑے میں زیب تن فرماتے اور اس سے کوئی تکلیف نہ ہوتی تھی۔

خلیہ :- قد میاتہ، رنگ گندم گوں، آنکھیں بڑی بڑی چہرہ پر مدنی و خوبصورت، سینہ چمنا نما، سر پر بال، بازو اور تمام بدن گٹھا ہوا، پیٹ بڑا اور نکلا ہوا، سر پر بال نہ تھے یا ایک روایت میں ہے کہ کپڑے فرمایا کریں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے کہ اس کے نیچے نجاست ہوتی ہے۔

اسی لیے میں بالوں کا دشمن ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کے دو گیسو پٹے دیکھے، مگر زیادہ مشہور یہی ہے کہ آپ کے سر میں بال نہ تھے۔ ریش مبارک بڑی اور اتنی چوڑی تھی کہ ایک ٹونڈھے سے دوسرے ٹونڈھے تک پھیلی تھی۔ آخر میں بال بالکل پسید ہو گئے تھے، اور شہید تمام عمر میں ایک تہہ بالوں میں مہندی کا خضاب کیا تھا۔

ارواح و اولاد اسیدہ حضرت فاطمہ زہرا کے بعد جناب مرتضیٰ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، اور ان سے نہایت کثرت کے ساتھ اولادیں ہوئیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

حضرت فاطمہ زہرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ ان سے ذکور میں حسن، حسین، محمد بن ابی بکر، علی بن ابی طالب اور ام کلثوم کبریٰ اور ام کلثوم کبریٰ پیدا ہوئیں۔ حسن نے چچن ہی میں وفات پائی۔ ام البنین بنت حرام۔ ان سے عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے۔ ان میں سے عباس کے علاوہ سب حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

لیلیٰ بنت مسعود۔ انہوں نے سعید اللہ اور ابوبکر کو یادگار چھوڑا۔ لیکن ایک روایت کے مطابق یہ دونوں بھی حضرت امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے۔

اسکاتہ بنت عمیس۔ ان سے یحییٰ اور محمد اصغر پیدا ہوئے۔

صبا یا ام حبیب بنت سبوح۔ یہ ام ولد تھیں، ان سے عمر اور قیث پیدا ہوئیں عمر نے نہایت طویل عمر پائی اور تقریباً پچاس برس کے سن میں سینو ع میں وفات پائی۔

امانہ بنت ابی العاص۔ یہ حضرت زینبؑ کی صاحبزادی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں

ان سے محمد اور وسط تولد ہوئے www.kitabosunnat.com

خوار بنت جعفر محمد بن علی جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں، ان ہی کے لطن سے پیدا ہوئے تھے۔

ام سعید بنت عروہ۔ ان سے ام الحسن اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں۔

حمیاء بنت امر القیس۔ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی، مگر چچن ہی میں قضا کر گئی۔ تذکرہ بالا

بیولیا کے علاوہ متعدد لڑکیاں بھی تھیں، اور ان سے حسب ذیل لڑکیاں تولد ہوئیں۔

ام ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ، رملہ صغریٰ، ام کلثوم صغریٰ، فاطمہ، ام خدیجہ، ام الکرام، ام سلمہ، ام جعفر، جانہ انیسہ۔

غرض حضرت علیؑ کے سترہ لڑکیاں اور چودہ لڑکے تھے۔ ان میں پانچ سے سلسلہ نسل جاری رہا، ان کے نام یہ ہیں

ام حسنؑ، امام حسینؑ، محمد بن حنفیہ، عباسؑ، عمر (رضی اللہ عنہما ورضو عنہما)

